هر گھر کیلئے

ماہنامہ

حنا

جلد 39 شمارہ 6
جون 2017ء
قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! جولائی کا شمارہ 2017ء پیش خدمت ہے۔

رمضان المبارک کے مقدس اور بابرکت مہینے کا آغاز ہو چکا ہے۔ قارئین کو رمضان المبارک کی آمد مبارک۔ یہ خوش نصیبی ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ رحمتوں کی بارش لئے ہم پہ سایہ فگن ہے۔ قدرت نے ہمیں ایک بار بھر موقع دیا ہے کہ اس ماہ مقدس کی خیر و برکت سے ہم اپنے نامہ اعمال میں خیر کثیر کا اضافہ کر لیں۔

رمضان المبارک میں عبادتوں کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے۔ فرض عبادتوں کے علاوہ نفل، تراویح اور تلاوت کلام پاک کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ مہینہ بھر میں کم از کم ایک بار پورے قرآن کی تلاوت ضرور کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جن کو توفیق دیتا ہے وہ ایک سے زیادہ بار قرآن پاک ختم کرتے ہیں لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ عربی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر ہم قرآن پاک کا صحیح مفہوم جاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ جس میں دو جہاں کے علم کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ اس ماہ مقدس میں ایک بار ترجمے کے ساتھ قرآن پاک ضرور پڑھیں تا کہ اس عظیم ہدایت سے روشناس ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کے ذریعے عطا کی ہے اور اپنے دین کی صحیح سمجھ، فہم اور احساس حاصل کر کے نیکی اور سچائی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری عبادتوں کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اس مبارک مہینے کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کی توفیق فرمائے آمین۔

عید نمبر:۔ جولائی کا شمارہ ''عید نمبر'' ہوگا عید نمبر کے لئے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں، عید نمبر میں مہندی کے ڈیزائن، عید کے اشعار اور دیگر دلچسپیوں کے ساتھ مصنفین اور قارئین سے عید سروے بھی شامل ہوگا، عید سروے کے جوابات اٹھارہ جولائی تک بھیج دیں۔

اس شمارے میں:۔ فضیلت کی راتیں، رمضان المبارک کی خصوصی تحریر، ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناول، بشریٰ سیال، عرشیہ راجپوت اور تمثیلہ زاہد کے مکمل ناول، مبشرہ انصاری اور سویرا فلک کے ناولٹ، رمشا احمد، عزہ خالد اور تحسین اختر کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
اودھر نہیں گزر گمان و خیال کا

حیرت ہے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال کچھ اور ہے یاں انہوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ وگرنہ سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر اگر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر

قدرت کی آن والے رحمت کی شان والے
تجھ پہ جہاں تصدق او پاکؐ جان والے

دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری
بوسیدہ کپڑوں والے ٹوٹے مکان والے

ایسے تھے آپؐ امی کھولی زبان جس دم
دم بھر میں بے زباں تھے ساری زبان والے

روضہ پہ آئے صبا تو جا کر یہ عرض کر دے
مہجور کب تک آخر پاکستان والے

اک جنبش نگہ کے سب منتظر کھڑے ہیں
پر درد قلب والے پر سوز جان والے

جگر مراد آبادی

اوارہ

باب، مال کے فتنے سے ڈرتے رہنے کا

بیان

اور اللہ تعالیٰ (سورہ تغابن میں فرماتا ہے)
تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہیں۔

آدم کی حرص

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔
''آدمی (کی حرص) کا یہ حال ہے کہ اگر اس کے پاس دو وادیاں مال (یا سونا) ہو تو (اس پر بھی قناعت نہ کرے گا) تیسری وادی ڈھونڈے گا اور آدمی کا پیٹ صرف اور صرف مٹی ہی بھرے گی اور اللہ تعالیٰ اسی کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف (دل سے) توبہ کرتا ہے۔''
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات ہے۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔
''اگر آدمی کے پاس ایک وادی مال اسباب ہو تو بھی دوسری وادی کی آرزو کرے گا اور آدمی کی آنکھ اسی وقت بھرے گی، جب مٹی میں گڑے گا اور اللہ اسی شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔
''میں نہیں جانتا یہ قرآن کی آیت ہے (جس کی تلاوت منسوخ ہو گئی یا قرآن کی آیت نہیں (بلکہ حدیث ہے)''
عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے۔
''اے لوگو! تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔''
''اگر ایک آدمی کو ایک وادی سونا مل جائے تو بھی قناعت نہیں کرے گا، دوسری وادی چاہے گا، اگر دوسری بھی مل جائے تو تیسری چاہے گا، بات یہ ہے کہ آدمی کا پیٹ مٹی ہی بھرتی ہے (یعنی موت) اور اللہ تعالیٰ اسی کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع ہو۔''
باب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا، یہ دنیا کا حال (ظاہر میں) بہت شیریں ہرا بھرا ہے اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ آل عمران میں) فرمایا۔
''مرغوب چیزوں کی خواہش لوگوں کے لئے مزین کر دی گئی ہے، عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ڈھیر، عمدہ نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے، کھیت یہ سب چیزیں دنیا کے سازوسامان ہیں۔''
اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔
''یا اللہ! ان چیزوں سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر یہ کہ ان چیزوں کے ملنے سے خوش ہوتے ہیں جن کی محبت تو نے ہمارے دل میں ڈال دی ہے، یا اللہ! میں یہ چاہتا ہوں ان چیزوں کو ان ہی کاموں میں خرچ کروں جن میں

خرچ کرنا چاہیے۔"

دینے والا ہاتھ

حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا (کچھ روپیہ مانگا)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عنایت فرمایا پھر سوال کیا تو پھر دیا پھر فرمانے لگے۔

"حکیم یہ دنیا کا مال (ظاہر میں) تو ہرا بھرا شیریں (اور خوشنما ہے) ہے لیکن جو کوئی اس کو سیر چشمی سے لے گا زیادہ حرص نہ کرے گا تو اس میں برکت ہوگی اور جو کوئی اس میں نیت لگا کر (حرص اور طمع کے ساتھ) لے گا اس کو برکت نہ ہوگی، اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو کھاتا ہے، پر سیر نہیں ہوتا اور یہ بھی سمجھ لے کہ اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔"

آدمی جو مال اللہ کی راہ میں دے

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں کون ایسا ہے جس کو اپنے وارث کا مال خود اس کے مال سے زیادہ پیارا ہو؟"

لوگوں نے کہا۔

"ایسا تو کوئی نہیں ہے، ہر ایک کو اپنا ہی مال زیادہ پیارا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"پھر تو (یہ سمجھ لو کہ) آدمی کا مال وہی ہے جو اس نے آگے بھیجا اور جتنا مال چھوڑ گیا اس کے وارثوں کا ہے۔"

دنیا میں مال دار

اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ ہود میں) فرمایا۔

"جو شخص (نیکیاں کر کے) دنیا کے ساز و سامان اور اس کی زندگی کا طلب گار ہوگا، ہم ایسے لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں ان کو پورا دیں گے اور وہ دنیا میں گھاٹا نہیں اٹھائیں گے، پر ان لوگوں کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں ہے، دنیا میں جتنے نیک کام کیے، وہ آخرت میں کسی کام نہیں آئیں گے، سب (حرف غلط کی طرح) مٹ جائیں گے۔"

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

"میں ایک رات (اپنے گھر سے) باہر نکلا، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے جا رہے تھے، ایک آدمی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں ہے، میں یہ سمجھ کر کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی کو اپنے ساتھ لے چلنا پسند نہ کیا ہو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں گیا) دور رہی دور چاند کے سائے میں چلنے لگا، یک بارگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نگاہ پھیری تو مجھے دیکھ لیا اور پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

میں نے کہا۔

"میں ہوں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرے۔"

فرمایا۔

"ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ادھر آ۔"

اس وقت میں لحہ بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو لوگ دنیا میں بہت مال و دولت رکھتے ہیں، آخرت میں وہی نادار ہوں گے، البتہ وہ شخص جس کو اللہ نے دولت دی ہو پھر وہ دائیں

بائیں اور آگے پیچھے (چاروں طرف) اس کو لٹائے (محتاجوں کو دے) اور دولت نیک کام میں خرچ کرے، وہ آخرت میں نادار نہ ہوگا۔''

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک صاف ہموار میدان میں بٹھا دیا جس کے اردگرد پتھر تھے اور فرمایا۔

''جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں تم یہاں بیٹھے رہو۔''

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھریلی زمین میں تشریف لے گئے، اتنے دور چلے گئے کہ میری نظر سے غائب ہو گئے اور بہت دیر لگائی، اس کے بعد میں نے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں۔

''گو زنا اور چوری کرے۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ پہنچے تو مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سے صدقہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پتھریلی زمین کے کناروں پر کس سے باتیں کر رہے تھے، میں نے تو کسی شخص کی آواز نہیں سنی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ جواب دیتا ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ جبریل علیہ السلام تھے، اس کالی پتھریلی زمین کے کنارے میں مجھ سے ملے اور کہا، تم اپنی امت کو یہ خوش خبری سنا دو جو کوئی تمہاری امت میں سے ایسی حالت میں مر جائے گا کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو (گو دوسرے گناہوں میں گرفتار ہو) وہ (ایک نہ ایک دن) ضرور بہشت میں جائے گا۔''

اس وقت میں نے کہا۔

''اے جبریل! گو وہ زنا اور چوری کرے؟''

انہوں نے کہا۔

''ہاں، (گو وہ زنا اور چوری کرے)''

پھر انہوں نے کہا، پھر میں نے کہا ''گو وہ زنا اور چوری کرے؟'' ہاں اگرچہ وہ شراب بھی پیئے۔'' اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب مرتے وقت لاالہ الا اللہ کہے (توحید پر خاتمہ ہو۔)

مال جمع کرنا

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں مدینہ کی کالی پتھریلی زمین پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، اتنے میں سامنے سے احد پہاڑ دکھائی دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ!''

میں نے عرض کی۔

''حاضر ہوں میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر میں پہاڑ کے برابر سونا میرے پاس ہو اور تین دن سے زیادہ اس میں ایک اشرفی برابر سونا اپنے پاس رہنے دوں تو یہ مجھ کو اچھا نہیں لگتا (بلکہ تین دن کے اندر سب بانٹ دوں) البتہ اگر کسی کا قرض مجھ پر ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں تو یہ اور بات ہے، میں سارا سونا اللہ کے بندوں میں بانٹ دوں، دائیں بائیں پیچھے (تینوں طرف والوں کو) یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے لگے پھر فرمایا۔

''جو لوگ دنیا میں بہت مال و دولت رکھتے

ہیں، آخرت میں وہی نادار اور مفلس ہوں گے، البتہ جو شخص اپنے مال و دولت کو دائیں بائیں پیچھے تینوں طرف والوں کو تقسیم کرتا رہے (جوڑ کر نہ رکھے) وہ قلاش نہ ہوگا اور قسم کے (سخی لوگ) کم ہیں۔''

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

''جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں تو یہیں ٹھہرا رہ، سرکنا نہیں۔''

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیری رات میں اتنے دور نکل گئے کہ نظر سے غائب ہو گئے پھر میرے کان میں کچھ آواز آئی اور آواز بھی پکارنے کی، میں ڈرا، کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی واقعہ پیش نہ آیا ہو (کسی دشمن نے حملہ کیا ہو) اور میں نے قصد کیا، آگے بڑھ کر دیکھوں لیکن مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

''جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں تو یہاں سے نہ سرکنا۔'' آخر وہ اسی جگہ ٹھہرا رہا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عرض کی۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے ایک آواز سنی تھی تو ڈر گیا تھا، کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا ہو اور میرے دل میں جو آیا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔

''ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تو نے آواز سنی تھی؟''

میں نے کہا۔

''جی ہاں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ جبریل علیہ السلام کی آواز تھی، جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے، کہنے لگے، تمہاری امت میں سے جو کوئی اس حال میں مر جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو بہشت میں جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''گو وہ زنا اور چوری کرے؟'' انہوں نے کہا۔

''گو وہ زنا اور چوری کرے۔''

احد کے برابر سونا

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو بھی میں اس پر خوش ہوں گا کہ تین دن گزرنے سے پہلے اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی نہ رہے (سب تقسیم کر دوں) البتہ اگر کسی کا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں تو یہ اور بات ہے۔''

مال دار کون ہے؟

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''امیری اور تونگری بہت مال و اسباب ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔''

باب، فقیری کی فضیلت کا بیان

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گزرا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص (ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

''اس شخص کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟''

انہوں نے کہا۔

''یہ شریف (مال دار) لوگوں میں سے ہے، اللہ کی قسم یہ شخص ایسا ہے، اگر کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کا پیغام منظور ہوگا، اگر کسی کی سفارش کرے تو لوگ اس کی سفارش سنیں گے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو رہے پھر ایک اور شخص (جمیل بن سراقہ یا اور کوئی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی شخص (ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پوچھا۔

''اس شخص کو تم کیسا سمجھتے ہو؟''

انہوں نے کہا۔

''یہ تو ایک مسلمان غریب آدمی ہے، یہ بے چارہ اگر کہیں نکاح کا پیغام بھیجے تو منظور نہیں کیا جائے گا، اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش منظور نہیں کی جائے گی، (نہیں مانی جائے گی) اور اگر کوئی بات کرے تو اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ پچھلا (محتاج) شخص پہلے مال دار شخص سے، گو ویسے آدمی زمین بھر کر ہوں تو بھی بہتر ہے۔''

عمران بن حصین سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں نے بہشت میں جھانکا، دیکھا تو وہاں وہ لوگ زیادہ ہیں جو دنیا میں فقیر اور محتاج تھے اور دوزخ میں بھی جھانکا، وہاں عورتیں بہت تھیں۔''

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ کہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرتے دم تک کبھی دستر خوان پر کھانا نہیں کھایا، نہ باریک چپاتی کبھی تناول فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی اور میرے توشہ خانہ میں کوئی غلہ نہ تھا جس کو کوئی جان دار کھاتا، البتہ کچھ جو پڑے ہوئے تھے، میں وہی (ایک مدت تک) کھاتی رہی، آخر اکتا کر جب بہت دن گزرے (وہ جو ختم نہیں ہوتے تھے) تو میں نے ان کو ماپا تب وہ ختم ہو گئے۔''

باب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گزران کا بیان

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے۔

''قسم اس پروردگار کی جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے، میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں) مارے بھوک کے اپنا پیٹ زمین سے لگا دیتا، کبھی ایسا ہوتا بھوک کی شدت میں ایک پتھر پیٹ پر باندھ لیتا، ایک دن میں سرراہ جہاں پر سے لوگ گزرا کرتے تھے، بیٹھا، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت پوچھی، میرا مطلب یہ تھا کہ وہ مجھ کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں

☆☆☆

فضیلت کی راتیں

اللہ رب العزت کی رحمتوں، بخششوں اور کرم نوازیوں کا خاص مہینہ رمضان المبارک شروع ہو چکا ہے، یہ ایک ایسا عظیم مہینہ ہے جس کے پہلے عشرے میں بے انتہا رحمتوں کی بارشیں ہوتی ہیں اور دوسرے عشرے میں رب کائنات اپنے گناہ گار بندوں کی نافرمانیوں کو درگزر فرماتے ہیں، جبکہ آخری عشرے میں ایسے مومن عاصیوں کو جہنم سے نجات عطا فرماتے ہیں جن کے لئے دوزخ کی سزا مقرر ہو چکی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ اس ماہ مبارک کا ذوق وشوق اور احترام و تعظیم کے ساتھ استقبال کریں اور اس کی خیرات و برکات سے اپنی جھولیاں بھرلیں، اس ماہ معظم میں وہ کام ہوتا ہے جو دوسرے مہینوں میں نہیں ہو پاتا، قرآن مجید کا اس مہینے میں خاص تعلق ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ اس میں قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جاتا ہے، پڑھنا بھی آسان معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے، دوسرے یہ کہ برائیوں سے بچنا اس ماہ میں دشوار نہیں ہوتا بلکہ طبع سلیم کے لئے آسان ہوتا ہے کہ نافرمانیوں اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وآلہ وسلم سے بغاوت کے اعمال سے باز آجائے، اگر گزشتہ گیارہ ماہ میں برائیوں کو چھوڑنے کی ہمت نہ ہوئی تو اب رمضان کی صورت میں اچھا موقع ہے کہ خواہش نفس کی پیروی ترک کر دی جائے، نیز نیکیاں بھی اس ماہ مبارک میں سہل محسوس ہوتی ہیں، لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ اس ماہ نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں کہ خوب اجر و ثواب کمائیں، کیا معلوم کہ آئندہ رمضان شریف تک آپ اور ہم زندہ بھی نہیں رہیں۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے ذوق وشوق سے ماہ رمضان المبارک کا انتظار فرماتے تھے، ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب رجب المرجب کا مہینہ آتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی فرحت ومسرت کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے۔

"کہ اے اللہ! ہمارے لئے (زندگی و صحت میں) رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان شریف کے مہینے تک پہنچا دے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ اس ماہ مبارک کی خیرات و برکات سے خود کو بہرہ مند کر سکیں۔"

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر لوگوں کو رمضان کی فضیلت کا علم ہو جاتا، تو میری امت سارا سال رمضان رہ جانے کی تمنا کرتی۔"

طبرانی کی روایت میں ہے کہ، جب رمضان شریف کا مہینہ آتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"تمہارے پاس رمضان آگیا ہے، برکت

کا مہینہ جس کے دوران اللہ پاک تمہیں (اپنی رحمت ومغفرت سے) گھیرے میں لے لیتا ہے، خطائیں درگزر فرماتا ہے، رحمت نازل فرماتا ہے اور دعا قبول فرماتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ خیر اور بھلائی کے میدان میں تم لوگوں کا مقابلہ کیسا ہوتا ہے اور تمہیں لے کر فرشتوں سے فخر کرتا ہے، لہٰذا تم لوگ اللہ کو اپنی طرف سے بھلائی دکھاؤ، کیونکہ بد بخت اور قسمت کا مارا وہ شخص ہے جو اس جیسے مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہ گیا۔"

درحقیقت ماہ رمضان نفس وروح کی تربیت کا بہترین کورس ہے، اس میں آدمی چاہے تو بہت کچھ سیکھ سکتا ہے، سدھار سکتا ہے، اصلاح کر سکتا ہے، بہت کچھ بنا سکتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باغیانہ رویہ اختیار کرنے کے پیچھے دو عناصر سب سے زیادہ کارفرما ہوتے ہیں، ایک انسان کا اپنا نفس امارہ ہے جس کا کام ہی انسان کو برائی کی جانب دھکیلنا ہوتا ہے تاکہ انسان ہلاکت کا شکار ہو جائے، ادھر اللہ پاک نے اس نفس امارہ کے تقاضوں اور خواہشوں پر پابندی لگا دی کہ رمضان المبارک کے دنوں میں کھانے، پینے اور شہوانی خواہش پوری کرنے کی اجازت نہیں، نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نفس پھر کمزور پڑ جاتا ہے، اس کی رغبتوں کا زور ٹوٹا ہوا ہوتا ہے، چنانچہ ذرا سی ہمت کر لے تو انسان اپنی نفسانی خواہشات پر رمضان شریف میں باآسانی قابو پا لیتا ہے اور دوسرا جو ہے انسان کا دائمی دشمن شیطان ہے، خواہ انسانی شیطان ہو یا جنی شیطان، جس کے ورغلانے پر انسان دھوکے میں پڑ جاتا ہے، جہاں تک جنی شیطان کا تعلق ہے تو ایک متفق علیہ حدیث نبوی میں یہ ارشاد آیا ہے۔

"شیطان کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔" بعض روایات میں "مردۃ الشیطان" کا لفظ ہے، یعنی باغی سرکش قسم کے شیطان کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے، چنانچہ ایسے شیطان پھر رمضان المبارک میں لوگوں کو بہکانے آ نہیں سکتے کہ لوگوں سے بڑے بڑے گناہ سرزد کروائیں۔

الغرض آدمی کو چاہیے کہ رمضان کے اس تربیتی مہینے سے خوب استفادہ کرے اور ایسا نہ ہو کہ خواب غفلت میں لگا رہے اور یہ بابرکت مہینہ ہاتھ سے نکل جائے۔

ماہ رمضان قرآن وسنت کے آئینے میں

رمضان قرآن کا مہینہ

رمضان شریف کے مہینے میں انسانوں کے لئے کتاب ہدایت "القرآن" نازل کی گئی جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے، "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور وہ ایسی واضح تعلیمات مشتمل ہے جو راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

رمضان شب قدر کا مہینہ

پھر اس ماہ کے جس جزو وقت میں قرآن مجید کو اتارا گیا، وہ رات کا وقت تھا جس کی الگ حرمت وعظمت بن گئی، چنانچہ اسے "لیلۃ القدر" کا نام عطا ہو گیا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، فرشتے اور روح (جبریل علیہ السلام) اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں، وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔" (سورۃ القدر)

شب قدر کی خصوصیات پر مزید روشنی ڈالتے

ہوئے اللہ جل شانہ نے فرمایا۔

''ح، م، قسم ہے اس کتاب مبین کی کہ ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے، کیونکہ لوگوں کو متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ وہ رات ہے جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے، ہم (ایک رسولؐ) بھیجنے والے تھے، آپ کے پروردگار کی رحمت کے طور پر یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے، آسمانوں اور زمین کا رب اور ان دونوں میں موجود ہر چیز کا رب، اگر تم واقعی یقین رکھنے والے ہو، کوئی (حقیقی) معبود اس کے سوا نہیں ہے، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، (وہ) تمہارا رب ہے اور تمہارے تمام آباؤ اجداد کا بھی رب ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔'' (سورۃ الدخان)

رمضان روزوں کا مہینہ ہے

ماہ رمضان وہ مخصوص مہینہ ہے جس میں روزے رکھنا فرض کر دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے، لہٰذا اب سے جو شخص اس (رمضان کے) مہینہ کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے، اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا، (اس لئے یہ طریقہ تمہیں بتایا جاتا ہے) تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار اور اعتراف کرو اور یہ کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔'' (سورۃ البقرہ) نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزے فرض کرتے ہوئے درج ذیل حکم نامہ صادر فرمایا۔

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے نبیوں کے پیروکاروں پر فرض کیے گئے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی، چند مقرر دنوں کے روزے ہیں، اگر کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ فدیہ ادا کریں، ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے، لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہ ہی ہے کہ روزہ رکھو۔'' (سورۃ البقرہ)

روزے کی فرضیت اور تراویح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''تم لوگوں کے پاس رمضان کا مبارک مہینہ آ چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے تم پر فرض کیے ہیں۔'' (نسائی بیہقی)

جناب نضر بن شیبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ رب العزت نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے ہیں اور میں تم پر رمضان کی رات کا قیام (نماز تراویح) سنت قرار دیتا ہوں۔'' (مسند احمد، سنن بیہقی)

روزے کا اجر و ثواب

ویسے تمام اعمال صالحہ اور عبادات تو اللہ ہی کے لئے انسان کرتا ہے اور اللہ کو بھی یہ بات

معلوم ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے روزے کو خاص اس کے لئے بنایا اور یہ کہ خود ہی اس کا بدلہ ہے، سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزے دار کا ثواب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔'' (طبرانی، بیہقی)

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے (حدیث قدسی میں) فرمایا، انسان کے تمام کام اس کے لئے ہیں، البتہ روزہ میرے لئے ہے، میں خود اس کا بدلہ (ہوں یا) جتنا چاہوں گا دوں گا۔'' (بخاری، مسلم، نسائی)

روزہ دار کی دعا مقبول ہے

سرور کائنات، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، تین اشخاص کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار کی، دعا جب وہ افطار کے وقت دعا کرے، دوسرے عدل و انصاف قائم کرنے والے حاکم وقت کی دعا اور تیسرے مظلوم کی دعا، اللہ پاک ان افراد کی دعاؤں کو بادلوں سے اوپر اٹھالیتا ہے، ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے۔

''میری عزت و جلال کی قسم! اے بندہ! میں تیری مدد ضرور کروں گا، اگرچہ کچھ بعد ہی سہی۔'' (مسند احمد، ترمذی)

ماہ رمضان کے خصوصی وظائف

ماہ رمضان کی پہلی شب بعد نماز عشاء ایک مرتبہ سورہ فتح پڑھنا بہت افضل ہے۔

رمضان شریف میں ہر نماز عشاء کے بعد روزانہ تین مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی فضیلت ہے،

اول مرتبہ پڑھنے سے گناہوں کی مغفرت ہوگی، دوم مرتبہ پڑھنے سے دوزخ سے آزاد ہوگا، تیسری بار پڑھنے سے جنت کا مستحق ہوگا۔

شب قدر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''شب قدر کو تلاش کرو رمضان کے آخری دس راتوں کی طاق راتوں میں۔''

شب قدر کی دعا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بتایئے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ سے کیا عرض کروں؟ اور کیا دعا مانگوں؟''

آپ نے فرمایا کہ یہ عرض کرو۔

''ترجمہ، اے اللہ! آپ معاف کرنے والے ہیں اور کریم ہیں، عفو کو پسند کرتے ہیں، لہٰذا مجھ سے درگزر کیجئے۔''

پہلی شب قدر

حضور انور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے جو مرد یا عورت یہ خواہش کرے کہ میری قبر نور کی روشنی سے منور ہو تو اسے چاہیے کہ ماہ رمضان کی شب قدروں میں کثرت کے ساتھ عبادت الٰہی بجا لائے، تا کہ ان مبارک اور معتبر راتوں میں عبادت سے اللہ پاک اس کے نامہ اعمال سے

برائیوں کو مٹا کر نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے۔
شب قدر کی عبادت ستر ہزار شب کی عبادتوں سے افضل ہے۔

نفل نماز

اکیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے، سورہ قدر ایک بار، سورہ اخلاص ایک ایک مرتبہ پڑھے بعد سلام کے ستر مرتبہ درود پاک پڑھے۔
انشاء اللہ تعالیٰ اس نفل نماز کے پڑھنے والے کے حق میں فرشتے دعائے مغفرت کریں گے۔
اکیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص تین تین بار پڑھے، بعد نماز سلام پھیر کر ستر مرتبہ استغفار پڑھے۔
انشاء اللہ تعالیٰ اس نماز اور شب قدر کی برکت سے اللہ پاک اس کی بخشش فرمائے گا۔

دوسری شب قدر

ماہ مبارک کی تیئسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک ایک بار اور سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھیں۔
انشاء اللہ تعالیٰ واسطے مغفرت گناہ کے یہ نماز بہت افضل ہے۔
تیئسویں شب قدر کو آٹھ رکعت نماز چار سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک مرتبہ، سورہ اخلاص ایک ایک بار پڑھیں۔
بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ تمجید پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما کر انشاء اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا۔

تیسری شب قدر

ماہ رمضان کی پچیسویں تاریخ کی شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ ہر رکعت میں پڑھیں۔
بعد سلام کے کلمہ طیبہ ایک سو مرتبہ پڑھیں۔
بارگاہ رب العزت سے انشاء اللہ تعالیٰ بے شمار عبادت کا ثواب عطا ہوگا۔
پچیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر تین تین مرتبہ، سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھیں۔
پچیسویں شب قدر کو دو رکعت نماز پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر تین تین مرتبہ، سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھیں۔
پچیسویں شب قدر کو دو رکعت نماز پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک ایک مرتبہ، سورہ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے ستر مرتبہ شہادت پڑھیں۔

چوتھی شب قدر

ستائیسویں شب قدر کو بارہ رکعت نماز تین سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک ایک مرتبہ، سورہ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھیں، انشاء اللہ اس نماز کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ نبیوں کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر تین تین مرتبہ، سورہ اخلاص ستائیس مرتبہ پڑھ کر گناہوں کی مغفرت طلب کریں، اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف فرمائے گا انشاء اللہ۔

ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ تکاثر ایک ایک مرتبہ، سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھیں، اس نماز کے پڑھنے والے پر سے اللہ تعالیٰ موت کی سختی آسان کرے گا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کو عذاب قبر بھی معاف ہو جائے گا۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھیں، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ اخلاص سات سات مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار کی تسبیح پڑھیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس نماز کو پڑھنے والے اپنے مصلے سے نہ اٹھیں گے کہ اللہ پاک اس کو اور اس کے والدین کے گناہوں کو معاف کر کے مغفرت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کے لئے جنت کو آراستہ کرو اور فرمایا کہ وہ جب تک تمام بہشتی نعمتیں اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا، اس وقت تک اسے موت نہ آئے گی، واسطے مغفرت یہ دعا بہت افضل ہے۔

ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز پڑھیں، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر تین تین مرتبہ سورہ اخلاص پچاس پچاس مرتبہ پڑھیں، بعد سلام سجدہ میں سر رکھ کر ایک مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھیں۔

اس کے بعد جو حاجت دنیاوی و دنیوی طلب کریں، ستائیسویں شب قدر کو ساتوں حم پڑھیں، یہ ساتوں حم عذاب قبر سے نجات اور مغفرت گناہ کے لئے بہت افضل ہے۔

ستائیسویں شب کو سورہ ملک سات مرتبہ پڑھنا واسطے مغفرت گناہ بہت فضیلت والی ہے۔

پانچویں شب قدر

انتیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص تین تین بار پڑھیں، بعد سلام کے سورہ الم نشرح، ستر مرتبہ پڑھیں۔

یہ نماز کامل ایمان کے لئے بہت افضل ہے۔

ماہ رمضان کی انتیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے درود شریف ایک سو مرتبہ پڑھیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کو دربار خداوندی بخشش مغفرت عطا کی جائے گی۔

ماہ رمضان المبارک کی انتیسویں شب کو چار مرتبہ سورہ واقعہ پڑھیں، انشاء اللہ تعالیٰ ترقی رزق کے لئے بہت افضل ہے۔

ماہ رمضان کی کسی شب میں بعد نماز عشاء سات مرتبہ سورہ قدر پڑھنی بہت افضل ہے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے سے ہر مصیبت سے نجات حاصل ہو گی۔

جمعتہ الوداع

رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو بعد نماز ظہر دو رکعت نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ زلزال، ایک بار، سورہ اخلاص دس بار دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ کافرون تین تین مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے دس بار درود شریف پڑھیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں،

پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ تکاثر ایک بار سورہ اخلاص دس بار، دوسری رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے آیت الکرسی تین مرتبہ سورہ اخلاص پچیس مرتبہ، بعد سلام کے درود شریف دس مرتبہ پڑھیں۔

اس نماز کے بے شمار فضائل ہیں اور اس نماز کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ قیامت تک بے انتہا عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

رمضان کی آخری رات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''رمضان کو آخری رات میں آپ کی امت کے لئے مغفرت و بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔

''وہ شب قدر ہوتی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''شب قدر تو نہیں ہوتی، لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔''

رمضان المبارک

1۔ صبح آنکھ کھلتے ہی تین دفعہ درود شریف پڑھیں اور اپنی ہتھیلیوں پر پھونکیں، پھر یہ ہتھیلیاں منہ پر پھیر لیں۔

2۔ روزہ رکھنے کی نیت کے بعد 21 مرتبہ ''الملک'' پڑھیں اور سینے پر پھونکیں۔

3۔ اپنا کام شروع کرنے سے پہلے 21 مرتبہ ''الغفار'' پڑھیں اور پھر کام شروع کریں۔

4۔ دوپہر کی نماز کے بعد 21 مرتبہ ''القھار'' پڑھیں اور دل کی دھڑکن کی جگہ پھونکیں۔

5۔ دوپہر کے بعد تھوڑی دیر آرام کی غرض سے سونے لگیں تو 21 مرتبہ ''الخبیر'' پڑھیں۔

6۔ نیند سے اٹھنے کے بعد 21 مرتبہ ''الکبیر'' پڑھیں اور پھر دل کی جگہ پھونکیں۔

7۔ اگر کسی وقت جھنجلاہٹ یا غصہ آئے تو فوراً ''الحفیظ'' پڑھیں، غصہ دور ہر جائے گا۔

8۔ اگر روزہ میں قوت برداشت ختم ہو رہی ہو تو

وظیفہ برائے شادی

صرف رمضان کی گیارہویں اور بارہویں روزے کی درمیانی رات کے بعد نماز عشاء دو دو رکعت کر کے بارہ نفل اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد بارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھیں، بارہ نفل پڑھ کر سو مرتبہ درود شریف پڑھیں پھر بارہ نفل اور درود شریف کا ثواب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ پاک کے حضور گڑگڑا کر خلوص و انکساری عاجزی سے کم از کم پندرہ منٹ تک اپنے لئے یا اپنی بیٹی کے لئے یا اپنی بہن کے لئے اچھے رشتے کی دعا کریں، انشاء اللہ اگلے رمضان المبارک سے پہلے مراد پوری ہوگی۔

21 مرتبہ "المقیت" پڑھیں اور انگلیوں پر پھونک کر انگلیاں سونگھ لیں، بھوک اور پیاس فوراً ختم ہو جائے گی۔

9۔روزہ کھولنے سے کچھ دیر پہلے دستر خوان پر بیٹھیں اور 21 مرتبہ "الواسع" پڑھیں اور یہ سوچیں کہ ساری نعمتیں آپ کے سامنے ہیں، لیکن خدا کے حکم کی وجہ سے آپ نے سب کچھ اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔

10۔عشاء اور تراویح کے بعد 21 مرتبہ "القوی" پڑھیں۔

11۔رات کو سوتے وقت سینے پر ہاتھ رکھ کر 100 مرتبہ "الباعث" پڑھیں اور 21 مرتبہ درود شریف پڑھیں اور آرام سے سو جائیں۔

رمضان شریف گزرنے کے بعد عید کے روز آپ اپنے آپ کو نیا انسان محسوس کریں گے، خود اعتمادی آپ کے اندر ظاہر ہو گی، قوت فیصلہ بڑھ جائے گی، آپ اپنے مسائل کے متعلق پورے اطمینان سے سوچ سمجھ کر صحیح فیصلہ کریں گے اور اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ اسلام میں جو احکامات ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہزاروں بھلائی رکھی ہے۔

سحری اور افطاری کی فضیلت

مسلمانوں اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق، سحری کھانا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"سحری کھا لیا کرو، اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔" طبی نقطہ نظر سے بھی سحری کھانا صحت کے لئے بہت مفید ہے، چودہ سو سال پہلے جب علم طب اپنے تاریک دور میں تھا، سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"روزہ رکھو تو صحت مند رہو گے۔"

میڈیکل سائنس نے آج کل انکشاف اور اس حقیقت کا اقرار کیا ہے کہ انسان جسم کے اندرونی نظام کے توازن کو برقرار رکھنے اور اسے تقویت پہنچانے کے لئے انسان کو گاہے بگاہے بھوکا پیاسا رہنا چاہیے، یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ روزے سے معدہ کو تقویت پہنچتی ہے، دل و دماغ کو راحت اور جسم کو آرام ملتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر گندگی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی چیز بنائی ہے اور جسم کو امراض سے پاک کرنے والی چیز روزہ ہے اور روزہ آدھا صبر ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگ ہمیشہ خیر پر ہی رہیں گے، جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، یعنی غروب آفتاب ہوتے ہی فوراً روزہ کھول لیا کریں گے۔"
(بخاری و مسلم عن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم روزہ کھولنے لگو تو کھجوروں سے افطار کرو، کھجور سراپا برکت ہے، اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے روزہ کھول لو، کیونکہ وہ ظاہر اور باطن کو پاک کرنے والا ہے۔" (ترمذی عن سلمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

بلاشبہ روزہ انسان کے نفس اور جسم دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور دونوں کی اصلاح کرتا ہے۔

☆☆☆

ابن انشاء

لاہور اور کراچی کے کئی اخباروں میں یہ خبر چھپی ہے کہ قدرت اللہ شہاب جو اردو کے ایک نامور ادیب ہیں، بھیس بدل کر اور جان ہتھیلی پر رکھ کر ان علاقوں میں گھس گئے جو ہمارے نزدیک عرب علاقے ہیں اور ہمارے دشمنوں کی اصطلاح میں ''اسرائیلی'' وہاں یہ بیت المقدس میں گھومے پھرے، عربوں کے گھروں میں گئے، ان کے انڈر گراؤنڈ لیڈروں سے ملے، کیونکہ یہ الفتح کے مجاہدین کے ساتھ یا ان کی مدد و اعانت سے ہی تو گئے تھے اور اسرائیلی چیرہ دستیوں کے ثبوت مع فلم فوٹو وغیرہ لے کر واپس پہنچ گئے اور وہاں یونیسکو کے پلیٹ فارم سے ایسی معرکے کی تقریر کی کہ اسرائیلی اور حامیان اسرائیل بوکھلا کر رہ گئے، اقوام متحدہ کے اس پلیٹ فارم سے نہ صرف اسرائیل کی مذمت ہوئی، بلکہ یونیسکو کے ڈائریکٹر جنرل کو تفتیش کے لئے خود بھاگ کر تل ابیب جانا پڑا۔

☆☆☆

ہم نے یہ خبر پڑھی اور آنکھیں ملیں، پھر اپنے چٹکی لی، یہ جاننے کے لئے کہ ہم جاگ رہے ہیں یا خواب دیکھ رہے ہیں کیونکہ ہم اس قسم کی جرأت کے متحمل نہیں ہو سکتے، ہمارا واسطہ زیادہ تر کاغذی شیروں کے ساتھ پڑتا ہے، سچ مچ کا شیر صرف چڑیا گھر میں یا ایم جی ایم کی فلموں میں ٹائٹل پر دیکھا ہے۔

دیکھا جائے تو اس میں چٹکی لینے کی چنداں بات بھی نہ تھی، کیونکہ ایک صاحب کے قول کے مطابق قدرت اللہ شہاب ایک آئس برگ ہیں، برف کا پہاڑ، ایک درجہ پانی کے اوپر دس درجے نیچے، ایک طرف درویش خدامست ہیں، دوسری طرف شوخ و تنگ افسانہ نگار، ایک طرف الحاج، تہجد گزار، اعتکاف نشین، دوسری طرف بقول ایک صاحب کے رابن ہڈ کے ہم زلف۔

1948 میں کشمیر پر حملہ ہوا تو نوکری چھوڑ کر اڑی یا تراڈ کھل میں جا بیٹھے، لیکن ہم سے پوچھیے تو ان کا مزاج اس سے پہلے سے بلکہ لڑکپن ہی سے عاشقانہ تھا۔

قحط بنگال کے دنوں میں جب کہ یہ نئے نئے آئی سی ایس ہوئے تھے اور مدنا پور میں تملوک کے ایس ڈی او تھے تو انہوں نے اپنی نگرانی میں بیوپاریوں کے گودام لٹوا دیے تھے، جن میں ہزاروں بوریاں لالہ پنا لال اگروال نے موقع مناسب پر سونے کے مول بیچنے کے لئے ذخیرہ کر رکھی تھیں، ان پر ایک تحقیقاتی کمیٹی بھی بیٹھی تھی، لیکن یہ دیکھ کر لوگ تو ان کو پوجنے لگے ہیں، بیٹھی ہی بیٹھی رہ گئی۔

اور بھاگل پور کا واقعہ تو اس سے بھی عجیب ہے، کوئٹ انڈیا تحریک زوروں پر تھی، ایک گاؤں میں لوگوں نے سرکاری ڈاک خانہ جلا دیا تھا، اوپر کی سطح پر فیصلہ ہوا، کہ یہ پورا گاؤں جلا دیا جائے، تاکہ دوسروں کو عبرت ہو، چنانچہ کمشنر میکفرسن، ڈپٹی کمشنر پریڈو، ڈی آئی جی پولیس کچھ نفری لے کر تیل کے کنستروں سے مسلح شہاب صاحب کی عمل داری میں پہنچ گئے، انہوں نے پوچھا۔

''خیریت؟''

جواب ملا۔

''ہم فلاں گاؤں جلانے آئے ہیں۔''

یہ بولے۔

''مجھ سے اجازت لے لی؟''

کمشنر وغیرہ بہت ہنسے اور بولے۔

''تو کون ہے؟''

انہوں نے کہا۔

''میں اس علاقے کا ایس ڈی او، آپ کتنے بھی بڑے حاکم ہوں یہ علاقہ میری تحویل میں ہے، یہاں کے نظم و نسق کا میں ذمہ دار ہوں، آپ لوگ چلے جایئے۔''

وہ اور زیادہ ہنسے کہ چہ پدی چہ پدی کا شوربا۔

ان کے پاس ایک اردلی تھا شیر خان، جہلم کا رہنے والا، اس نے انہوں نے کہا۔

''دیکھو شیر خان! یہ صاحب لوگ گاؤں کو جلانے آئے ہیں، تم میرا حکم مانو گے؟''

بولا۔

''حضور آپ ہی کا حکم مانوں گا۔''

انہوں نے فرمایا۔

''اچھا تو ان صاحب لوگوں میں سے جو بھی اس دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرے اس کو گولی مار دے۔''

وہ اور بھی بگڑے دل تھا، بولا۔

''جناب! اگر حکم ہو تو، یہ لوگ اگر نہ بھی نکلیں تب بھی گولی مار دوں؟''

انہوں نے کہا۔

''نہ نہ ایسا مت کرنا۔''

یہ بات ان افسران عالی مقام کو سنا کر کہی گئی تھی، ڈی آئی جی صاحب نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن شیر خان کی بندوق کی نال دیکھ کر سہم گئے، ساری پارٹی کو بے نیل و مرام غصے کے شعلے اگلتے لوٹنا پڑا۔

چیف سیکریٹری کے ہاں طلبی ہوئی تو یہ استعفے جیب میں رکھ کر لے گئے، انہوں نے کہا برخوردار تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے، ایک گاؤں جل جاتا تو سارے بہار میں آگ لگ جاتی، لیکن اتنے بڑے بڑے حاکموں کی، حکم عدولی نہیں کیا کرتے، اب جاؤ میں سمجھ لوں گا۔''

تتمہ اس کہانی کا یہ ہے کہ راجندر پرشاد جو ان ہی نواحات کے رہنے والے تھے اور بعد میں بھارت کے صدر ہوئے، یہ ماجرا سن کر ایک جلوس لئے زندہ باد کے نعرہ لگاتے ان کے گھر پر آئے اور اس رشتے سے بعد میں تاحیات ان کو عید پر عید کارڈ بھیجتے رہے۔

☆☆☆

جھنگ اور لائل پور کی ڈپٹی کمشنری کے زمانے میں بھی یہ ہارون الرشیدی کیا کرتے تھے، یعنی بھیس بدل کر شہر اور دیہات میں گھوما کرتے تھے، وہاں انہوں نے لوگوں کے لئے جو کچھ کیا اس کی بناء پر اب تک یاد کیے جاتے ہیں، لیکن وہاں کے پیروں اور جاگیرداروں کو یہ ایک آنکھ نہ بھائے اور آ کر ان کی ڈپٹی کمشنری چھڑا کر انہیں ہالینڈ بھیج دیا گیا۔

دوسرے لفظوں جب عالی جاگیرداروں کو ان کی آزاد طبعی پسند نہ آئی تو ان کو ہالینڈ بھجوایا گیا، ایران کے بادشاہ فتح علی شاہ قاچار کے ملک الشعراء پر بھی یہی گزری تھی، ایک بار بادشاہ نے کچھ اشعار لکھے جو نہایت پوچ تھے، ملک الشعراء سے رائے مانگی تو انہوں نے کہا۔

''حضور! یہ کہاں کی شاعری ہے۔''

بادشاہ نے غصے ہو کر اسے طویلے میں بند کرا دیا، کچھ دن بعد پھر بادشاہ نے فکر سخن کی اور ملک

الشعراء کو بلایا تا کہ آ کر داد دیں، انہوں نے شعر سنے اور اٹھ گئے۔

شاہ نے پوچھا۔

''کہاں چلے؟''

بولے۔

''پھر طویلے جاتا ہوں۔''

☆☆☆

لاہور کے ایک اخبار نے کمال کیا، ان کے عرب مقبوضہ علاقوں میں جانے کی خبر دی اور ساتھ ہی ٹانکا لگایا کہ یہ کس ملک کا جعلی پاسپورٹ بنوا کر گئے تھے؟ وہ کوئی پاکستان کا دشمن ملک ہی ہوسکتا ہے، ان کی تحقیق ہونی چاہیے، تب ہمیں معلوم ہوا کہ الفتح کے مجاہدین جب چھاپہ مارنے جاتے ہیں تو باقاعدہ پاسپورٹ اور ویزا کے ساتھ جاتے ہیں، سرحد پر اسرائیلی افسروں کو بتاتے ہیں کہ ہم آپ کے علاقے میں بم پھینکنے جا رہے ہیں، وہ کہتے ہیں، اچھی بات ہے اور مہر لگا کر اجازت دے دیتے ہیں، بلکہ آدمی بھی ساتھ کر دیتے ہیں، تاکہ کوئی ان کو منع نہ کرے۔

دوسری بات بھی ایسی ہی جوڑ دی کہ ایک صاحب جو شہاب کے دوست ہیں، پچھلے دنوں کراچی سے لندن آتے ہوئے ماسکو اترے تھے اور ایک محفل میں پاکستان بھارت کی کنفیڈریشن کے بارے میں خیال آرائی کرتے سنے گئے، لیجیے ''رائی'' یہ تھی کہ کوئی صاحب جو شہاب کے ایک ہزار ایک دوستوں میں سے ہوں گے، پی آئی اے کی اس فلائٹ سے آئے جو ماسکو کے راستے جاتی ہے، اتر کر ماسکو کی سیر بھی کی ہوگی، اگرچہ کوسیجن سے ان کے ملنے کا امکان کم ہے، بہرحال پربت یہ بنا کر ضرور قدرت اللہ شہاب لندن میں بیٹھے پاکستان اور بھارت کی کنفیڈریشن بنا رہے ہوں، خبر سے خبر یوں ہی نکلتی ہے بلکہ نکالی جاتی ہے۔

وہ بزرگ بڑے دور اندیش تھے، جن کی چھاتی پر سے چوہا گزر گیا تو رونے لگے، لوگوں نے کہا۔

''میاں اس میں کیا بات گھبرانے اور رونے کی ہے۔''

بولے۔

''میں چوہے کو نہیں روتا، چوہے کے پیچھے بلی دوڑی آئے گی، بلی کے پیچھے کتا آئے گا، کتے کے پیچھے پولیس کا پیادہ آئے گا اور پھر پوری فوج پریڈ کرتی میری چھاتی پر سے گزر گئی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔''

شہاب صاحب سمجھے ہوں گے کہ انہوں نے اسرائیل پر چھاپہ مار کر بڑا کام کیا، یہاں ایک معمولی اخبار والے نے دفتر میں بیٹھے بیٹھے تنگوری ماری اور چاروں شانے چت کر دیا، واہ بھئی واہ اخبار والو!

☆☆☆

اُم مریم

اٹھارویں قسط کا خلاصہ

سلیمان خان روشنی کو پرپوز کرتے ہیں مگر ساتھ ہی کچھ شرائط بھی رکھ دیتے ہیں، روشنی ہر شرط بخوشی ماننے پہ آمادہ ہے، یہ بات سلیمان کے لئے اطمینان کا باعث بنتی ہے۔
قدر کا رزلٹ سلیمان کی توقع کے مطابق نہیں ان کی تنبیہ اور پسند کے گفٹ کا وعدہ قدر کو مزید محنت پہ آمادہ کر چکا ہے۔
علی شیر قدر کو پھر اپنے حق میں ہموار کر لیتا ہے، علی شیر وہ واحد شخص ہے جو سلیمان کی روشنی سے ہونے والی ملاقات کا گواہ ہے اور انہیں بلیک میل کرنے کا ارادہ باندھے ہوئے ہے۔
عمر اور حجاب کی سرراہ ہونے والی ملاقات میں تلخ کلامی حجاب کو عمر سے بدگمان کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔

انیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے

''میری طرف سے آپ کو پوری اجازت ہے، جو مرضی کر لیں، بس یہ یاد رکھیں میں نے ہارنا نہیں سیکھا، یہ بھی مت بھولنا والدہ کہ آپ لوگوں کی ایسی حرکتیں خود میرے دل سے رشتوں کا لحاظ ختم کریں گی۔'' اب کے وہ بولا تو لہجہ متعدل تھا، نہ وہ غرایا نہ غصہ کیا، آپا اس کے کمرے سے نکلی تو صرف تھکی ہوئی نہ تھیں، پژمردہ اور ملول بھی تھیں، انہیں اس وقت سے خوف آ رہا تھا جب اس گستاخ لڑکے کی وجہ سے انہیں اپنے جان سے پیارے بھائی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا۔

☆☆☆

اطراف میں سرسبز و شاداب کھیت تھے، جن کی قطار در قطار کناروں پر بند گوبھی کے پھول ہرے ہو رہے تھے اور ان کی باس فضا میں ہر سو پھیلی محسوس ہوتی تھی، ان ہی کھیتوں میں کسان گوڈی کر رہے تھے اور گوبر سے بھری کھاد کی ریڑیاں الٹ رہے تھے، تازہ سبزی اور کھاد کی جو ملی جلی نم باس ہوتی ہے وہ شہر کے باسیوں کو ناگوار لگتی ہے، جیسے اپلوں کا دھواں یا کچی لسی کی مہک ناگوار لگتی ہے، وہ بھی جب یہاں آیا تو جلدی مانوس نہیں ہو سکا تھا مگر اب کچھ بھی برا نہیں لگتا تھا، یہ سارے منظر روز نگاہوں کا حصہ بنتے۔

کالج آتے جاتے اس نے موڑ کاٹا اب کھیت پیچھے رہ گئے تھے، ایک نیم پختہ راستہ چار دیواری تک جاتا تھا، جہاں لگے آلوچے اور آلو بخارے کے پودوں کی ابھی پتوں اور پھولوں سے نا آشنا ٹہنیاں بھی دکھائی دیتی تھیں، ان درختوں کو لگائے ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی، شاید وہاں انگوروں کی بیل بھی تھی اور بالکل آخر میں قطعے کے دائیں جانب کونے میں ایک مسجد تھی، وہ اسی مسجد میں نماز ادا کر کے آیا تھا، ابھی صبح ہی وہ ایسی پگڈنڈی پر جا رہا تھا کہ اس راستے پر ایک بانکا متکبر اصل مرغ جس کے پروں کے گرد جھالریں تھیں اکڑا ہوا رقص کرتا آیا اور اسے دیکھ کر یکدم کھیت میں اتر گیا، بھاگ گیا، عمر کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی، اسے وہ لڑکی یاد آئی جس کی رنگت سورج کی اولین کرنوں کی طرح اجلی تھی، جو راستہ روک کر اپنے تئیں اسے زچ کیا کرتی تھی، مگر اس کے میدان میں قدم رکھتے ہی بوکھلا کر ایسی بھاگی کہ اب سامنا ہو جانے پہ بھی انجان بن جایا کرتی۔

اسے گاؤں کا ماحول بہت پسند آیا تھا، جبھی تو اپنی رہائش کے لئے اس نے اس حصے کا انتخاب کیا تھا، اسے یاد تھا جب چند دن کے لئے وہ خالہ کے گھر گیا تھا، تو جب سے زیادہ اس کی حجاب کے دادا جان سے گاڑھی چھننے لگی تھی، وہ بھی اسے بہت اہمیت اور محبت سے نوازتے دو اہم رشتوں کا یکلخت بچے سے کھو جانا انہیں اس کے لئے بہت حساس کر گیا تھا، شام کو فرصت کے اوقات میں جب وہ نہا دھو کر لٹھے کا کھڑکھڑاتا تہبند اور آدھے بازوؤں کی بنیان زیب تن کر کے چارپائی پر بیٹھ جاتے جس پہ غانیہ خالہ پہلے ہی کوئی کھیس یا دچادر بچھا گئی ہوتی تھیں تو وہ اسے اٹھوا دیتے کہ انہیں بان کی چارپائی پر لیٹنا بھاتا تھا۔

گرمیوں میں بان کی بنت میں سے ہوا کا چلن ان کے گرمی سے ستائے ہوئے بدن کو ٹھنڈک دیتا، تب سہیل ان کا بھاری بھرکم حقہ گھسیٹتا ہوا غسل خانے میں لے جاتا اور اسے تازہ کرنے لگتا۔ خوب خوب نہلاتا، پانی بدلتا اور پھر دادا جی خود آ جاتے، وہ ان کے ساتھ ساتھ ہوتا، دادا جان

نالی سے منہ لگا کر گڑگڑاتے ہوئے فالتو پانی خارج کر دیتے یہ بھی ایک فن تھا کہ کتنا پانی نکالنے سے کش لگاتے ہوئے زیادہ زور بھی نہ لگے اور اتنی تیزی سے بھی نہ سانس کھینچا جائے کہ تمبا کو جل جائے، نال سے منہ لگا کر پانی کا تناسب درست کرنے کی سہیل کو اجازت نہ تھی، چلم وہ خود تیار کرتے، یہ تو واقعی ایک فن تھا وہ اس تیاری میں کسی اور کی مداخلت برداشت نہ کرتے، چاہے عزیز ترین حقہ شناس دوست ہی کیوں نہ ہو۔

چلم کے گلے میں کس قسم کا دیسی گڑ ڈالنا ہے اور اس پر کھبل تمبا کو کو ہتھیلیوں پر کتنا مسل کر اس پر بچھانا ہے اور انگوٹھے سے کتنا دبانا ہے اور آخر میں انگیٹھی میں سلگتی چھال سے چلم کو کتنا اور کس انداز میں بھرنا ہے کہ نہ تو وہ اتنی ٹھوس دھری جائے کہ ہوا کا گزر مشکل ہو جائے اور نہ اتنی چھدری کہ ایک ہی کش سے اس کی چنگاریاں یکدم سلگنے لگیں اور بھسم ہو جائیں، اسے یہ سارا پراسس بہت انٹرسٹنگ لگتا تھا، دادا اس سارے خوشگوار من پسند مرحلے سے خوشی وطمانیت بھرے انداز میں گزر کر اپنی بان کی چارپائی پر دراز اس تازہ سلگتے ہوئے حقے کی نال منہ میں دبا کر ایک کش لیتے اور افلاک کی سیر کو نکل جاتے، ایسے میں اگر کوئی گھریلو معاملہ درپیش ہوتا تو ان کی بے ساختہ سادہ لوح زبان کے جوہر بھی عمر کو لطف سے ہمکنار کرتے، تب بھی اس دن دادا ایسے ہی حقہ تازہ کروا کے چارپائی پہ دراز ایک کش لے کر افلاک کی سیر سے واپس لوٹے تو اس سے بات چیت کرنے لگے۔

''ہاں وئی منڈیا...... تو پڑھدا ایں؟''

''جی......!''

اس دن حد سے بڑھ کر گرمی تھی، گرمی سے زیادہ حبس تھا، وہ بازو کھجاتے ہوئے کچھ بے زاری سے بولا۔

''کنویں چے؟''

اسے سمجھ نہ آئی کیا سوال ہوا، اس کی جگہ خالہ نے انہی کی زبان میں جواب دیا تھا اور اس کی بے چینی محسوس کرتے فریج سے پانی کی بوتل لا کر اس کے آگے رکھی۔

''ابھی تم یہ پیو، پھر میں فالسے کا شربت بنا کر لاتی ہوں۔'' انہوں نے محبت سے کہا تھا، عمر نے پانی کو بوتل اٹھا کر ایک گھونٹ لیا اور بوتل واپس رکھ دی، بوتل بالکل یخ تھی، اس کی انگلیوں میں اس کی خنکی بہت دیر تک سنسناتی رہی، کھلا صحن جس کے ایک کونے میں دھریک کا درخت تھا، اس سے اتنے پتے گرتے کہ سمیٹنے والے کے لئے وبال جان ہو جاتے، دن میں کئی بار جھاڑو دینے کے باوجود ہر جانب زرد پتے سرکتے رہتے، دوسرے کونے میں چھت پر جانے کو سیڑھیاں تھیں، جس کے نیچے سلگتے اپلوں پہ دھری چاٹی میں دھیرے دھیرے گرم ہوتے دودھ کی سطح پر خزاں زدہ پتوں جیسے تانبے رنگ کی بالائی کی تہہ اتنی گھنی ہوتی کہ انگلی چبھو کر اس میں چھید کرنا مشکل ہو جاتا، اسی صحن میں حجاب اور حرم کھیلتی تھیں، حجاب گھٹنوں کے بل رینگتی تھی پھر کھڑے ہونے کی کوشش میں کبھی گر جاتی اور کبھی کچھ دیر قائم رہتی اور کلکاریاں مارتی۔

''خالہ جانی گاؤں بہت اچھی جگہ ہوتی ہے، میں بھی گاؤں میں شادی کروں گا، گاؤں میں رہوں گا۔''

اس نے اپنی خواہش جس وقت ظاہر کی بدقسمتی سے اسی وقت اس شخص نے گھر میں قدم رکھا اور یہ بات پوری جزئیات کے ساتھ سنی اور زہر سے بھر گیا، زیادہ غصہ اسی بات پہ آیا تھا کہ غانیہ نے جوان ہوتے لڑکے سے بھی وہ فضول بات کہہ دی ہے جو اس سے کہی تھی، حجاب کے لئے عمر کی نسبت کی خواہش، یہی وجہ تھی کہ اس کا رویہ اتنا شدید ہو گیا تھا۔

اس نے گہرا سانس بھرا اور ماضی کی یادوں سے نکل آیا، آج اسے خالہ کی یاد شدت سے آ رہی تھی، اس نے گاڑی کی رفتار تھوڑی تیز کی، سائے ڈھل رہے تھے، سودہ سلف لے کر واپس آتے شام ڈوب جاتی، دائیں جانب سڑک سے ذرا ہٹ کر تین چار منزلہ سرکاری عمارت تھی وہ شہر کے مشہور ٹیمپو میں پہنچا تو چار بج چکے تھے، مہینے بھر کا راشن پیک کرواتے مزید ٹائم لگ گیا، ملازم سے سامان کے بڑے بڑے شاپرز گاڑی کی ڈکی میں رکھواتے اسے کسی کی پر تپش نگاہوں کا احساس جاگا تو بے اختیار نظر اٹھائی، مصروف شاہراہ کے دوسری جانب وہ کسی خاتون کے ساتھ کھڑی نظر آئی تو عمر ایک لمحے کو اس حسین اتفاق پہ حیرت میں مبتلا ہوتا کچھ جلدی میں گاڑی میں بیٹھتا اسی سمت آ گیا تھا، گو کہ ارادہ محض اسے زچ کرنے کا تھا جبھی بریک اس کے پاس لے جا کر لگائی اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

''السلام علیکم!'' وہ خود پیش رفت کر گیا تھا حجاب نے تو اسے اپنی جانب آتے دیکھ کر ہی خاتون کا ہاتھ پکڑ کر چلنا شروع کر دیا تھا، حالانکہ اس کے کھڑے ہونے کا انداز بتاتا تھا وہ لوگ کسی کی منتظر ہیں۔

''وعلیکم السلام!'' جواب اس کی بجائے اس خاتون نے دیا، جو چادر میں ملبوس تھیں، بڑا نفیس سا سوٹ پہن رکھا تھا، عمر پہلی بار متوجہ ہوا وہ تو دیکھ ہی بغور رہی تھیں، نظریں ایسی تھیں گویا پہچان نہیں پائیں، سوالیہ انداز میں بیٹی کو بھی دیکھا، جس کے چہرے پہ سختی کے رنگ گہرے تھے۔

''خالہ جانی، کیسی ہیں آپ، اف خدایا کتنا بدل گئی ہیں۔'' عمر نے ہی پہچان کا مرحلہ طے کیا تھا، غانیہ کے اعصاب کو جھٹکا لگا، وہ ٹھٹک کر تھم گئیں تب ان کی نگاہ نہایت گورے چٹے پہلی نظر میں پسند آ جانے والے نوجوان چہرے پہ پڑی۔

''کون......عمر......؟'' وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھیں، گویا یقین نہ آتا ہو۔

''جی خالہ جانی! قسم سے آج دل سے یاد کر رہا تھا آپ کو، کیسی ہیں آپ؟'' وہ وہیں ان سے لپٹ گیا، غانیہ کی تو حالت ہی غیر ہونے لگی تھی، بے اختیار رو پڑیں۔

''جھوٹا'' حجاب منہ ہی منہ میں بڑبڑائی، عمر نے صاف سنا مگر توجہ نہیں دی۔

''اتنے ناراض تھے عمر، کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا، کبھی یاد نہیں کیا، خالہ اتنی بری بھی نہیں تھی بیٹے۔'' عمر نے ان کی حالت کے پیش نظر انہیں سنبھال کر گاڑی میں سہارا دے کر بٹھایا۔

''میں آپ سے خفا نہیں ہو سکتا کبھی خالہ جانی، اگر ہوتا تو خود ملتا ایسے آپ سے اور اس سے ذرا پوچھیں، کیا میں نے آپ کو سلام نہ بھیجا تھا۔'' اس نے تنا چہرا لئے کھڑی حجاب کو معاملے میں گھسیٹا، انداز شرارتی تھا، جبھی وہ بھڑک اٹھی۔

''مما کس کی باتوں میں آ رہی ہیں، ایک نمبر فراڈ ہے یہ شخص، میں نے پہچان کر خود اپنا

تعارف کروایا مگر یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ وہی عمر ہیں یعنی ہمارے کزن، اتنی نفرت کرتے ہیں یہ ہم سے کہ کیا بتاؤں۔'' وہ تو جیسے پھٹ پڑی تھی، عمر نے بہت دلچسپ نظروں سے اس کا تپا تپا سرخ چہرا دیکھا اور مسکرایا۔

''چچ چچ...... اتنا غصہ۔'' اس نے اسے اور چڑایا اور پھر سے غانیہ کی سمت متوجہ ہو گیا۔

''خالہ جانی میں اس کے کالج میں ٹیچر ہوں، یہ بات دیکھیں کیسے کر رہی ہے مجھ سے، استاد سے ایسا رویہ رکھتے ہیں، مجھے تو اس کے بات کرنے کے انداز پہ ہی اعتراض ہے، آپ سے تو بالکل الگ ہے، اپنے ابا پہ گئی ہو گی ہے نا؟''

''شٹ اپ پپا کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ غصیلے جذبات پر قابو پائے بغیر تلخ آواز میں بولی، عمر نے غانیہ کو یوں دیکھا گویا کہہ رہا ہو، دیکھ لیں، میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا، خود غانیہ بھی حجاب کے طرز عمل پہ کم حیران نہ تھی۔

''حجاب...... بری بات ہے بیٹے...... بھائی بہت بڑے ہیں آپ سے۔'' انہوں نے سرزنش کی۔

''ہرگز نہیں، یہ میرے بھائی نہیں ہیں۔'' وہ فی الفور بدک کر انکاری ہوئی، غانیہ شرمندہ نظر آئیں، عمر کو مسکراہٹ ضبط کرنا محال ہو گیا۔

''آپ ان کی گاڑی سے تو باہر نکلیں، بھائی ہمیں لینے آئیں گے تو کہاں نظر آئیں گے ہم انہیں۔'' اس کا موڈ ہنوز سوا نیزے پر تھا، عمر زور سے چونکا۔

''کون لینے آ رہا ہے آپ کو خالہ جانی، حمدان؟''

''ہاں بیٹے، بچیوں سے ملانے لاتا ہے کبھی کبھار بچہ! اسے کچھ کام تھا بس آتا ہو گا، میں نے سوچا ادھر سے کچھ ضرورت کی چیزیں لے لوں تو خوش بختی سے آپ مل گئے، اب آیا کرنا مجھ سے ملنے، بلکہ اپنا فون نمبر تو ضرور ہی مجھے دے دو، خود رابطہ کر لیا کروں گی اپنے بیٹے سے، پہلے ہی اپنی غفلت پہ بہن سے بہت شرمندہ ہوں، روز محشر نظریں کیسے ملا پاؤں گی اس سے کہ اس کے جگر گوشے کی حفاظت بھی نہ کر سکی۔'' وہ پھر رونے لگیں، عمر کا دل دکھ سے بھر گیا، اس نے پھر انہیں ساتھ لگا لیا تھا۔

''آپ میرے گھر چلیں خالہ، یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں، پلیز انکار نہیں کیجئے گا۔''

''اس نوازش کے لئے شکریہ، مگر ہم نہیں آ سکتے۔'' غانیہ سے پہلے وہ بولی تھی، وہ بھی بڑا ناک چڑھا کر غرور سے، عمر کو بے حد برا لگا۔

''میں تم سے نہیں اپنی خالہ سے بات کر رہا ہوں سمجھیں؟'' وہ ڈانٹے بغیر نہ رہ سکا۔

''وہ میری ماں ہیں۔'' اس نے جتایا۔

''وہ میری بھی کچھ لگتی ہیں۔'' عمر نے جواباً اسی کے انداز میں جتلایا، اس کے انداز میں کہیں بھی دوستانہ پن نہیں تھا، نہ رعایت نہ کوئی حوصلہ دینے والا انداز، غانیہ حیرت سے دونوں کو یوں الجھتے دیکھ رہی تھیں۔

''تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟''

''جی...... میں اس کالج میں لیکچرار ہوں خالہ جانی جہاں یہ پڑھتی ہے۔'' جواب بھی عمر نے دیا، غانیہ کی حیرت دو چند ہوگئی۔

''بیٹے آپ نے مجھے کبھی بتایا تک نہیں۔'' شکوہ زبان پہ آ گیا، عمر نے اسے طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہ مجھ سے لڑ لے یہ تھوڑا ہے۔''

''حمدان ابھی تک نہیں آیا، فون ملاؤ بیٹے بھائی کو بچہ ہمیں ڈھونڈتا پریشان نہ ہو رہا ہو۔'' غانیہ کا دھیان بٹ گیا تھا، انہیں حمدان کی فکر ہو رہی تھی اب۔

''مجھے بتائیں نمبر خالہ جانی، میں بات کرتا ہوں۔''

''مجھے کہاں نمبر یاد رہتے ہیں بیٹے، حجاب کے فون میں ہوگا۔'' انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا، عمر نے اسے سرد نظروں سے دیکھا۔

''نمبر بتائیں گی محترمہ......؟'' حجاب نے اسے گھورتے ہوئے نمبر دہرایا، عمر نے خود رابطہ کیا اپنا تعارف کروا کے صورتحال بتائی تھی، پھر مطمئن ہو کر غانیہ کی سمت متوجہ ہوا۔

''خالہ جانی یار من کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، اسے ادھر جانا پڑے ہے تو آنے میں دری ہو جائے گی، ممکن ہے صبح ہی آ پائے، وہ یہی بتانے کو کال کرنے لگا تھا آپ کو، میں نے بتا دیا آپ لوگوں کو ساتھ لے جا رہا ہوں، یہ لیں خود بات کریں۔'' اس نے فون ان کے حوالے کیا اور خود اس کی طرف متوجہ ہو گیا، جو ابھی تک ضدی انداز لئے باہر کھڑی تھی۔

''سن لیا تم نے؟ تمہارا بھائی نہیں آ سکے گا اس لئے میرے ساتھ ہی چلو۔'' وہ زچ کرنے والے انداز میں جتا رہا تھا۔

''میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ پھنکاری۔

''اور میں اس دن والا حربہ استعمال کر لوں گا، پھر نہ کہنا میری ماما کے سامنے بھی شرم نہیں کی۔'' عمر نے فون پہ مصروف غانیہ پہ نگاہ ڈالتے اسے اور چڑایا اور دھمکایا، حجاب کا رنگ بالکل اڑ گیا۔

ہر ایرے غیرے سے ملتا تھوڑی ہے
میرا دلبر ایسا ویسا تھوڑی ہے
میں تو اس کو بیشک اپنا کہہ سکتا ہوں
اس نے اب تک ایسا مانا تھوڑی ہے

بظاہر سگریٹ سلگاتا وہ زیر لب گنگنایا تھا، پھر دھواں اڑاتے اس کے بالکل فق ہوتے چہرے کو دیکھا اور حظ لیتا ہنسنے لگا۔

''تشریف رکھیئے۔'' پچھلا دروازہ کھولتے وہ بہت موذب انداز میں جھکا، حجاب ہونٹ بھینچے کھڑی تھی، غانیہ کو ہی مداخلت کرنا پڑی۔

''بیٹھ جاؤ بیٹے، میں چند لمحے اپنے بچے کے ساتھ سکون سے گزار لوں۔'' ان کا لہجہ تھکا ہوا ضرور تھا مگر چہرے پہ انوکھی خوشی تھی، حجاب کچھ بول نہیں پائی، چپ چاپ بیٹھ گئی۔

''دیکھ لو، میں پھر جیت گیا اور اب عمل ہی جیتا کروں گا انشاء اللہ۔'' دروازہ بند کرنے کے

بہانے وہ کھڑکی پہ جھک کر اسے ہی سنا رہا تھا، حجاب نے گھبرا کر غانیہ کو دیکھا مگران کے انداز سے صاف لگتا تھا وہ یہ بات سن نہیں پائی ہیں، اسے قدرے اطمینان ہوا، عمر نے اندر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی، پھر سارے راستے وہ غانیہ سے ہی بات چیت میں مصروف رہا تھا، ہاں البتہ گاہے بگاہے اس پہ بیک ویو مرر سے نگاہ ضرور ڈال لیتا، راستے سے اس نے ہوٹل کے آگے گاڑی روک کر بہترین کھانا پیک کروایا تھا۔

''اکیلے رہتے ہو گے بیٹے؟'' غانیہ کی پیاسی نظریں اس کے چہرے سے نہیں ہٹتی تھیں۔

''اور کیا خالہ جانی، اکیلے لڑکے کو کون اپنی بیٹی دیتا ہے، اس سے تو نوجوان اور حسین لڑکیاں بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتیں کہیں کوئی الزام ہی نہ لگ جائے۔'' حجاب پہ نگاہ جما کر کہتا وہ اسے زہر سے بھی برا لگا۔

''میں خود کروں گی اپنے بیٹے کی شادی، خوب صورت ہو پڑھے لکھے ہو، ایک چھوڑ ہزار لڑکیاں مل جائیں گی آسانی سے۔'' غانیہ نے پیار بھری تسلی دی، وہ باقاعدہ مسکرانے لگا۔

''شکریہ خالہ جانی، ایک لڑکی مجھے پسند کرتی ہے، اس سے ملوا دوں گا آپ کو، اگر پسند آ جائے آپ کو تو شادی کر دیجئے گا نہیں تو کوئی اور سہی۔''

''واقعی......؟'' غانیہ کو عجیب سی حیرت ہوئی۔

''جی خالہ......!'' اس نے انکساری کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔

''کون ہے......کیسی ہے؟'' ان کا انداز ایک دم سے بجھ گیا، جسے عمر نے اپنے دھیان میں محسوس نہ کیا، اس کی تو ساری توجہ حجاب پہ تھی جس کا چہرہ ایسے کھڑکی کی طرف تھا کہ وہ ہزار کوشش کے باوجود بھی اس کے تاثرات نوٹ نہ کر سکا۔

''آپ کو ملوا دوں گا خالہ جانی، ایسے کیا بتاؤں۔'' غانیہ چپ کر گئیں، گھر میں ان کا استقبال بی جان نے کیا تھا، وہ بے حد خوش ہوئیں تھیں غانیہ اور حجاب سے مل کر۔

''ارے عمر مجھے فون کر دیتے، میں خود کھانا پکاتی اپنے ہاتھ سے اپنی بیٹیوں کے لئے۔'' عمر نے انہیں پیک کرایا ہوا کھانا تھما دیا، تو وہ اسے ڈانٹنے لگیں۔

''اتنی جلدی آپ اہتمام کیسے کر سکتی تھیں بی جان، خالہ جانی تو اب یہاں آتی رہیں گی آپ یہ شوق پھر پورا کر لینا۔'' وہ مسکرایا تھا، پھر غانیہ کی سمت متوجہ ہوا۔

''خالہ جانی! گھر کیسا لگا آپ کو؟''

''تمہاری بیوی آ جائے گی تب یہ مکان گھر بنے گا بیٹے! اللہ تمہیں سچی اور دائمی خوشیاں نصیب فرمائے آمین۔''

کھانا چاروں نے اکٹھے کھایا، پھر عمر خود چائے بنا کر لایا تھا، ساتھ بی جان کے ہاتھ کا بنا گجریلا تھا، حجاب فون پہ حمدان سے بات کر رہی تھی، یہ جان کر اس کا موڈ بگڑ گیا تھا کہ حمدان آج نہیں آ سکتا اور انہیں کل واپس جانا ہوگا۔

''بھائی کو بھی آج ہی باہر رکنا تھا۔'' وہ کلس کر کہہ رہی تھی، عمر نے دھیان سے اسے دیکھا۔

''اگر حمدان آ بھی جاتا تب بھی میں آج تم لوگوں کو واپس نہ جانے دیتا، لہٰذا اپنا موڈ درست

رکھو۔'' وہ ٹوکے بغیر نہ رہا۔

''مما مجھے نیند آرہی ہے سونا ہے مجھے۔'' وہ پیر پٹخ کر بولی۔

''ہاں تو جاؤ، کس نے روکا، خالہ جانی تو ابھی میرے ساتھ ڈھیروں باتیں کریں گی، ہے نا خالہ جانی۔'' وہ ان کے ساتھ لپٹ کر لاڈ اٹھوانے لگا، حجاب پیر پٹختی باہر نکل گئی تھی، بی جان نے ہی اسے کمرا دکھایا، خود اس کے پاس بیٹھ گئیں، وہ کب سوئی گرم لحاف میں پتا ہی نہ چلا صبح غانیہ سو رہی تھیں جب اس کی آنکھ کھل گئی، پہلے نماز ادا کی پھر یونہی باہر نکل آئی، گھر روشن کھلا اور قدیم طرز پر بنا ہوا تھا، باغیچے کے پاس کھڑے ہو تو باہر دور تک کا منظر نظر آتا تھا مگر ابھی پو نہیں پھٹی تھی، سفید سحر بہت آہستہ آہستہ دھیرے دھیرے روشن ہو رہا تھا، بلند عمارت جو شاید سرکاری تھی سورج کے سامنے حائل تھی، صرف اس کی زرد اور نیم روشن علامتیں تاریکی کی چادر میں سنہری دھاروں کی صورت بہتی تھیں، ایک سیاہ رنگ کی اوڑھنی میں دمکتی مکیش کے ٹانکوں کی صورت اپنے ہونے کی خبر دیتی تھیں، وہ مبہوت ہوتی قدرت کے نظارے میں مگن تھی، جب اپنے پیچھے کسی کی آہٹ پا کر پلٹی اور عمر کو موجود پا کر بدمزا سی ہو گئی۔

''السلام علیکم! ہیوا نائس ڈے۔'' وہ صلح جو انداز میں مسکرا رہا تھا، سفید ٹوپی سر پہ تھی، ہلکی شیو کا نیلا غبار چہرے پہ، وہ اتنا معصوم لگ رہا تھا مگر حجاب کو نہیں۔

''گھر کیسا لگا تمہیں؟'' وہ کترا کر نکل رہی تھی جب عمر نے پھر ٹوکا اور باقاعدہ راستہ روک لیا، حجاب کو اس کے یہ انداز برے لگتے تھے، پتا نہیں وہ اتنا سرکش کیوں تھا۔

''جیسا گھر والا ہے، فضول۔'' وہ پھنکار کر بولی، عمر مسکرانے لگا۔

''سنو، تم مجھے اپنا بھائی نہیں سمجھتیں تو کیا سمجھتی ہو، بتا دو مجھے بھی رشتے کے تعین میں سہولت ہو۔'' وہ گویا اس کی کل کی بات سے حظ لے رہا تھا۔

''بھائی بہت پیارا رشتہ ہے، میں تو تم سے دشمنی بھی نہ کروں۔'' وہ جتلا کر بولی، عمر نے گہرا سانس بھرا۔

''دشمنی نہ کرو، شادی ہی کر لو پھر۔''

''شٹ اپ۔'' حجاب شرم سے سرخ پڑ گئی، وہ کتنا منہ پھٹ تھا۔

''تم شروع سے ہی بدتمیز ہو، حرم اچھی لڑکی ہے، تم نہیں۔''

''تو اسی سے شادی کر لو۔'' وہ غصے میں آؤٹ ہو گئی، اب کے عمر کچھ نہیں بولا، سینے پہ ہاتھ باندھے اسے اندر جاتے خود سے دور ہوتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

''آپ کو صاحب بلاتا ہے بٹیا! دوپٹہ ڈھنگ سے لے کر جاؤ، ڈرائنگ روم میں اور بھی مہمان ہیں۔''

وہ بڑے اطمینان سے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی، مگر کوئی چینل پسند نہیں آتا تھا، کبھی کوئی لگاتی کبھی کوئی، تب ہی آیا ماں دستک دیتی ہوئی اندر آ گئیں، اس نے چونک کر انہیں دیکھا اور ٹی وی کا ریموٹ تھوڑی کے نیچے ٹکا کر انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''کون سا مہمان آ گیا وہ بھی پپا کا جس سے مجھے ملوانا ضروری ہے؟'' اس کی الجھن بے جا نہ تھی، مون ایسے اسے خواہ مخواہ بھی کسی کے سامنے نہ لاتے تھے۔

''مجھے نہیں پتا بیٹا! صاحب خود بتا دیں گے آپ چلو تو۔'' انہوں نے اِدھر اُدھر نظر مار کر خود اس کا دوپٹہ اٹھایا، بہت پیارے سے رنگوں کے امتزاج سے مزین برانڈڈ کھدر کے سوٹ میں بال پونی میں سمیٹے وہ بڑی بی بچی لگ رہی تھی، انہیں تسلی ہوئی اگر ٹراؤزر شرٹ وغیرہ پہنی ہوتی تو پہلے بدلنے پہ آمادہ کرنا پڑتا، بہرحال جو اک مرحلہ ہوتا، قدر کو نخرے کرنے کی عادت تھی جبکہ وہ پرانے دور کی سادہ لوح عورت تھیں، جنہوں نے کم از کم قدر سے ملنے سے پہلے تک نخروں کا منہ بھی نہ دیکھا تھا، وہ کچھ نہ بولی، ریموٹ پھینک کر بستر سے اتر آئی، جوتا پہن رہی تھی جب آیا ماں نے اس کے اوپر دوپٹہ ڈالا۔

''اچھی طرح لے لو۔'' انہوں نے پھر تاکید کی۔

''اچھی طرح ہی لے رہی ہوں۔'' وہ اسی بار بار کی تاکید پہ ہی چڑی تھی اور دوپٹہ سنبھالتی ان سے پہلے کمرے سے نکل آئی۔

''یہ پپا کے سارے کام ختم ہو گئے ہیں جو وہ آج کل زیادہ تر گھر پہ ہی پائے جاتے ہیں۔'' اس نے آیا ماں کو دیکھتے ہوئے شرارت کی، انہوں نے گھورا تھا، دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئیں، سلام آیا ماں نے کیا، وہ خاموش کھڑی تھی۔

''آپ نے بلایا پپا......؟'' تب اس کی نگاہ سامنے صوفے پہ براجمان اس نہایت گورے چٹے پہلی نظر میں ہی پسند آ جانے والے شخص پہ پڑی جو بہت متانت سے ٹھہر ٹھہر کر بولتا تھا، انہیں روبرو پا کر احتراماً اٹھ کھڑا ہوا، مگر اٹھتے ہی ایک چیتے کی طرح چوکنا اور ہوشیار نظر آنے لگا۔

''بیٹھو بیٹے آپ، حمدان آپ بھی تشریف رکھیے۔'' مون کا لہجہ نرم تھا، حمدان نے سرخم کیا اور واپس اسی پوزیشن میں بیٹھ گیا، ٹانگ پہ ٹانگ رکھے ترچھے زاویئے سے اس کے پپا بہت مقناطیسی شخصیت کے مالک تھے، ان کی شخصیت میں کوئی جادو سا تھا جیسے کہ کسی کے بھی سامنے ہوں تو کچھ سوجھتا نہیں، اس نے لوگوں کا یہی تاثر دیکھا تھا ان کے مقابل، لیکن یہ نوجوان بہت پراعتماد نظر آتا تھا، اس کی بے بس کر دینے والی گہری نظریں وقفے وقفے سے قدر کے چہرے کے گرد خوشبو دار حصار کھینچنے لگتی تھیں۔

''بیٹے آپ سے ذکر کیا تھا، یہ حمدان آپ کو اسٹڈی میں ہیلپ کریں گے آئی ہوپ کہ نیکسٹ ٹائم آپ میرا مطلوبہ رزلٹ لا پائیں گی انشاء اللہ یہ بہت جینئس ہیں۔'' پپا اس کا تعارف کروا رہے تھے، اس کی تیوری چڑھ گئی، اسے ایکدم بے تحاشا غصہ آ گیا۔

(پپا بھی حد کرتے ہیں کبھی کبھی، ایک بے تکے بندے کے سامنے اپنی ہی بیٹی کو ڈی گریڈ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی)۔

آیا ماں چائے لے آئیں، کہ یکا یک فون کی بیل ہونے لگی آیا ماں کو پھر باہر جانا پڑا فون سننے چائے بنانے کا کام از خود اس پہ آ گیا۔

''چینی......؟'' مون کو چائے کا مگ دے کر وہ اس کی سمت متوجہ ہوئی، بلکہ متوجہ کیا ہوئی،

صرف مخاطب کیا، دیکھے بغیر نخوت بھرے انداز میں، انداز صاف جتلاتا تھا اگر باپ کا لحاظ نہ ہوتا تو کبھی زحمت نہ کرتی چائے بنانے کی، کہ سامنے موجود شخص کی نظروں کا بار بار اٹھنا خون میں ابال ڈالنے کا باعث تھا، حمدان چونکا اور سنبھلا۔

''ایک چمچ۔''

وہ آج بھی تپتا شعلہ تھی، آگ کا شعلہ، نارنجی رنگ کا، دل جانتا تھا کہ چھونے سے ہاتھ جل جائے گا مگر پھر بھی چھونے کو دل مچل جائے۔

''بیٹا صاحب آپ کے لئے فون ہے، آپ کی آپا جان ہیں۔'' آیا ماں پھر آ گئیں، مون زور سے چونکے، چہرے پہ عجیب سا تفکر لہرایا، کپ ہاتھ میں لئے عجلت میں اٹھ کر کمرے سے نکل گئے، آیا ماں پہلے ہی مڑ چکی تھیں، قدر نے سکون کا آزادی کا سانس لیا اور کپ زور سے اس کے سامنے میز پہ پٹخا۔

''اٹھاؤ، پیئو اور پھر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' وہ غضب ناک ہو کر دھیمے لہجے میں آواز دبا کر غرائی، حمدان کا رنگ یکدم بالکل سرخ ہو گیا، وہ اس کے مزاج سے کچھ کچھ آشنا تھا، مگر اس حد تک بے لحاظی برتنے کی انداز بالکل نہ تھا، جبھی اس کے اوسان بالکل خطا ہو گئے۔

''تمہیں ذرا سی بھی عقل اگر ہے تو سمجھ لو مجھے تمہاری ہیلپ کی ضرورت نہیں۔'' وہ دانت بھینچ کر بولی، بار بار ایسے دروازے کی طرف دیکھتی تھی جیسے باپ کی آمد سے خائف ہو، حمدان سمجھا مگر اس کا سمجھ کا وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

''آپ بہت بدتمیز ہیں، سر کی بیٹی نہ ہوتیں تو اس گستاخی کا جواب بھی ضرور دیتا، بہر حال، سن لیں میں آپ کے نہیں سر کے حکم کا پابند ہوں۔'' حمدان نے بہت تحمل کا مظاہرہ کیا تھا اس کے باوجود اسی کا آفیسرانہ رعب و دبدبہ عود کر آیا تھا لہجے میں، وہ طنزیہ حقارت آمیز انداز میں مسکرائی، یوں گویا اس پہ اس کی اوقات واضح کرنا مقصود ہو۔

''تو تم نہیں مانو گے؟'' سوال عجیب تھا، سوال کرنے والی کا انداز عجیب تر، وہ اس بار غصے میں نہیں لگی تھی، حمدان کو اس کا لہجہ پر اسرار محسوس ہوا، حمدان نے کپ واپس میز پہ اس کی جانب سرکایا، جسے ابھی تلک اس نے چھوا بھی نہیں تھا، وہ بہت خوددار تھا، عزت سے پیش آنے والوں کے لئے سب کچھ لٹا سکتا تھا، محبت کی خاطر جان قربان کر سکتا تھا، مگر جہاں عزت عزت نفس محفوظ نہ تھی، وہاں کچھ نہیں تھا، وہاں محبت تھی نہ کوئی خالص جذبہ اہمیت رکھتا تھا۔

''یہ بات آپ سمجھیں محترمہ، آپ کے سمجھنے کی ہی ہے سوچیں مجھے اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہیں؟ مجھ سے کچھ کیوں چاہ رہی ہیں کہ میں کیوں کروں، آپ اگر مجھ سے پڑھنا نہیں چاہتی ہیں تو کچھ بھی کریں، اور مجھ سے نجات حاصل کر لیں، جو بھی آپ کو کرنا ہو گا کل تک کر لینا ہو گا، ورنہ کل چار بجے سے سر نے مجھے آرڈر کیا ہے اور میں ان کی بات رد نہیں کر سکتا، چلتا ہوں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ اس کے تاثرات دیکھنے کو بھی نہیں رکا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے نکل کر چلا گیا، قدر جو دانت بھینچے سرخ چہرے کے ساتھ اس کی بات مکمل ہونے اور پھر اپنی بھڑاس نکالنے کی منتظر تھی، آگ بگولہ ہوئی اسے گالیاں دیتی رہ گئی، اس پہ بھی طیش ختم نہیں ہوا تو اس کے لئے خود تیار کیا

چائے کا مگ (چاہے وہ کتنی ہی مجبوری میں کیا تھا، مگر کیا تو تھا، باعث توہین، یہی چیز تھی، آگ لگانے کا باعث بھی یہی چیز تھی، جسے وہ چھوئے بنا اٹھ کر چلا گیا تھا)، اس نے اٹھا کر دیوار سے دے مارا، اپنی وقتی شکست کا احساس اس کی آنکھوں کی جلن بڑھا رہا تھا۔

☆☆☆

رات کے تین بجنے کو تھے، ستارہ سحری آب وتاب سے چمک رہا تھا، کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، صرف کھڑکی کے شیشے سے آتی چاند کی ہلکی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی، کروٹیں بدلتے پہلو دکھنے لگے تو اٹھ کر کھڑکی میں آن کھڑے ہوئے، دریچے کا پٹ وا کیا تو سبزے کی گیلی مہک رات کے آخری پہر کی نم ہوا کو یخ بستہ بنائے ان کے چہرے کو ٹھٹھرانے لگی، آسمان صاف تھا اور ستاروں سے سجا جگمگ کر رہا تھا، وہ سارے رات نہیں سوئے تھے، آپا کی باتیں ان کے ذہن سے نہیں نکل رہی تھیں۔

''انہوں نے ایسا کیوں کہا؟'' سوال تھا کہ زہر میں بجھا تیر، جو بار بار حلقوم جاں میں پیوست ہوتا تھا۔

''قدر ابھی بچی ہے، اس عمر میں بچیاں نادان بھی ہوتی ہیں اور بہت جذباتی بھی، اپنی سیاست وغیرہ پہ لعنت بھیجو مون اور زیادہ ٹائم بچی کو دو، ویسے بھی جوان ہوگئی ہے، آج نہ کل اس نے میرے گھر کی ہو جانا ہے تو پھر وہ پہلے سی بات نہیں رہتی، میری بات سمجھ رہے ہو؟'' انہوں نے اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے سوال کیا، مون متحیر تھے، محض ہنکارا بھر سکے۔

''تم جتنا اس پہ توجہ دو گے مون وہ اسی قدر تم پہ اعتماد کرے گی، اس کا اعتماد جتنا بڑھے گا، کسی دوسرے کو اتنا ہی اس پہ حاوی ہونے کا موقع کم ملے گا، اولاد خاص کر بیٹی کا معاملہ بہت نازک ہوا کرتا ہے مون، میں نہیں چاہتی خدانخواستہ تمہیں اس طرف سے معمولی سا بھی دکھ پہنچے۔''

اور مون پہلی بار چونکے تھے، ٹھٹک گئے، انہیں آپا کی آواز میں پہلی بار تشویش اور محبت کے ساتھ ساتھ نمی کا بھی احساس ہوا تھا، اس بار وہ ہنکارا نہیں بھر سکے۔

''آپا......!'' وہ بولے تو ان کے لہجے میں عجیب سا خوف پنہاں تھا۔

''بولو میرے چاند۔'' وہ جیسے واری صدقے ہوئیں، ان کی محبت ان کے معاملے میں معمولی سا بھی ہیر پھیر نہیں کرتی تھی۔

''مجھ سے کچھ مت چھپائیں، اگر کوئی بات ہے، تو کھل کر کہہ دینے میں ہی بھلائی ہے، خاص طور پہ قدر کی، آپ سمجھ رہی ہیں؟'' وہ بولے تو ان کا لہجہ از خود مخصوص پٹھانی دبدبہ اور سختی سمیٹ لایا تھا، جبھی تو آپا لرز گئی تھیں، تھرا اٹھیں۔

''کچھ غلط مت سوچو مون...... اللہ کا واسطہ ہے، قدر کے متعلق تو بالکل نہیں، وہ تو بہتے پانی کی مانند صاف شفاف اور پاک ہے، کیسے یقین دلاؤں۔'' انہوں نے روہانسی ہوتے کہا، دل رو دیا، کیسی عجب مشکل کا شکار ہوئی تھیں، زندگی میں اتنا کٹھن مرحلہ تو کبھی نہ دیکھا تھا، جس سے اب دو چار ہوئیں، ایک طرف اولاد تھی، دوسری جانب وہ بھائی جسے اولاد سے بھی زیادہ پیارا رکھا، قدر اس کے جگر کا ٹکڑا تھی، وہ ہرگز برداشت نہ کر پاتیں مون یا پھر قدر کو معمولی سا بھی علی شیر گزند پہنچائے،

مگر بے بسی کا عالم یہ تھا کہ اولاد کی خامی اس کی غلطی بھی کہنے والی نہ تھی، بلکہ یہ خامی اور غلطی نہیں تھی، وہ تو مجرم ہونے جا رہا تھا، وہ اسے مجرم ہونے سے کیسے روکتیں۔

''میری ایک بات مانو گے مون؟ پلیز انکار نہ کرنا۔'' اس بار بھائی کو چپ پا کے انہوں نے خود اس مشکل کے درمیان بچاؤ کا راستہ نکالنا چاہا، گو کہ امید کم تھی مگر کوشش میں کیا حرج تھا۔

''کیا بات......؟'' مون کی قدرے توقف سے بے حد سنجیدہ آواز سننے کو مل سکی، انہوں نے گہرا سانس بھرا، یوں گویا کہ کسی کٹھنائی کو عبور کرنے سے قبل حوصلہ مجتمع کیا جائے۔

''گو کہ تم پہلے بھی مجھے انکار کر چکے مگر مون اس بار سوچ کر جواب دینا کہ اگر میں یہ بات پھر کر رہی ہوں تو اس کے پیچھے گہری مصلحت بھی ہو سکتی ہے اور کسی بڑے نقصان سے بچنے کی بہترین حکمت عملی بھی۔''

''کیا مطلب......؟'' مون مزید الجھ گئے۔

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں آپا؟'' ان کا دماغ چٹخنے لگا تھا جیسے، ذہن اس وقت بالکل خالی تھا اور نہ کچھ سوچنے کے قابل ہی، وہ بس ان کی اگلی بات کے ہی منتظر تھے۔

''اسے میری گزارش سمجھ لو، رد نہ کرو، علی شیر کو الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ دے دو مون۔'' وہ جیسے ملتجی ہوئیں اور مون کا جانے کب کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔

''آپ کو علی شیر فورس کر رہا ہے آپا؟'' محض ایک لمحہ لگا تھا انہیں اصل بات تک پہنچنے میں، آپا بری طرح گڑبڑائیں۔

''بچہ ہے، بس ضد کر رہا ہے۔'' انہوں نے بات کو ہلکا پھلکا بنا کر پیش کرنا چاہا، مون نے بے اختیار نفی کی۔

''مجھے سیاست میں آئے اٹھارہ سال ہو گئے، ابھی تک کامیابی کے اس گراف تک نہیں پہنچ سکا ہوں آپا جو میرا ہدف تھا، جو میری محنت اور محنت سے بھی زیادہ میری دیانت داری اور اخلاص کا متقاضی تھا، پتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ یہ پاکستان ہے، جہاں حکمرانوں نے تعلیم کو اس لئے مہنگا کر دیا کہ عام آدمی کی سوچ کو نکھار اور روشنی نہ مل سکے، کرپشن اتنی عام ہو گئی ہے کہ ایک معمولی سے معمولی کام بھی بغیر بھاری رشوت یا بڑی سفارش کے ممکن نہیں رہا، سیاست میں ہر اس غلط چیز کو اپنا لیا گیا جو ناجائز اور حرام تھی، میں ان سب چیزوں سے بچ کر چلا ہوں، دامن صاف رکھا، میرا منشور ہی یہی تھا ہے اور انشاء اللہ رہے گا، آپ نے جب پہلی بار مجھ سے علی شیر کے لئے یہ بات کی میں نے انکار کر دیا، وجہ صرف اپنا اصول بتایا، یہ اصول اتنا کڑا نہیں ہونا چاہیے تھا، مگر کرنا پڑا، پتا ہے کیوں؟ کیونکہ مخالف ساری پارٹیوں میں یہی خرابی اپنی جڑیں پھیلا چکی ہے، میں حقدار کو حق دینے کا قائل ہوں، ممکن ہے علی شیر اس کا اہل ثابت ہو جائے مگر بات پھر وہیں آ گئی کہ اس چیز سے مخالفوں کو مجھ پر انگلی اٹھانے کا موقع ملے گا، علی شیر تو کیا اگر قدر بھی مجھ سے اس چیز کی خواہش کرتی تو میں اسے بھی انکار کر دیتا، آپ بچے کو سمجھائیں جو منصب جو اہمیت میں نے اسے دی وہ سب سے خاص اور معتبر ہے، اگر وہ اس اہمیت کو پوری طرح پک کرے گا تو اسے کسی اور شے کی حاجت نہیں رہے گی۔''

جواب تسلی بخش تھا مگر تسلی کیسے ہو سکتی تھی، وہ بے بس تھیں، بے بس اب بھی رہیں۔
''یہ سب باتیں میں اسے سمجھا چکی مگر......''
''مگر کیا......؟'' وہ متحیر ہوئے، سوال کر لیا۔
''نہیں مانتا، ایک ہی رٹ ہے۔'' انہوں نے سرد آہ بھری، گویا معاملے کی سنگینی کا کچھ کچھ ادراک بھائی کو سونپنا چاہا۔
''تو اسے صاف انکار کر دیں، بتا دیں ایسا قیامت تک ممکن نہیں۔'' مون اب کے جھلائے۔
''سمجھایا، سب کچھ کر لیا، وہ نہیں سمجھ رہا، الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے۔'' اب کے وہ روہانسی ہو گئیں، مون بھونچکے رہ گئے۔
''کیسی الٹی سیدھی باتیں؟ آپا کیا بہتر یہ نہ ہوتا کہ آپ پہلے ہی یہ بات مجھے بتائیں؟ بتائیں مجھے وہ کیا دھمکی دے رہا ہے آپ کو؟'' اب کے وہ بری طرح خفا ہوتے ناراضی سے سوال کر رہے تھے، آپا کے آنسو بہہ نکلے، مرد عورت کی مجبوریوں کو بے بسیوں کو کبھی نہیں سمجھتا، یہ بات ایک بار پھر ان پہ پوری سفا کی سے وہاں ہوئی۔
''چپ کیوں ہیں آپا؟'' اب کے وہ لہجے پہ بھی کنٹرول نہ کر سکے، ایک طرح سے انہیں ڈانٹا، ان کا دکھ کم ہوتا، گلے سے آنسوؤں کا گولہ نیچے اترتا تو کچھ بولنے کے قابل بھی ہوتیں، ان کی یہ خاموشی ہی مون کے غصے کو طیش کو بڑھا رہی تھی۔
''آپ کی اس وقت کی یہ خامشی بہت نقصان کا باعث بن سکتی ہے آپا، میں علی شیر سے خود بات کر لیتا ہوں۔'' انہوں نے جیسے ان سے بات ختم کی، آپا آنسو پونچھیں بوکھلائیں، وہ جتنا بے لحاظ ہو رہا تھا، بہتر تھا، دونوں کا آمنا سامنا نہ ہوتا، مون تو ماہر تھا ڈور کاٹنے میں، علی شیر تو ساتھ میں اعتماد کا فون کرنے پہ بھی تلا ہوا تھا۔
''کوئی ضرورت نہیں، میں اسے خود سمجھا دوں گی۔'' انہوں نے بے ساختہ منت کی، مون اب کے کچھ نہیں بولے، رابطہ کاٹ دیا پھر انہوں نے ہر اس ممکن حد تک سوچا تھا جس تک علی شیر جا سکتا تھا اور وہ ممکن حد ہر حد ان کی ذات کی عزت کی ہی دھجیاں اڑاتی تھی، سگریٹ پھونکتے رات گزری، یہاں تک کہ پہلے تہجد اور پھر فجر کی اذانیں بھی ہونے لگیں، اس کے بعد کچھ دیر بعد آس پاس سے گھر کی کئی کھڑکیاں روشن ہونے لگیں، بڑے ذوق شوق سے موذن کی پکار پہ لبیک کہتے نمازی مسجد کی طرف جانے لگے، کھلی کھڑکی سے لوگوں کے قدموں کی چاپ کھنکارنے کی آوازیں گلا صاف کرنے اور کسی شناسا کو دیکھ کر سلام کرنے کی آوازیں اب ان کی پریشان خیالی میں روزن بنا رہی تھیں، ان کی تھکی رتجگے کی مظہر آنکھیں نیم خوابیدہ ساعتیں مزید تھکنے لگیں، انہی تھکے ہوئے اعصاب کے ساتھ وہ خود بھی وضو کے ارادے سے واش روم کا رخ کر چکے تھے۔

☆☆☆

غم و دکھ کے یہ اشارے تم نہ سمجھو گے
جو دن ہم نے تمہارے بن گزارے تم نہ سمجھو گے
تمہیں کیسے بتائیں تم ہمارے واسطے کیا ہو

سمندر کی کہانی میں کنارے تم نہ سمجھو گے
بس اتنا جان لو کہ اک شخص سے ہم نے محبت کی
ہمارے ٹوٹنے کا کھیل پیارے تم نہ سمجھو گے
ہزاروں مشکلوں سے کھیل کر بھی جیتنے والے
یہ آخر کس جگہ پہ آ گئے ہارے تم نہ سمجھو گے

سرد مگر بے حد خوشگوار ہوا چل رہی تھی، جس کی وجہ سے نہر کے اردگرد کھڑے چھوٹے چھوٹے پودے جھوم جھوم کر لہرا رہے تھے اور جو اونچے اونچے قد آور درخت تھے، ہوا کی وجہ سے ان کے پتے ایک دوسرے سے مل کر تالیاں بجاتے محسوس ہو رہے تھے ہوا شاخوں سے گزرتی تو شاں شاں کی آوازیں پیدا ہونے لگتیں، آسمان کہیں سے نیلا کہیں سے سرمئی کہیں سے سلیٹی رنگ کا ہو رہا تھا، ایسے جیسے ابھی بارش برسنے لگے گی، ان کی گاڑی اب گاؤں کی حدود میں داخل ہو چکی تھی اور جیسے جیسے گھر سے نزدیک ہو رہی تھی اس کا دل ڈوب رہا تھا، اپنوں سے ملنے کی خوشی پہ اک شخص کی نظروں کا تسلط کا خوف حاوی تھا، اس نے گہرا سانس بھر کے ہر خیال جھٹکنا چاہا اس نے کھڑکی سے باہر نگاہ کی، نہر کا پانی بہت مدھم سروں میں بہت سبک خرامی سے بہہ رہا تھا نہر کے کناروں سے آگے دور تک پھیلا سبزہ جیسے بارش میں نہایا ہوا تھا، کھلا کھلا سا سبز رنگ آنکھوں کو سکون دے رہا تھا، نہر کے کنارے ننھے ننھے پودے دراصل پھولوں کے تھے یہ غور کرنے پہ اس پہ کھل سکا تھا، سرخ پیلے اور جامنی گلاب کے پھول۔

اس کے برابر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا حمدان بھی آج بہت چپ تھا، بہت خاموش سا پتا نہیں کیوں، نہر گزر گئی باقاعدہ کھیتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کا گہرائیوں میں ڈوبا دل ابھر کر خوف بھرے انداز میں دھک دھک کرنے لگا، وہ دل سے دعا کر رہی تھی، عباس سے اس بار سامنا نہ ہو، مگر آزمائش ختم نہیں ہوئی، دعا ابھی ہونٹوں کی قید سے آزاد نہ ہوئی تھی کہ وہ نظر آ گیا۔

سیاہ کرتا شلوار میں گریبان کھولے منہ میں جلتا سگریٹ دبائے نیم باز نظروں سے اسے ہی دیکھتا ہوا، نظریں تھیں کہ تلواریں وہ بکت بکت ہونے لگتی، سہم گئی، بے ساختہ حمدان کو دیکھا، جس کے ہونٹ باہم بھینچے ہوئے تھے۔

وہ آئیں ہمارے پینڈ خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے پینڈ کو دیکھتے ہیں

وہ قہقہہ لگا رہا تھا، حمدان کا رنگ اسی لحاظ سے سرخ ہوا اور خوف سے حرم کی گھگھی بندھ گئی، حلق خشک ہو کر تڑخا۔

بہاروں پھول برساؤ
ہمارا محبوب آیا ہے

حرم کو لگا اس کا مقصد ہی حمدان کو طیش دلانا ہے اور وہ اپنی کوشش میں کچھ اتنا ناکام بھی نہیں رہا، گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو بے اختیار حرم کی چیخ نکل گئی تھی۔

(جاری ہے)

تحسین اختر

''کیوں آتے ہو روز یہاں؟'' اس نے پھول نگر کے پچھلے کمرے کی کھڑکی کھول رکھی تھی اور سیبوں کی مہک سے لدی ہوا اس کو مدہوش سا کر رہی تھی، جب اس نے اس کو چڑھائی چڑھتے اور پھر سیبوں کے باغ میں کھڑے دیکھا تھا، اس شخص نے تو معمول ہی بنا لیا تھا، وہ ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر غصے سے کھول اٹھی تھی اور پھر اپنی چیئر کو دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئی تھی، اب اس کا رخ پچھلے باغ کی طرف تھا، سیبوں کی خوشبو سے لدا ہوا اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے اس شخص کے پاس لے گئی تھی۔

''یونہی گھومنے پھرنے۔'' اس نے اپنی پر شوق نگاہیں اس چاند چہرہ اور ستارہ آنکھوں والی گڑیا پر ٹکائی تھیں۔

''یہ جگہ گھومنے پھرنے کے لئے عام نہیں ہے، تم اچھی طرح جانتے ہو یہ پھول نگر کے احاطے کا باغ ہے۔'' وہ تن فن کرتے ہوئے بولی تھی۔

''ہمیں تو اس پر چلنے میں مزہ آتا ہے جو شاہراہ عام نہیں ہوتی۔'' اس نے اچک کر تازہ سیب شاخ پر سے توڑا تھا اور دانتوں سے کچر کچر کرنے لگا تھا، ماہ بقا کو اس کی یہ حرکت بدتمیزی کے سوا اور کچھ نہ لگی تھی۔

''میرا خیال ہے تم ایسے نہیں مانو گے میں خان بابا (چوکیدار) کو بلاتی ہوں، وہی تمہیں سبق سکھائیں گے۔''

''جو محبت کا سبق سیکھ جائے پھر کوئی اور اس کو کیا سکھائے گا، آپ ناحق تکلیف ہی کریں گی۔'' اس نے اسے تپایا تھا۔

''میرا خیال ہے آپ کی زبان پر جو لفظ چڑھ جائے وہ مشکل ہی سے اترتا ہے بس اس کے علاوہ تو اور کوئی خوبی آپ میں نظر نہیں آتی۔''

وہ طنز سے بولی تھی۔

''ہمارے تو دل پر بھی جو چڑھ جائے، وہ مشکل ہی سے اترتا ہے، باقی رہی خوبیوں کی بات تو ذرا فرصت سے اور محبت کی نگاہ سے دیکھیں گی تو ایک نہیں کئی خوبیاں نظر آئیں گی۔''

ساتھ ہی اس نے پھول نگر کے برآمدے میں کھیلتے دوڑتے بچوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا وہ بھی اس کو دیکھ کر خوشی محسوس کرتے تھے، ماہ بقا نے یہ منظر بھی ناگواری سے دیکھا تھا۔

''میری یہاں بہت عزت ہے کیوں میری عزت خراب کرنے پر تل گئے ہو۔'' وہ اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے بچوں کو دیکھ کر بولی تھی۔

''محبت کسی کی عزت خراب نہیں کرتی بلکہ یہ تو عزت بڑھاتی ہے۔'' وہ بولا تھا اور ماہ بقا طنزیہ مسکرائی تھی۔

''بہت خوب، اپنے مزاج جیسی کسی تھرڈ کلاس کتاب یا ناول کا فقرہ سنایا ہے یا کسی گھٹیا ترین مووی کا ڈائیلاگ بولا ہے بہرحال یہ طے ہے کہ میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر اور تمہارے ان خیالات پر، آئندہ اگر یہاں آنے کی زحمت کی تو اچھا نہ ہوگا۔'' وہ اس شخص سے باتوں میں کبھی نہ جیت سکی تھی اس لئے مزید اس کی پرشوق اور پرتپش نگاہوں کا مرکز بنے رہنے کی بجائے اس نے اپنی چیئر واپس موڑی تھی۔

''جا رہی ہیں؟'' پیچھے سے آواز آئی تھی اور اس نے اپنی رفتار تیز کر لی تھی۔

''خدا حافظ۔'' وہ پھر بولا تھا۔

''ڈھیٹ ابن ڈھیٹ۔'' ماہ بقا نے برآمدے میں پہنچ کر یونہی گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تھا، امید تو یہی تھی کہ وہ جا چکا ہو گا مگر وہ ویسے ہی سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھتے ہوئے کھڑا تھا، وہ بڑبڑاتے ہوئے اندر آ گئی تھی۔

☆☆☆

بشر کے روپ میں دلربا طلسم بنے
شفق میں دھوپ ملائیں اس کا جسم بنے
وہ معجزات کی حد تک پہنچ گیا قتیل
حرف کوئی بھی لکھوں اس کا اسم بنے

وہ بولا تھا اور ماہ بقا کا رواں رواں کان بن گیا تھا، وہ منہ موڑ کر مسکرائی تھی مگر وہ غفران ہی کیا جو اس کی ہر ادا پر نثار نہ ہو جائے۔

''تمہاری محبت تو مجھے کچھ بھی کرنے نہیں دیتی، گھر میں دل نہیں لگتا، رباب کہتی ہے، اپنا بوریا بستر اٹھاؤ اور ماموں کے گھر ہی چلی جاؤ۔''

''ہاں تو صحیح کہتی ہے وہ شرارتی بلی، ایک نہ ایک دن تو تمہیں اس گھر میں آنا ہی ہے نا۔'' وہ رباب کی بات کا مزہ لیتے ہوئے بولا تھا اور ماہ بقا شرم سے ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

''کیا ہوا میں نے کچھ غلط کہا۔'' وہ اس کی چھوٹی کھینچتے ہوئے اسے چھیڑنے لگا تھا۔

اس کی امی جان ننھی بچیوں کی طرح اس کے گھنے اور موٹے بالوں کی دو چوٹیاں گوندھتی تھیں اس کے بال ہی اتنے بھاری تھے کہ ایک ہاتھ میں آتے ہی نہ تھے، رباب اسے اکثر کہا کرتی تھی، غفران نامی جن تمہارے گھنے اور لمبے بالوں پر ہی عاشق ہوا ہے، مگر وہ جانتی تھی وہ غفران کو بالوں سمیت ساری کی ساری پسند تھی اسے بھی اپنے ماموں کا یہ ہونہار اور پڑھا لکھا بیٹا بہت پسند تھا، چونکہ گھروں اور دلوں میں کوئی فاصلہ نہ تھا اس لئے ان کی محبت، اپنائیت اور چاہت کے پیڑ تلے خودرو بوٹی کی طرح خوب ہی پھل پھول رہی تھی۔

☆☆☆

''یہ کیا ہے؟ اب تو سارا دن ہی مصروف رہتے ہو، آفس کا کام بھی گھر اٹھا لاتے ہو۔''

ابھی ابھی وہ ممانی جان کو سوتا دیکھ کر ان کے ڈھیروں ڈھیر برتن جو دوپہر کے کھانے کے بعد یونہی پڑے تھے دھو کر کچن سے نکلی تھی اور غفران کو کاغذ قلم سے سر کھپاتا دیکھ کر اس کے پاس آ گئی تھی۔

''ہوں، آفس کا کام نہیں ہے۔'' وہ کاغذ پر جھکے جھکے بولا تھا۔

''تو پھر کیا ہے، گرمیوں کی لمبی دوپہریں آرام کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔'' اس نے جھک کر غفران کے ہاتھ سے قلم کھینچ لیا تھا۔

''اوہو، قلم دو نا، تنگ مت کرو۔'' وہ جھنجلاتے ہوئے بولا تھا۔

''کیا لکھ رہے ہو۔'' وہ قلم مٹھی میں دبا کر شرارتی انداز میں پوچھنے لگی تھی۔

''یار باس کی بیٹی ایم ایس سی کر رہی ہے، نالائق سی ہے، انہوں نے مجھے کہا ہے کہ میں ان کی بیٹی کو نوٹس بنا دوں تاکہ اس سال وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جائے۔'' غفران نے اس کی مٹھی میں دبا قلم نکال لیا تھا اور ایک بار پھر جھک کر کچھ لکھنے لگا تھا، ماہ بقا کچھ دیر تو اس کے پاس بیٹھی رہی تھی پھر بور ہو کر اپنے گھر آ گئی تھی۔

☆☆☆

اب اٹھ کر تیرے پاس سے جائیں تو کس کے پاس
ہر لمحہ اپنے سامنے یہ ہی سوال تھا
رسوائیوں کی دھوپ میں تپتے تھے شام تک
سایہ اگر کہیں تھا تو تیرا خیال تھا

پھر یوں ہوا کہ نوٹس بنانے میں غفران نے سخت محنت کی اور باس کی بیٹی پاس ہو گئی، مگر اس امتحان میں جس میں ماہ بقا کا کوئی ذکر نہ تھا وہ فیل ہو گئی، ماہ بقا کا حسن، اس کی گھنے اور لمبے بالوں میں گوندھی گئی دو چوٹیاں نمکین نقش سنہری تراشیدہ زلفیں باس کی بے پناہ عنائیتوں تلے دب کر رہ گئیں، رہی محبت تو وہ غفران کے گھر میں لگے ہار سنگھار کے درخت تلے کھڑی کرلاتی رہی، ہار سنگھار کا وہ درخت جو ان کی محبت کے ہر پل کا امین تھا اب خائف بنا کھڑا تھا، ماموں کے گھر کے پھیرے جو ماہ بقا کسی طواف کی مانند لگاتی تھی، وہ بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے، شرارتی بلی خاموش تھی کہ اب محبت اور چاہت دونوں طرف خاموشی تھی۔

☆☆☆

''تم حدیقہ سے شادی کر رہے ہو؟'' اس ایک سوال میں اتنی آہیں تھیں کہ ہار سنگھار کا پیڑ سوکھنے لگا تھا۔

''میری مجبوری ہے۔'' کیسی سرد اور قاتل ہوا چلی تھی سارے جذبے سوکھے پتوں کی مانند اڑ گئے تھے۔

''کیسی مجبوری؟'' شکر ہے محبت نہ کہا تھا۔

''باس کی نوازشیں اور عنایتیں، میں اب عادی ہو گیا ہوں، ان کے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں۔''

''سچ کہو تو تم حدیقہ کی قربتوں کے عادی ہو گئے ہو۔'' یہ جملہ اس نے ایسے بولا تھا جیسے اپنی محبت کی قبر پر دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر مٹی ڈالی ہو اور اس دن اس نے واقعی ہار سنگھار کے ویران اور اجڑے پیڑ تلے اپنی محبت دفنا دی تھی، وہ اپنی محبت کی خالی ڈولی لئے گھر لوٹ آئی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

☆☆☆

غفران بھائی بدلنے والے لگتے تو نہ تھے مگر بہت سے عام مردوں کی طرح وہ بھی دولت پر ریجھ گئے، کیا یہ دولت بڑے بڑوں کا تیا پانچہ کر دیا کرتی ہے کیا یہ ہاتھ کا میل اس طرح کسی کے نصیب دھو جاتا ہے کہ پھر اس کے نصیب کی تختی پر کچھ بھی لکھا نہیں جاتا۔

شرارتی بلی کی سوچیں جانے کہاں سے شروع ہوتی تھیں اور کہاں پر جارکتی تھیں اور محبت نے جس کو ناگ بن کر ڈسا تھا وہ ساری سوچوں سے عاری ہوگئی تھی، وہ گوشت پوست سے پتھر میں ڈھل گئی تھی، نہ اب نیند اپنی رہی تھی اور نہ سکون، کبھی تو سارا دن سوتے ہوئے گزر جاتا اور کبھی ساری ساری رات افسر شماری کرتے ہوئے، جانے محبت مرکر اپنی روح اس میں چھوڑ گئی تھی یا واقعی اس میں غفران نامی جن گھس کر بیٹھ گیا تھا اور جس دن اس نے اپنی چھت پر کھڑے ہوکر سرسری سی نظر ماموں کے صحن میں ڈالی تھی اور حدیقہ اور غفران کو اکٹھے بیٹھے دیکھا تھا اس دن تو وہ پاگل ہی ہوگئی تھی، سیڑھیاں ایک طرف تھیں اور وہ بے دھیانی میں چھت پر سے دوسری طرف اتر گئی تھی جہاں سیڑھیاں تو کیا کوئی سہارا بھی نہ تھا جو اسے زمین اور آسمان کے درمیان معلق رکھتا، اس کی چیخیں شاید گلی کے ہر شخص نے سنی تھیں مگر کوئی اس کے لئے کچھ نہ کر سکا تھا، ایک ٹانگ ٹوٹی تھی اور دوسری جانے کتنی زخمی اور پھر ریڑھ کی ہڈی پر ایسی ضرب لگی تھی کہ وہ چلنے پھرنے سے بھی رہ گئی تھی، اس نے ہسپتال میں اکثر غفران اور حدیقہ کو آتے جاتے دیکھا تھا اور کس دل سے دیکھا تھا یہ وہی جانتی تھی یا اس کا رب، حدیقہ اس کو دیکھ کر افسوس کرتی تھی اور غفران کیا سوچتا تھا وہ یہ نہ جانتی تھی اور نہ جاننا چاہتی تھی۔

روپ سلونا، باورا جوبن، نٹ کھٹ اس جیسے بال
چھم سے من میں آن اترتی
آن اترتی بے خود کرتی
اس کی شوخ ادا
اس کو چھو کر ایسا لاگے مٹھی بیچ ہوا!
سیدھی مانگ میں چٹکی بھر سیندور لگائے آگ
ماتھے کی بندیا سے ہے لپٹا سات سروں کا راگ
گال پہ کالے تل کا پہرہ
ناک میں لونگ سنہرا
پتلی لمبی گردن پہ یہ حسن کا ساگر ٹھہرا
سپنوں کی وہ رانی اک دن پنگھٹ پہ جب آئی
من کی سچی دولت کو لیکھوں نے آگ لگائی
ٹوٹ گیا مٹی کا گھڑا اور پتھر بن گئی آپ
اس ناری کے ہاتھ لگے بس بے تعبیر خواب
من کی چکی کی کوکو میں
اب وہ ہر پل روئے
چاند کی بڑھیا چرخہ کاتے سارا عالم سوئے

سالوں لگے تھے اسے موت سے لڑتے اور زندگی کی طرف آتے آتے، پھر اس نے وہ محلہ وہ شہر وہ علاقہ ہی چھوڑ دیا تھا اور یہاں سیبوں کی خوشبو تلے ''پھول نگر'' کی بنیاد رکھی تھی جہاں بے سہارا بچے اور عورتیں پناہ گزین تھیں، محبت کی قبر میں جب محبت کی ہڈیاں بھی گل سڑ گئی تھیں تب وہ اجنبی شخص ایک بار پھر اس کے دل میں سیندھ لگانے روز آتا تھا وہ محبت کا کشکول تھامے اس تلک آتا تھا اس کے پاس تھا ہی کیا جو اس کے کاسے میں ڈالتی، ایک ٹوٹا پھوٹا وجود اور خالی دل، ویسے بھی اس بھری دنیا میں اس کے لئے ہر مرد ''غفران'' ہی تھا۔

☆☆☆

بشریٰ سیال

''وہ کیسے ہو سکتے ہیں آپ بے شوہر؟ ان کی اور آپ کی ایج میں اتنا ڈفرنس۔'' وہ دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کے پتھر ہوتے وجود کو دیکھ رہا تھا، وہ کسی بے جان مورتی کی طرح کھڑی تھی۔

''شفق! میں آپ سے مخاطب ہوں۔'' اس کا بازو پکڑ کر ہلایا تو گویا اس کا سکتہ ٹوٹا۔

''چلے جائیں یہاں سے آپ۔'' اس کے اندر جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔

''ازمیر شاہ اس کے متعلق کیا سوچے گا۔'' یہ خیال ہر خیال پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔

''میں اس طرح یہاں سے......''

''ارسم آفندی جائیں یہاں سے۔'' اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے باہر کی جانب دھکیلا تھا۔

''دوبارہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔''

دراصل وہ ارسم آفندی کو نہیں محبت کو دھکے دے کر گھر سے نکال رہی تھی۔

''شفق!'' اس نے لاؤنج کے دروازے کے پاس پہنچ کر مڑ کر دیکھا تھا۔

''اچھا نہیں کیا آپ نے میرے ساتھ۔'' اس کے لہجے کی تڑپ اندر کے کرب کا پتا دے رہی تھی، وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میرا سب کچھ داؤ پر لگا کر، مجھے میرے شوہر کی نظروں میں ذلیل کروا کر آپ کہتے ہیں۔'' قصداً بات ادھوری چھوڑ کر وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی تھی جس کا مطلب تھا تم اب جاؤ، اور وہ چلا گیا تھا، شفق شاہ نے مڑ کر بیڈ روم کے بند دروازے کو دیکھا اور گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

''شہروز شاہ کو فالج کا اٹیک ہوا ہے۔''

مکمل ناول

زرمینہ شاہ شوہر کے پاؤں دبا رہی تھی جب انہوں نے بتایا۔

''اللہ خیر کرے۔'' انہوں نے بے اختیار کہا۔

''اس وقت کہاں ہے شہروز بھائی۔'' وہ ہمدردانہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

''ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے کر گھر بھیج دیا ہے۔'' وہ طنز سے گویا ہوئے۔

''اور ان جیسوں کی اللہ خیر نہیں کرتا، جب رسی کھینچنے پر آتا ہے تو......'' دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر وہ مسکرانے لگے، زرمینہ شاہ نے متاسف نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''خدا کی طرف سے آزمائشیں ہوتی ہیں یہ، اللہ سے ہر دم دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ سب کو آزمائش سے بچائے۔'' انہیں شوہر کے رویے پر بہت افسوس ہو رہا تھا، جو اپنے ہی خونی رشتے دار کی اتنی تکلیف پر خوش ہو رہے تھے۔

''ان جیسوں کے لئے بیماری یا کوئی بھی مصیبت آزمائش نہیں بلکہ سزا ہوتی ہے، خود اس نے کم ظلم کیے ہیں ساری زندگی، دیکھو کیسے شان سے اکڑ اکڑ کر زمین پر قدم رکھتا تھا، اب بے بسی سے بستر پر پڑا ہے، دوسروں کو حقیر جاننے والا اب خود واش روم تک نہیں جا سکتا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''انسان کی فطرت ہے، دوسروں پر آنے والی آزمائش اسے سزا لگتی ہے اور خود پر اگر مصیبت آ جائے تو وہ اسے آزمائش سمجھتے ہیں۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گئیں۔

''تم سے کس نے کہا ہے مجھ وعظ سنانے بیٹھ جاؤ۔'' ارباز شاہ غصے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ ڈر گئی۔

''تمہارا جو بھی مطلب ہو، مجھ سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے پاؤں سے ہٹائے تھے۔

''ہو سکتا ہے اب ازمیر شاہ باپ کی عیادت کو آئے۔'' زرمینہ شاہ نے دل میں آئی ہوئی ایک بات کہہ دی جس سے ارباز شاہ کا موڈ مزید بگڑ گیا۔

''آنا ہے تو آئے، ہمیں کیا؟'' وہ درشتی سے بولا۔

''ہو سکتا ہے ساتھ گڑیا کو بھی ساتھ لے آئے۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی اور اس کا یہ کہنا غضب ثابت ہوا۔

''خبردار اگر اس کو اس گھر میں قدم بھی رکھنے کی اجازت دی تو، وہ میرے لئے اسی دن مر گئی تھی جب وہ ازمیر شاہ کے ساتھ اس حویلی سے میری اجازت کے بغیر بھاگ گئی تھی۔'' وہ رعونت سے بولے۔

''وہ بھاگی نہیں تھی، نہ ہی اس کی بھاگنے کی عمر تھی، اس کی جان کو خطرہ تھا اس لئے۔''

''بس زرمینہ بیگم!'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا۔

''جو کہہ دیا اسے ذہن نشین کر لو، شفق شاہ اس حویلی میں قدم بھی نہ رکھنے پائے۔'' اور وہ اس شخص کی فرعونیت سے واقف تھیں، اس لئے اس وقت خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

اپنی گاڑی کو ٹیک لگائے وہ اس کے گھر کے سامنے کھڑا بارش میں بھیگ رہا تھا، آسمان بھی زور و شور سے آنسو بہا رہا تھا۔

''یہ کیا ہو گیا میرے ساتھ۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ بالوں میں پھیرے۔

''ایسا ہو گیا میرے ساتھ، یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' اس نے پیاسی نظروں سے شفق

شاہ کے گھر کے بند گیٹ کی طرف دیکھا تھا، یہاں آنے سے پہلے بہت کچھ سوچ کر آیا تھا، اس سے اظہار محبت کرے گا، اسے اپنی سچی اور بے لوث محبت کا یقین دلائے گا، اسے منا کر ہی دم لے گا، مگر وہاں آ کر اسے جو شاک لگا تھا تو اس کا سنبھلنا مشکل ہو گیا تھا۔

بارش نے ہر طرف جل تھل کر دیا تھا، مگر وہ ہر احساس سے گویا عاری ہو چکا تھا، اس سے دور جانے کا تصور ہی جان لیوا محسوس ہو رہا تھا۔

تو چل پڑا ہوں دل سے مگر چاہتا ہوں میں
وہ اٹھ کے مجھ کو روک لے اور راستہ نہ دے

اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا، دل میں عجیب سا درد اٹھا تھا جو رفتہ رفتہ سارے بدن میں پھیل رہا تھا، جی چاہ رہا تھا کہ سے دل لے کر تمام عمر وہیں بیٹھا رہے، مگر اس میں شفق شاہ کا نقصان تھا۔

☆☆☆

ازمیر شاہ بہت پریشانی کے عالم میں آفس سے نکلا تھا، آج اسے بی بی جان اور زوہرہ کی یاد شدت سے آ رہی تھی، وہ شفق شاہ کو سب کچھ بتانا چاہتا تھا، سوچ کر آیا تھا کہ آج اسے بتائے گا کہ کتنی طویل مسافت وہ اذیتیں اور تنہائی کے عذاب سہتے ہوئے گزار آئے ہیں، مگر یہاں تو کچھ اور ہی اس کا منتظر تھا، اسے کئی گھنٹے ہو گئے تھے اسی طرح کھڑے ہوئے، اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں، مگر وہ جیسے ہر احساس سے عاری تھا۔

''تو آخر وہ وقت آ گیا، جس کا مجھے ڈر تھا۔'' بارش نے ہر طرف جل تھل کر دیا تھا، کچھ ایسی ہی بوندا باندی اس کے اندر بھی ہو رہی تھی، بارش تھم گئی تھی اور اب خوشگوار ہوائیں چل رہی تھیں جو اس کے زخموں کو چھیڑ رہی تھیں، اس کو اس کی بے بسی کا احساس دلا رہی تھیں۔

''ایسا تو ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا، غلطی اس کی نہیں میری ہے، جو دل میں خوش گمانی پال لی کہ شاید......'' اسے شفق شاہ سے ایسی امید ہرگز نہ تھی، وہ بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔

''شاہ جی!'' شام ہو رہی تھی، گھر میں گہری چپ کا راج تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی، اس کے مخاطب کرنے پر بھی اس کے ساکت وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی تھی۔

''یوں مجھ سے منہ موڑ کر مت کھڑے ہوں، میری طرف دیکھیں، میری بات سنیں۔'' وہ لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولی تھی، مگر جواب ندارد۔

''کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟'' ازمیر شاہ کی مسلسل خاموشی اسے خوفزدہ کر رہی تھی، وہ اور آگے آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑنا چاہا مگر وہ جیسے پتھر کا ہو چکا تھا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' اس نے سوال کیا مگر وہ تو شاید کوئی بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''شاہ جی!'' وہ کسی خوف کے زیر اثر زور سے چلائی، اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ اس سے دور ہٹ کر صوفے پر جا بیٹھا، وہ بھی اس کی تقلید میں اس کے برابر جا بیٹھی۔

''آپ کو مجھ سے بات کرنی پڑے گی، میری بات سننی ہو گی آپ کو۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

''میں تم سے محبت کا اظہار کروں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تم مجھ پر بڑے بڑے الزام لگاتی ہو اور وہ کیا کہہ رہا تھا؟'' اس کے لفظ کسی تیز

دھار چھری کی مانند اس کے وجود کو کاٹ رہے تھے، مگر اسے احساس نہ تھا۔

''اس کے قول اور فعل کے لئے میں ذمہ دار نہیں ہوں، مگر میں نے نہ کچھ غلط کیا ہے اور نہ کروں گی، میرا ضمیر مطمئن ہے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''میں تمہیں یہاں تمہاری Safety کے لئے لایا تھا، تمہاری جان کو خطرہ تھا وہ اب ٹل گیا، میری طرف سے تم آزاد ہو، جہاں جانا چاہو چلی جاؤ۔'' اس نے جیب سے سگریٹ اور لائیٹر نکالا، وہ بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جس کے ساتھ مرضی جاؤ، مجھے اعتراض نہیں ہے۔'' سگریٹ منہ میں دبا کر اس نے اسے شعلہ دکھایا تھا، دکھ سے شفق شاہ کا دل پھٹنے لگا تھا، ازمیر شاہ نے سگریٹ کا دھواں چھوڑا تو وہ کھانسنے لگی، مگر اس پر اثر نہ ہوا۔

''بند کریں سگریٹ پینا۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھیننا چاہی، مگر ازمیر شاہ نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا۔

''سگریٹ پینا گناہ ہے، میں جانتا ہوں۔'' اس نے ایک لمبا کش لے کر دھواں فضا کے سپرد کیا۔

''مگر شوہر سے بے وفائی کرنے سے بڑا گناہ نہیں ہے۔'' اس کی طرف دیکھے بنا وہ بولا تو شفق شاہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''میں نہیں جانتی تھی کہ آپ اس قدر شکی ہیں، اگر علم ہوتا تو ماریہ سے دوستی نہ کرتی نہ ہی اس کے گھر جاتی۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل کر گالوں پر بہنے لگے تھے، مگر آج اس کے آنسو ازمیر شاہ پر کوئی اثر نہ کر رہے تھے۔

''میں نے آپ کے ساتھ کوئی بے وفائی نہیں کی، میرا بچپن جوانی، سب ٹائم آپ کے سامنے ہے، مجھے بتائیں کب میرے کردار میں کوئی خامی دیکھی آپ نے؟'' اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

''مجھے اتنا کم عقل اور کم علم مت سمجھو، وہ کل کا لڑکا اور تم اتنی سی بچی مل کر مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے، کچھ بھی میری نظروں سے مخفی نہیں تھا، بس میں خاموش تھا تو صرف اس لئے کہ......''

''لعنت ازمیر شاہ!'' اس نے زور سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اس سے زیادہ نہیں سن سکتی۔'' اس کی برداشت جواب دے گئی تھی یہ الزامات سن کر۔

''ابھی اتنا بوڑھا نہیں ہوا کہ دھوکہ کھا جاؤں۔'' وہ استہزائیہ انداز سے ہنسا۔

''افسوس ہو رہا ہے مجھے آپ کی سوچ پر، اتنے سال میں نے آپ کو اپنے ماں باپ عزیز، رشتہ دار، دوست استاد اور سب سے بڑھ کر ہمدرد اور غمگسار سمجھے رکھا، ہر رشتے کی جگہ آپ کو دے دی، مگر آج پتا چلا آپ صرف اور صرف میرے شوہر ہیں، تنگ نظر اور شکی۔'' ازمیر شاہ کے الزام نے اسے بے حد دکھی کیا تھا۔

''اس سے تو بہتر تھا مجھے میرے ماں باپ کے پاس رہنے دیتے۔'' وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''تم ابھی بھی اپنے ماں باپ کے پاس جا سکتی ہو، کس نے روکا ہے تم کو جاؤ۔'' وہ مڑا اور وارڈ روب میں سے اپنے کپڑے نکال کر بیگ میں ڈالنے لگا، وہ ششدر رہ گئی، ازمیر شاہ کا یہ روپ اس کے لئے ناقابل یقین تھا۔

''کیا کر رہے ہیں آپ؟'' وہ آگے بڑھی اور اسے روکنا چاہا۔

''پیکنگ کر لو، ہم واپس جا رہے ہیں۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر وہ بولا تھا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' وہ اس کے تیور دیکھ کر گھبرا گئی۔

''دس منٹ کے بعد ہم یہاں سے نکل رہے ہیں، میں انکار نہیں سنوں گا، تم پیکنگ کرنی ہے تو کر لو ورنہ ایسے ہی لے جاؤں گا۔'' وہ آنسو بہاتی جاتی تھی اور ساتھ ہی پیکنگ کر رہی تھی، از میر شاہ نے اسے بہت رلایا تھا۔

☆☆☆

وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے سیدھا اپنے روم میں آیا تھا، یہ بھی اچھا ہوا کہ کسی نے اسے دیکھا نہیں تھا، ورنہ اس کا گیلا لباس، شدت ضبط کے باعث سرخ ہوتی آنکھیں اور شکستہ انداز بہت سے راز کھول دیتا، بہت سے سوال اٹھاتا جو اسے گوارا نہ تھا۔

''محبت بھی کیسی کیسی آزمائشیں لے کر آتی ہے، انسان کے وہم و گمان میں بھی جو بات نہیں ہوتی وہ ہو جاتی ہے، محبت کی قسمت میں ٹھوکریں اور دربدری کیوں لکھی ہے؟'' بارش میں اتنی دیر بھیگنے سے اس کا جسم ٹھنڈا ہو رہا تھا، اس پر کپکپی طاری ہو رہی تھی، مگر اسے پرواہ نہ تھی۔

''شفق میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' اس کے اندر کوئی زور سے چلایا۔

''جب سے تمہیں دیکھا، دل نے تمہیں اپنا اور صرف اپنا ماننا شروع کر دیا، کبھی یہ سوچا ہی نہ تھا کہ تم یوں ملنے سے پہلے ہی بچھڑ جاؤ گی۔'' وہ بے دم ہو کر بیڈ پر گرا تھا۔

''وہ شخص تمہارے باپ کی عمر کا ہے، وہ تمہارا شوہر کیسے ہو سکتا ہے، کیوں کیا تمہارے والدین نے یہ ظلم تم پر؟'' اسے اب اس پر بھی ترس آ رہا تھا، وہ تو از میر شاہ کو شفق شاہ کا باپ سمجھتا رہا تھا، اس انکشاف نے کہ از میر شاہ اس کا شوہر ہے جہاں اس کا دل توڑا وہیں اسے شفق سے بھی ہمدردی ہونے لگی۔

''میرے آنے کے بعد اس نے اسے کیا کہا ہوگا؟ اف۔'' یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا، ایک نئی پریشانی اور بے چینی اسے لاحق ہو گئی تھی، اس کا دماغ سن ہو رہا تھا، اس نے بمشکل لباس تبدیل کیا اور دوبارہ لیٹ گیا۔

وہ قسمت کی اس ستم ظریفی پر بے حد حیران تھا، اس نے فیصلہ کیا تھا کہ ماریہ کو کچھ نہیں بتائے گا، وہ اسے شفق سے بدگمان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اتنا لمبا سفر بہت خاموشی سے گزرا، اس کی جانب سے رخ موڑ لے وہ گاڑی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کو بغور دیکھتے ہوئی سوچوں میں گم تھی، اسے از میر شاہ سے ایسے رویے کی بالکل امید نہ تھی، دل اس کی باتوں سے بہت دکھا تھا۔

''نیچے اترو۔'' اس نے گاڑی ایک ہوٹل کے سامنے روکی تھی، رات کافی زیادہ ہو گئی تھی، از میر شاہ نے ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کیا تھا، وہ خاموشی سے اس کے ساتھ آ گئی تھی۔

''آ جاؤ کھانا کھا لو۔'' وہ صوفے پر بیٹھی تھی، از میر شاہ بیڈ پر بیٹھا تھا، سامنے ٹیبل پر ویٹر کھانا رکھ گیا تھا، وہ اسے کھانے کے لئے بلایا تھا خود جا کر چیئر پر بیٹھ گیا۔

''بھوک نہیں ہے۔'' اس نے سارا دن بھی کچھ نہیں کھایا تھا اور از میر شاہ کی باتوں نے اسے بہت دکھی کیا تھا اس کو بھوک تو لگی تھی مگر اس وقت کھانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''او کے! ایز یو وش۔'' از میر شاہ نے کندھے اچکائے اور کھانا کھانے لگا، وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ جو اس کے بغیر کھانا نہیں کھاتا تھا، چائے تک نہ پیتا تھا اس وقت اس

کے سامنے بیٹھا اکیلا، بڑی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا، اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

نا چاہتے ہوئے بھی وہ منتظر رہی کہ وہ اسے دوبارہ کہے گا، مگر اس نے اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہ کیا۔

''چائے پیو گی؟'' ازمیر شاہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور واش روم میں چلی گئی، وہاں جا کر جی بھر کر روئی، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر اسے سزا دینے کے لئے ایسا کر رہا ہے، وہ باہر نکلی تو ازمیر شاہ کے ہاتھ میں سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر دیکھ کر سلگ اٹھی۔

''یہ میں آپ کو نہیں پینے دوں گی۔'' اس نے آگے بڑھ کر ڈبیا اس کے ہاتھ سے جھپٹی تھی۔

''سگریٹ واپس کرو شفق شاہ!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''نہیں کروں گی۔'' اس نے ہاتھ پیچھے کیا تھا، ازمیر شاہ کے تیور خاصے خطرناک تھے، وہ ڈر گئی۔

''پچھتاؤ گی۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا تھا، اس کی آنکھوں میں اترتے غصے کو وہ دیکھ چکی تھی۔

''میری زندگی میں پچھتاؤں کے سوا کچھ نہیں لکھا ازمیر شاہ!'' اس نے اسی کے انداز میں بات کی، چند ثانیے وہ بغور اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ادھر رکھ دو ڈبیا۔'' اس نے اپنی چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی۔

''نہیں دوں گی، بتا چکی ہوں۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی، ازمیر شاہ کے بگڑتے تیور اسے ڈرا رہے تھے، مگر وہ لہجے کو مضبوط کر کے بے خوفی سے بولی۔

''مجھ سے ضد مت کرنا۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ سختی سے پکڑا، اس کے لہجے کا پتھریلا انداز اس وقت شفق شاہ کے دل پر مکا بن کر لگا تھا، اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔

''آپ مجھ پر دھونس جما سکتے ہیں، زبردستی اپنی ہر بات منوا سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں آپ کو کسی غلط بات سے روک سکتی۔'' وہ آنسو پینے کی کوشش میں بے حال تھی۔

''میں نے تو کہا ہے آج سے سب پابندیاں ختم، جاؤ تم آزاد ہو، کیسی صحیح یا غلط کے لئے میں تم کو نہیں روکوں گا شفق شاہ!'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا تھا، اس کا لہجہ اس کی گرفت سے زیادہ سخت تھا۔

''بہت ظالم ہیں آپ۔'' اس نے دوسرا ہاتھ آگے کر کے سگریٹ کی ڈبیا ٹیبل پر اچھال دی، ازمیر شاہ نے فوراً اس کی کلائی چھوڑ دی، وہ واپس مڑی اور صوفے پر جا بیٹھی، سر گھٹنوں میں دے کر وہ رونے لگی۔

''زوہرہ تم نے ٹھیک کہا تھا، سگریٹ واقعی دل کو بہلاتی ہے اور غم کو بھی کم کر دیتی ہے، مگر بعض غم اتنے بڑے اور گہرے ہوتے ہیں گھن کی طرح انسان کو چاٹ جاتے ہیں، وہاں یہ چھوٹا سا سلگتا ہوا شعلہ کیا کرے، ایسے میں انسان خود سگریٹ کے ساتھ جلتا، سلگتا اور دھواں دھواں ہونے لگتا ہے۔'' اس نے ایک لمبا کش لگا کر دھواں فضا کو سپرد کیا، دھوئیں کے اس پار شفق شاہ کی دھندلی دھندلی تصویر اسے نظر آ رہی تھی، وہ سمجھ نہ پایا شفق شاہ کے عکس کو وقت، سگریٹ کے دھوئیں یا بدگمانی میں سے کس چیز نے دھندلایا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تھا۔

تمام رات وہ سموکنگ کرتا رہا تھا اور شفق شاہ روم کے باہر بنی گیلری میں کرآنسو بہاتی رہی تھی۔

☆☆☆

''بھائی آج اتنا زیادہ سولیا، خیریت؟''

رات ہوگئی تھی، مگر وہ اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلا تھا، ماریہ اسے دیکھنے آگئی۔

''ہاں، بس طبیعت کچھ اچھی محسوس نہیں ہو رہی۔'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، اس کی خوبصورت، گہری آنکھیں زیادہ سونے سے کچھ سوج گئی تھیں اور اچھی لگ رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' ماریہ کو تشویش ہونے لگی۔

''آپ نے شفق کی بات کو دل پر لے لیا؟'' اسے شفق پر غصہ آنے لگا تھا۔

''نہیں یار!'' اس نے فوراً سرنفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''موسم کا اثر ہے شاید۔'' وہ بات بنا گیا۔

''موسم تو اتنا پیارا ہے، موسم کا اثر نہیں ہے، ہاں دل کے موسم کی بات کریں۔'' اس نے بغور بھائی کی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''دل کا موسم بھی ایک دم پرفیکٹ ہے۔'' وہ ہنس دیا۔

''آپ شفق کو بھول جائیں، کل پارٹی میں اتنی لڑکیاں ہوں گی کوئی سی بھی پسند کر لیجئے گا، ہم آپ کا رشتہ وہاں کروا دیں گے۔'' اس نے اپنے بھائی کو اس سے پہلے کبھی اداس نہیں دیکھا تھا، اسے رہ رہ کر شفق پر غصہ آ رہا تھا۔

''اوکے میم!'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فرمانبرداری سے کہا تو وہ ہنس دی۔

''اب آپ جلدی سے فریش ہو کر آجائیں کھانے پر ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ اٹھ کر باہر کی جانب بڑھی، اس کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''لمحوں میں کیا سے کیا ہوگیا، ایسا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا جو ہوگیا۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھا تھا۔

''یہ کہہ دینا، بھول جاؤ اسے بہت آسان ہوتا ہے ماریہ، مگر اس پر عمل کرنا شاید دنیا کا سب سے مشکل کام۔'' وہ اپنی ہتھیلیوں کو سامنے پھیلائے بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔

''دل پر کب کسی کا اختیار ہوا ہے، یادوں کو کون اپنے کنٹرول میں کر سکا ہے، یہ سب بے اختیاری جذبے ہیں، انسان کو بے بس کر کے اس کا تماشہ دیکھتے ہیں۔'' وہ فریش ہو کر آیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

''کتنا بدل دیا تھا تمہاری محبت نے مجھے، سب کچھ بہت نیا اور اچھا اچھا لگنے لگا تھا، یا اللہ! اگر نصیب میں جدائی میں لکھی ہوتی ہے تو پھر تو ہم انسانوں کے دلوں میں محبت جیسا جذبہ ڈالتا ہی کیوں ہے، جب مرضی تیری ہی مانی ہوتی ہے ہم نے، تو پھر محبت کرنے کا اختیار بھی ہم سے واپس لے لے۔'' چند گھنٹوں میں ہی اپنا آپ اسے بہت کمزور اور بیمار محسوس ہونے لگا تھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا شفق شاہ میرے ساتھ، میں نے کیا گناہ کیا تھا جس کی تم نے مجھے یہ سزا دی۔'' وہ چشم تصور میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

''آپ نے کب اچھا کیا میرے ساتھ ارسم آفندی!'' آئینے میں اس کی شبیہ ابھری، وہ دم سادھے کھڑا تھا۔

''میرے شوہر کی نظروں میں مجھے گرایا۔'' وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''شفق!'' اس کے لب بے بس قیدی

پرندے کی مانند پھڑپھڑائے تھے، اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھا کر آئینے پر پھیرا، اس کا عکس غائب ہو گیا۔

''شفق! سنو رکو۔'' وہ تیزی سے مڑا، مگر وہ غائب ہو چکی تھی۔

''تو یہ طے ہوا شفق کہ میں تم کو نہیں بھلا سکتا۔'' وہ سر تھامے وہیں بیٹھ گیا تھا، اس کے چہرے پر شدید اذیت تھی۔

☆☆☆

رات کی سیاہ چادر پر صبح کی دبیز تہہ نے غلبہ پانا شروع کیا تو ان لوگوں نے اپنا سفر پھر شروع کر لیا تھا، ازمیر شاہ نے اسے مخاطب کیا اور نہ ہی اس نے اس سے پھر کوئی بات کی، وہ اس سے مکمل طور پر بدگمان ہو چکی تھی۔

طویل تھکا دینے والے سفر کا اختتام ہونے والا تھا، گاڑی گاؤں کے جانے پہچانے رستوں پر رواں دواں تھی، دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے، شفق شاہ کے ذہن کے کسی گوشے میں دبکی یادیں تازہ ہونے لگی تھیں، ان پگڈنڈیوں اور ان کھیتوں میں بھاگتے دوڑتے اس نے سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھولتے اور گڑیوں کی شادیاں کرتے یہاں زندگی کے کچھ ابتدائی سال گزارے تھے۔

''آپ مجھے کب لینے آئیں گے؟'' اس نے نا چاہتے ہوئے بھی ڈرتے، ڈرتے یہ سوال کر ڈالا تھا۔

''شاید کبھی بھی نہیں۔'' گاڑی شفق شاہ کی حویلی کی طرف مڑ رہی تھی، اس کے الفاظ اس کی سماعتوں پر سیسہ بن کر لگے تھے۔

''آگے کیا کرنا ہے تمہیں، اس کا فیصلہ تم خود کرو گی، میں تم پر دھونس جمانے اور اپنی بات منوانے کے ہر حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی لہجے میں سموتے ہوئے بولا۔

''آج تک میری زندگی کا ہر فیصلہ آپ نے کیا ہے اور مجھے کبھی یہ شک نہیں گزرا کہ آپ نے غلط کیا ہے، آپ کے ساتھ اتنا وقت گزرا، مجھے کبھی آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہوا، مگر جو کچھ اب ہوا میں جانتی ہوں آپ میری کسی بات پر اعتبار نہیں کریں گے......'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''مگر مجھے اب بھی آپ پر اسی طرح اعتبار ہے، اتنا ہی یقین ہے جتنا یہاں سے آپ کی انگلی پکڑ کر نکلتے وقت تھا۔'' اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا تھا، ازمیر شاہ نے قصداً گاڑی کی اسپیڈ کم کر دی تھی۔

''اس لئے میں اپنے متعلق ہر فیصلے کا اختیار آپ کو واپس لوٹاتی ہوں، کیونکہ میرے دل کو ابھی بھی یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ کبھی بھی کچھ غلط نہیں ہونے دیں گے، آپ میرے خیر خواہ ہیں۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ گاڑی سے نیچے اتر گئی تھی، شکستہ قدموں سے چلتی ہوئی وہ گیٹ تک آئی تھی، گیٹ کے قریب پہنچ کر اس نے مڑ کر دیکھا تھا، ازمیر شاہ گاڑی بیک کر رہا تھا، اس کے دل کی حالت عجیب ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

گاڑی تیزی سے دوڑاتا ہوا وہ حویلی کی طرف جا رہا تھا، گارڈ نے گیٹ کھول دیا تھا، وہ گاڑی اندر لے آیا، پورچ میں بابا جان کی جیپ کھڑی تھی، وہ گاڑی وہیں چھوڑ کر باہر نکلا، ایک نظر اٹھا کر اس نے بلند و بالا اور شان سے کھڑی اس حویلی کو دیکھا تھا۔

''پر کاٹ کر پنجرے کا دروازہ کھول دینے سے قیدی پرندے کو اپنی بے بسی کا احساس اور زیادہ ہونے لگتا ہے۔'' ایک اداس سی سرگوشی اس کے کانوں کے قریب ابھری تھی۔

''زوہرہ!'' اس کے دل پر ایک گھونسا پڑا تھا۔

''بی بی جان!'' وہ قدموں کو گھسیٹتا ہوا اندر کی جانب بڑھا، اسے کوئی ذی روح نظر نہ آیا ہر طرف گہرا سناٹا تھا، یہ سہ پہر کا وقت تھا، حویلی کے باغ میں لگے درختوں پر بیٹھا ہوا کوئی کوا کائیں کائیں کرتا تو اس خاموشی میں لمحہ بھر کو ارتعاش پیدا ہوتا۔

اچانک اس کی سامنے نظر پڑی، اس کا پالتو کتا لوسی جانے کس بات پر اداس اور خاموش بیٹھا تھا، اچانک لوسی کی نظر اس پر پڑی تھی، چند ثانیے وہ اسے بغور دیکھتا رہا اور پھر اچانک بھاگتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، ازمیر شاہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا، وہ اس کے پیروں پر اپنا سر رگڑنے لگا۔

''تم نے مجھے پہچان لیا لوسی؟'' وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھ گیا اور اس کے سر پہ پیار کرنے لگا، لوسی کافی دیر اس کے ہاتھ اور پاؤں چاٹ کر اپنی محبت کا اظہار کرتا رہا۔

ازمیر شاہ اٹھ کر اندر آ گیا، بی بی جان کے کمرے میں گیا، وہ وہاں نہیں تھیں، سامنے بیڈ کے پاس ایک چارپائی پڑی تھی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، وہ واپس مڑ گیا، پوری حویلی میں بی بی جان کہیں نہ تھیں، انہیں تلاش کرتا ہوا وہ ہال کی طرف جا رہا تھا جب وہ کچن سے نکلیں، آنکھیں سکوڑ کر وہ اسے بغور دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''ازمیر شاہ!'' ان کے لب ہلے، ازمیر شاہ کا دل رک رک کر چلنے لگا تھا۔

''بی بی جان!'' دونوں کے درمیان تقریباً دس سالوں کی جدائی کا وقت حائل تھا، دونوں ساکت کھڑے تھے، بالآخر ازمیر شاہ آگے بڑھا اور انہیں بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔

''کہاں تھے میرے بچے؟ دیکھ تیری بی بی جان کتنی اکیلی ہو گئیں۔'' وہ سسک اٹھیں۔

''میں آ گیا ہوں بی بی جان۔'' ان کا سر اپنے سینے سے لگائے وہ ان کی پشت سہلا رہا تھا۔

''تو نے بہت دیر کر دی ازمیر شاہ، زوہرہ شاہ چلی گئی، وہ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئی، روٹھ گئی وہ ہم سے، ہمارا چین اور سکون بھی ساتھ ہی لے گئی۔'' وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں اور ان کو سنبھالنے کی کوشش میں ناکام ازمیر شاہ خود پر ضبط کھو بیٹھا تھا، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی ابھی زوہرہ شاہ کی موت کی خبر اس حویلی میں آئی ہو۔

''اس خاندان کے رواج میری بیٹی کو کھا گئے، رسمیں جیت گئیں، میری بیٹی زندگی کی بازی ہار گئی، میرا بیٹا مجھ سے چھن گیا۔'' سعیدہ شاہ کی آہ وزاری سن کر ملازم اکٹھے ہو گئے تھے اور ازمیر شاہ کو سامنے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

''میں آ گیا ہوں بی بی جان۔'' وہ انہیں اسی طرح ساتھ لگائے تخت تک لایا اور انہیں بٹھا کر خود بھی ساتھ بیٹھ گیا۔

''تم دیکھو حویلی کیسے سنسان ہو گئی ہے، اپنے مکینوں کی تباہی و بربادی کی داستان سناتی ہے، جن چھتوں کے نیچے بیٹیوں پر ظلم ڈھائے جاتے ہوں، جہاں بیٹی سے زیادہ اہمیت زمینوں، جائیدادوں، رسموں اور رواجوں کی ہو وہاں ایسے ہی تباہیاں آتی ہیں وہاں فصلیں جلتی ہیں اور گوداموں میں شعلے بھڑک کر کسی کے غرور کو خاک میں ملاتے ہیں۔'' وہ غم سے نڈھال ہو رہی تھیں۔

''بس بی بی جان۔'' ملازموں کو سامنے دیکھ کر اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے اور بی بی

جان کو بھی چپ کروانے کی کوشش کر رہا تھا، اس نے ایک ملازمہ کو اشارہ کیا، وہ پانی کا گلاس لے آئی۔

''لیں پانی پئیں۔'' اس نے گلاس ان کے منہ کو لگایا اور اشارے سے ملازموں کو وہاں سے جانے کو کہا آہستہ آہستہ سب وہاں سے چلے گئے۔

''میری مجبوری اور آزمائش دیکھو جس نے ساری زندگی رلایا، مجھے لمحہ لمحہ تڑپایا، میرے بچوں کو مجھ سے دور کیا، آج میں اسی کی خدمت کرنے پر مجبور ہوں، جو مجھے بے بس کر کے ساری زندگی تماشہ دیکھتا رہا، آج اس کی بے بسی مجھے رلاتی ہے۔'' وہ لب بھینچے خاموش بیٹھا تھا۔

''ملو گے اپنے بابا سے؟'' انہوں نے دوپٹے سے چہرہ صاف کیا۔

''نہیں!'' اس نے سر جھکا لیا اور لب بھینچ لئے۔

''انہیں فالج ہو گیا ہے بائیں سائیڈ پر، چلنے پھرنے سے قاصر ہیں، بستر پر ہی پڑے رہتے ہیں۔'' وہ ایک بار پھر رو دی تھیں۔

''تم نہیں جانتے میں نے تمہاری جدائی میں یہ وقت کیسے گزارا، ہر وقت تمہاری زندگی اور سلامتی کی دعائیں مانگتی تھی۔'' ان کی آنکھیں پھر برسنے لگیں۔

''مجھے معاف کر دیں بی بی جان، میں بہت مجبور ہو گیا تھا، بابا جان جو ظلم کرنا چاہتے تھے، مزید میں ان کا ساتھ نہ دے سکتا تھا، میں جانتا ہوں میں آپ کا مجرم ہوں، جس وقت آپ کو سب سے زیادہ میری ضرورت تھی ایسے وقت میں آپ کو چھوڑ گیا، دراصل میں ایک اور زہرہ شاہ کو قبر میں اترنے سے بچانا چاہتا تھا۔''

اتنے سالوں کے بعد ملے تھے تو باتیں ختم ہی نہ ہو رہی تھیں، بی بی جان نے کئی بار اسے بابا جان سے ملنے کے لئے کہا، مگر ہر بار وہ ٹال جاتا، وہ آج بھی ان سے ملنے کا حوصلہ نہ کر پایا تھا۔

☆☆☆

کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے حویلی میں قدم رکھا تھا، بہت کچھ بدل گیا تھا، یکا یک جیسے منظر بدل گیا تھا، ایک چھوٹی سی بچی ہاتھ میں گڑیا پکڑے گیٹ سے بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی، گڑیا کو پلنگ پر پھینک کر وہ زور زور سے چلانے لگی تھی۔

''اماں مجھے بھوک لگی ہے۔'' منظر بدل گیا تھا اب وہی بچی سرخ جوڑا پہنے روتی ہوئی وہاں سے جا رہی تھی، اگلے منظر میں رات کا وقت تھا جب وہی بچی از میر شاہ کی انگلی تھامے اس حویلی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہی تھی۔

کچھ نہیں چاہیے تجھ سے اے میر عمر رواں
میرا بچپن میرے جگنو میری گڑیا لا دے

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی، اسے عجیب سا خوف اور انجانی خوشی محسوس ہو رہی تھی، وہ اماں اور بابا کے کمرے میں آ گئی تھی، وہ سامنے بیڈ پر یقیناً اماں ہی سو رہی تھیں۔

''اماں!'' وہ ان کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی اور آہستگی سے ان کو آواز دی۔

''اماں!'' وہ ذرا سا کسمسائیں اور پھر آنکھیں کھول دیں، ماہ و سال کی گردش نے اسے ایک معصوم بچی سے ایک جوان لڑکی بنا دیا تھا۔

''گڑیا!'' مگر ان کے لئے وہ آج بھی گڑیا ہی تھی۔

''میری بچی۔'' وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھیں، پھر جیسے ایک دم ہوش میں آئیں اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''اماں!'' وہ ان کے قدموں کے قریب

بیٹھ گئی۔

دونوں گلے لگ گئیں اور خوب روئیں، شام ہونے کو آئی تھی، مگر وہ اماں کی گود میں سر رکھے لیٹی ان سے باتیں کر رہی تھی۔

''بابا کہاں ہیں؟'' اس نے اماں سے پوچھا۔

''وہ شہر گئے ہیں کسی کام سے، چار دن بعد واپس آئیں گے۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

''کتنی خوبصورت ہو گئی ہے میری گڑیا۔'' انہوں نے اس کا گال چوما تو وہ ہنس دی۔

''ازمیر شاہ کیسا ہے؟ تیرے ساتھ تو اچھا ہے نا؟'' انہوں نے فکرمندی سے سوال کیا۔

''اماں وہ بہت اچھے ہیں۔'' دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی، جسے دبا کر وہ بولی، تو اماں کو ڈھیروں طمانیت کا احساس ہوا۔

''میں اس کی احسان مند ہوں، اس نے خاندانی روایات سے ٹکر لے کر تمہیں بچایا، اگر وہ تمہیں یہاں سے نہ لے جاتا تو بہت نقصان ہوتا میرا اور تمہارا، وہ اس خاندان میں رحمت کا کوئی فرشتہ بن کر آیا ہے۔'' وہ خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھی۔

''انہوں نے مجھے سکول میں داخلہ دلوا دیا تھا بہت اچھے سکول میں، وہاں سے فارغ ہوئی تو پھر کالج میں داخل کروایا، اب میرا رزلٹ آئے گا تو مجھے یونیورسٹی بھیج دیں گے، اماں وہ کہتے ہیں مجھے بہت سارا پڑھائیں گے، میں اس خاندان کی باقی لڑکیوں سے مختلف زندگی گزاروں گی، میں کبھی کسی کی محتاج نہیں ہوں گی، نہ ہی کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گی۔'' اس نے انہیں تفصیل بتائی تو وہ خوشی سے نہال ہو گئیں۔

''اللہ پاک ازمیر شاہ کو لمبی زندگی دے، اس نے میرا مان سلامت رکھا، بہت احسان ہے اس کا آگ میں کود گیا تمہاری خاطر، ایسا فرشتہ صفت انسان بھلا اور کوئی ہے ہمارے رشتہ داروں میں۔'' اماں کی باتیں سن کر اسے رونا آنے لگا تھا، وہ کیا جانیں ازمیر شاہ اسے کیا حکم سنا گیا تھا۔

''گڑیا ایک بات تو بتاؤ۔'' وہ اپنے خیالوں میں گم تھی جب اماں نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔

''جی اماں پوچھیں۔''

''تمہارا کوئی بچہ نہیں ہوا؟'' اماں کے سوال پر اس کے ہاتھ پاؤں سن ہو گئے، اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''چلو ابھی تمہاری اتنی عمر بھی نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئیں جبکہ اس کے ذہن کے دریچے میں سوچوں کے نئے در وا کر گئیں، اس نے تو اس نہج پر کبھی نہیں سوچا تھا، کبھی ذہن میں ایسا خیال ہی نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

ازمیر شاہ اپنے بیڈروم میں آ گیا تھا، اس کا کمرہ اسی طرح سلیقے سے موجود تھا جیسے اس کی موجودگی میں ہوا کرتا تھا، اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے، وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

''آہ!'' اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی تھی۔

اس نے اپنا سامان گاڑی میں سے نکالا اور اس میں سے کریم کلر کا کرتا شلوار نکال کر شاور لینے چلا گیا، بہت دیر شاور لینے سے سفر کی تھکان تو کچھ کم محسوس ہونے لگی مگر اعصاب پر بوجھ بڑھ گیا۔

''مجھے اماں کے پاس جانا ہے۔'' سامنے

بیڈ پر گڑیا بیٹھی تھی، وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔
''مجھے اماں کے ہاتھ سے ناشتہ کرنا ہے۔'' وہ معصومیت لہجے میں سموئے ہوئے کچھ خفا خفا سی تھی۔
''میں آپ کو ناشتہ کرواؤں۔'' بھولی بسری یادیں ذہن کی پردہ اسکرین پر ابھرا رہی تھیں، اعصاب کی تھکن اور بڑھنے لگی تھی۔
''اتنا بڑا نوالہ نہیں، میں ابھی چھوٹی ہوں نا۔'' اس کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھر کر فوراً معدوم ہو گئی تھی، وہ سر جھٹک کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
''مجھے بالوں کی پونی بنانی ہے۔'' آنکھیں آنسوؤں سے بھر کر وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی، ازمیر شاہ نے ڈریسنگ ٹیبل پر برش اٹھا لیا اور بالوں میں پھیرنے لگا، اس کی کنپٹیوں کے سفید بال اسے بہت گریس فل بنا رہے تھے۔
''میری فکر مت کریں، میں مطمئن ہوں، مگر آپ گڑیا کا بہت خیال رکھنا، اسے کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے دینا، اس کا بچپن اور اس کی معصومیت کبھی ختم نہ ہونے دینا۔'' زوہرہ شاہ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔
''میں نے کچھ غلط نہیں کیا اس لئے میرا ضمیر مطمئن ہے۔'' گڑیا کی جگہ اب کی بار شفق شاہ اس کے سامنے آئی تھی۔
یادوں کا ایک اژدہام تھا جو اسے گھیرے ہوئے تھا، وہ گھبرا کر بیڈ روم سے باہر نکلا تھا۔
''چائے تیار ہے، آ جاؤ۔'' وہ باہر نکلا تو سامنے ہی بی بی جان کو اپنا منتظر پایا، حویلی کا سناٹا اسے اداس کر رہا تھا۔
چائے کے ساتھ بھی انہوں نے اتنا زیادہ اہتمام کیا ہوا تھا، وہ ان کے پاس بیٹھ گیا اور چائے پینے لگا۔

''ہماری بہو کہاں ہے؟'' بالآخر وہ سوال ان کی نوک زبان پر آ ہی گیا جو کب سے دل میں مچل رہا تھا۔
''اس کو اس کے باپ کے گھر چھوڑ آیا ہوں۔'' اس کے باپ کا نام لیتے ہوئے شدید نفرت کی ہوا اس کے دل میں اٹھی تھی جسے بمشکل دباتے ہوئے وہ بولا اور کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔
''تمہارے باپ اور شفق کے باپ کی دشمنی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ہر وقت کوشاں رہے، اس نے ہمارے گودام میں آگ لگوا دی، کروڑوں کی جنس جل گئی، ادھر تمہارے باپ نے اس کی تمام فصلوں کو جلا ڈالا۔'' وہ تفصیل بتاتی جاتی تھیں اور ازمیر شاہ حیرت سے ان کے منہ کو دیکھ رہا تھا۔
''حد ہوتی ہے جہالت کی۔'' وہ سر جھٹک کر رہ گیا، چائے پی کی وہ وہیں تخت پر بی بی جان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا، وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں، ازمیر شاہ کی آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

اپنے ٹائم کے بعد وہ اماں کے ہاتھ کا کھانا کھا رہی تھی، ایک تو بھوک بہت لگی تھی، پھر اماں کے ہاتھ کی لذت، وہ ایک ایک چیز محبت سے اسے پیش کر رہی تھی۔
''میں آپ کو بہت یاد کرتی تھی اماں۔'' انہوں نے دیکھا وہ کافی بڑی ہو گئی تھی، ساتھ ہی اس کی خوبصورتی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا، وہ بڑی ماڈرن سی اور جدید دور کی لڑکی لگ رہی تھی، اس کے بال لمبے تھے، مگر آگے سے کٹے ہوئے تھے، جدید طرز کا لباس پہنے وہ بہت پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔
''میں تمہیں کب بھولی تھی میری جان۔''

انہوں نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری تھی۔
''ہر وقت تمہارے لئے دعائیں، تم سے ملنے کی آس رہتی تھی، کچھ پتا نہ تھا تم کہاں ہو۔'' وہ افسردگی سے بولیں۔
''اب تو میں آ گئی ہوں آپ کے پاس۔''
اس نے اٹھ کر اپنے بازوان کے گلے میں حمائل کر دیئے، اس کی اس ادا پر انہیں ٹوٹ کر پیار آیا، اسے کھانا کھلانے کے بعد اس کے کمرے میں اسے لے گئیں۔
''میری گڑیا۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھی، اس کے بیڈ پر اس کی گڑیا ابھی تک پڑی ہوئی تھی، بہت سی دھندلی یادیں اس کے ذہن کے تاریک گوشے میں جگمگانے لگی تھیں، دل بہت اداس ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

ارسم آفندی کی کامیابی کی خوشی میں پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا، خاندان بھر کے ساتھ ساتھ سب فرینڈز بھی انوائٹڈ تھے، ارسم آفندی کا نکلتا ہوا قد سیاہ ڈنر سوٹ میں اور بھی نمایاں ہو رہا تھا، صنف نازک کے دل اسے دیکھ کر دھڑک اٹھے تھے، مگر وہ اپنی طبیعت کے برعکس آج خاموش اور سنجیدہ تھا۔
''بھائی اس سے ملیں یہ زویا ہے۔'' وہ سب سے الگ تھلگ، لان کے ایک کونے میں کھڑا تھا جب ماریہ اسے لے کر ارسم آفندی کے پاس آئی تھی۔
''ہیلو!'' زویا نے ہاتھ ہلایا، بلاشبہ وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی، ارسم آفندی کو ماننا پڑا۔
مگر محبت کا تعلق آنکھ سے نہیں دل سے ہوتا ہے اور دل جب ایک بار کسی کے پاس چلا جائے نا تو اس پر وہی منظر، وہی کیفیت اور وقت ٹھہر جاتا ہے، پھر آنکھ کے سامنے جتنا بھی اچھا نظارا ہو دل کو وہ نہیں بھاتا، ایسا ہی معاملہ ارسم آفندی کے ساتھ بھی تھا۔
''السلام علیکم!'' اس نے شائستگی سے سلام کیا۔
''کیسے ہیں آپ؟'' ماریہ نے زویا کی آنکھوں میں ارسم کے لئے پسندیدگی کے رنگ دیکھ لئے تھے۔
''زویا آپی، بھائی...... آپ لوگ باتیں کریں میں آتی ہوں ابھی۔'' ارسم آفندی نے کچھ الجھن آمیز نظروں سے ماریہ کو جاتے دیکھا۔
''فائن۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔
''کیا کرتی ہیں آپ؟'' اس نے مروتاً پوچھ لیا، زویا کھل اٹھی۔
''میں ایم بی اے کر رہی ہوں، سیکنڈ سمسٹر چل رہا ہے۔'' اس نے جھٹ سے جواب دیا۔
''ایکسکیوزمی!'' ارسم آفندی نے موبائل کان کو لگایا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔
''ڈیڈ نے تو کہا تھا ارسم بہت فرینڈلی اور جولی ہے مگر یہ تو......'' وہ اس کی پشت کو گھور کر رہ گئی۔

صرف دل داؤ پر لگایا تھا
آپ نے جان ساتھ لے لی ہے

وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا تھا، اس پارٹی کے حوالے سے کیا کچھ نہ سوچا تھا، اسے لگا تھا سب کچھ آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتا جائے گا، مگر یہ غلط فہمی جلد دور ہو گئی کہ محبت کی راہوں میں ہر قدم پر ایک نئی آزمائش منتظر ہوتی ہے۔

☆☆☆

ازمیر شاہ کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلے نظر اپنے پہلو میں گئی، اپنی اس بے اختیار کیفیت پر وہ خفیف سا مسکرایا تھا۔
''کتنی عادت ہو گئی ہے مجھے تمہاری اور اگر

تمہارا بغیر.....'' اس سے آگے وہ سوچ ہی نہ سکا۔
''مجھے معلوم نہ تھا کہ تمہارے ساتھ کی عادت اتنی جان لیوا ہوگئی۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، چند ثانیے یوں ہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
''وقت کے ہاتھوں کون بچ سکا ہے بھلا۔'' اس نے ہاتھ کنپٹیوں کے سفید بالوں پر ہولے سے پھیرے۔
''کیا مجھے بابا جان سے ملنا چاہیے؟'' وہ کمرے کی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا جو کہ حویلی کے پچھلی جانب کھلتی تھی، چند ثانیے وہ وہیں کھڑا رہا اور پھر فریش ہو کر حویلی سے باہر نکل کھڑا، اس کا رخ قبرستان کی طرف تھا، شام کا وقت تھا گاؤں کے کچے مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا، کسان گھروں کو لوٹ رہے تھے۔
کسی کے ساتھ بیلوں کی جوڑی تھی تو کسی کے ہاتھوں میں کچھ سامان، وہ پیدل چلتا ہوا قبرستان میں داخل ہوا تھا، دل کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔
''زوہرہ شاہ۔'' قبر پر تختی دیکھ کر اس کا دل کٹنے لگا تھا، چاروں جانب سناٹا تھا، چپ کی گہری چادر پورے ماحول پر تنی تھی، ایسا ہی سناٹا اس کے اندر بھی تھا، کیونکہ ایک قبرستان اس کے سینے میں بھی تھا۔
''تم نے اچھا نہیں کیا زوہرہ!'' وہ ڈگمگاتے قدموں سے قبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور قبر کی مٹی کو دونوں ہاتھوں میں بھر لیا۔
''مجھ پر اعتبار تو کر کے دیکھتی میری جان آ کر دیکھو بی بی جان کتنی تنہا ہوگئی ہیں تمہارے جانے سے اور وہ..... وہ جنہوں نے تم پر ظلم کیے آج خود بھی نامراد ہیں، بے بسی کی عبرت کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے کھل کر قبر پر گرنے لگے تھے، وہ ایک دم خوفزدہ ہو کر اٹھا تھا، درختوں پر بیٹھے الو بولنے لگے تھے، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا قبرستان سے باہر نکل گیا اور پھر حویلی میں آ کر ہی دم لیا۔

☆☆☆

وہ اماں کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی جب سامنے سے ارباز شاہ کی گاڑی گیٹ میں سے اندر داخل ہوئی، زرینہ شاہ، کا دل خوف سے کانپنے لگا تھا، انہوں نے خوفزدہ نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔
''اس......لام علیکم!'' وہ قریب آئے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں، شفق بھی ماں کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور آنے والے کو دیکھنے لگی، جبکہ ارباز شاہ لمحہ بھر کو اسے ناسمجھی کے عالم میں دیکھتے رہے۔
''بابا جان۔'' وہ بہت محبت سے ان کی طرف بڑھی تھی، قریب تھا کہ وہ ان کے سینے سے جا لگتی وہ دھاڑے۔
''رک جاؤ لڑکی۔'' اور اس کے ان کی طرف بڑھتے قدم وہیں رک گئے، اس نے مڑ کر اماں کی طرف دیکھا، جن کا دل خشک پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔
''تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے گھر میں قدم رکھنے کی۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے پھنکارے۔
''بابا جان میں آپ کی بیٹی......''
''مر گئی تھی میری بیٹی نو سال پہلے۔'' اسے لگا تھا چھت اس کے سر پر آ گری ہو۔
''جس دن وہ کم بخت زوہرہ شاہ مری، اسی دن تمہاری لاش بھی اس گھر سے نکل گئی، تمام نحوست ایک ساتھ ختم۔'' ان کے لہجے کی حقارت، اجنبی انداز اسے اندر سے مار رہا تھا۔
''جس کے ساتھ رات کی تاریکی میں

بھاگی تھی اسی کے پاس جاؤ، یہاں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' وہ سنگدلی سے بولے تو شفق شاہ بے یقینی سے انہیں دیکھے گئی۔

''آپ نے میری شادی کی تھی ان کے ساتھ، میں بھاگی نہیں تھی۔'' وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔

''ازمیر شاہ مجھے یہاں سے لے کر گئے تھے، کیونکہ ان کے بابا جان مجھے مارنا۔''

''مجھے تمہاری کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' وہ آگے بڑھے اور اس کا بازو پکڑا ''نکل جاؤ میرے گھر سے'' وہ نفرت سے پھنکارے۔

''اماں!'' اس نے مڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔

''رک جاؤ ارباز شاہ۔'' ان کی ٹانگوں نے ان کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا تھا۔

''تم چپ رہو، بے وقوف عورت۔'' وہ شفق شاہ کو بازو سے پکڑ کر زور سے گھسیٹتے ہوئے باہر کی طرف جا رہے تھے۔

''ارباز شاہ میری بیٹی اتنے سالوں کے بعد آئی ہے، ابھی تو میری پیاسی ممتا سیراب بھی نہیں ہوئی، یہ ظلم مت کرو۔'' وہ روتی ہوئیں پیچھے بھاگیں، مگر وہ اسے گیٹ تک لے آئے تھے۔

''بابا جان مجھے یوں گھر سے مت نکالیں، میں آپ کی بیٹی ہوں، آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔'' وہ رو دی تھی، مگر ارباز شاہ کے پتھر دل پر ذرا اثر نہ ہوا۔

''دوبارہ یہاں آئی تو جان سے مار دوں گا۔'' انہوں نے گیٹ کھول کر اسے باہر دھکا دیا۔

''جان سے مار دیں مگر مجھے اپنے پاس رہنے دیں بابا جان، میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، میرا آخری سہارا ہیں آپ، یہ چھت مجھ سے مت چھینیں۔'' وہ گیٹ پر ہاتھ مار مار کر رو رہی تھی، مگر اندر سے کوئی جواب نہ آ رہا تھا۔

تھک ہار کر وہ گیٹ سے پشت لگا کر بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔

''میرا قصور کیا ہے یہ تو بتا دیں بابا جان؟''

وہ مسلسل رو رہی تھی مگر وہاں اسے چپ کروانے والا کوئی نہ تھا، اسے کسی گھنٹے گزر گئے تھے وہاں بیٹھے، شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے، اسے سر چھپانے کی فکر ہوئی، وہ اٹھ کھڑی ہوئی، دور سڑک پر گاڑی جا رہی تھی ''ازمیر شاہ!'' وہ گاڑی یقیناً اسی کی تھی، مگر وہ بہت تیزی سے اس سے دور جا رہی تھی، وہ بے بسی سے اسے خود سے دور جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

ازمیر شاہ اتنے لمبے سفر سے گھر پہنچا تو بہت تھکا ہوا تھا، دل بھی بہت بوجھل تھا۔

وہ سیدھا بیڈ روم میں آیا تھا اور بیگ رکھ کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا، بہت دیر وہ اسی طرح لیٹا رہا، بہت کچھ ذہن میں چل رہا تھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ شفق شاہ!'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے بغیر گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا، تم میری قانونی اور جائز بیوی ہو، تم سے محبت کر بیٹھا یہی میرا جرم تھا نا، تم کیوں مجھ سے اتنی دور چلی گئی۔'' اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''کاش تم میری محبت کو کبھی سمجھ پاتی، کتنی پاکیزہ اور گہری محبت کی ہے میں نے تم سے۔'' اس نے جیب میں سے سگریٹ نکالی اور لائٹر سے اسے شعلہ دکھایا۔

''میں نے تو تم سے کبھی کچھ نہیں مانگا، میں تو صرف تمہیں دیتے رہنا چاہتا تھا کہ محبت کی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ یہ بناء کسی غرض

اور مطلب کے صرف نوازنا جانتی ہے، مگر تم نے کیا کیا؟'' اس نے سگریٹ کا گہرا کش لگایا۔

''اتنے سال بی بی جان میری جدائی میں، زوہرہ شاہ کے دکھ میں تنہا روتی رہیں، اس وقت بھی وہ کتنی بڑی آزمائش سے گزر رہی ہیں۔ مگر میں ان کو تنہا چھوڑ آیا، ایک مرتبہ پھر۔'' وہ ایک کے بعد دوسری سگریٹ جلا رہا تھا۔

''واپس آ جاؤ شفق شاہ! دیکھو تمہارے شاہ جی سموکنگ کر رہے ہیں، آ کر روک لو، ورنہ میں آج مر جاؤں گا، اسی سگریٹ کی طرح جل جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔'' کمرے میں ہر طرف سگریٹ کی بو رچ بس گئی تھی، مگر اسے مطلق پروا نہ تھی، وہ آج خود کو مکمل تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

اس کے موبائل پر کال آ رہی تھی، وہ لاتعلق سا بیٹھا رہا، مگر جب دوسری بار کال آنے لگی تو اس نے دیکھا، انجان نمبر تھا، اس نے موبائل واپس رکھ دیا۔

''مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔'' اس نے موبائل آف کر کے بیڈ پر اچھال دیا، ایک مرتبہ پھر وہ سگریٹ جلا رہا تھا۔

''پتا نہیں اس کے پیرنٹس اس سے کس طرح ملے ہوں گے، اتنے سالوں بعد اسے سامنے دیکھ کر ان کی جانے کیا حالت ہوئی ہو گی۔'' ایک نئی سوچ اس کے ذہن میں ابھری۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ شفق شاہ کچھ ایسا ویسا کہہ دے اور اس کے بابا اسے میرے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیں، پھر بابا جان سے بھی تو ان کی بڑائی ہے۔'' اس بارے تو اس نے سوچا ہی نہ تھا اور اب جو دھیان اس طرف گیا تو دل کو فکر کے ساتھ بے چینی بھی لاحق ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے شہروز احمر شاہ کی حویلی میں قدم رکھا تو اس کے پاؤں سے چلنے سے انکار کر دیا، یہ وہی حویلی تھی جہاں وہ صرف ایک رات گزار پائی تھی اور اگلے روز اسے وہاں سے بھی دھتکار دیا تھا۔

''مجھے نہیں جانا اندر۔'' اس کا دل زور سے چلایا۔

''تو پھر کہاں جاؤ گی؟'' دماغ نے فوراً سمجھانا چاہا۔

''مجھے کہیں بھی نہیں جانا، نا بابا جان کی حویلی میں نہ شہروز شاہ کی حویلی میں روزانہ ازمیر شاہ کے گھر......'' وہ وہاں سے مڑی اور قبرستان کی طرف چل دی۔

''آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' وہ تلاش کرتی ہوئی زوہرہ شاہ کی قبر پر پہنچ گئی اور گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''اگر آپ کا ایسا ارادہ تھا تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتیں، اس دنیا میں رہنا بہت مشکل ہے، اس خاندان کے مردوں کا مقابلہ میں نہیں کر سکتی، میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں، ازمیر شاہ جو میرے سب سے بڑے خیر خواہ تھے وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔'' ہر طرف گہرا سناٹا تھا، رات کا وقت اور وہ تنہا قبرستان میں بیٹھی تھی۔

''شفق شاہ!'' وہ روتے روتے نڈھال ہو چکی تھی، جب اپنا نام سن کر جلدی سے اٹھی۔

''میں بی بی جان، ازمیر شاہ کی ماں۔'' وہ استفہامیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھ رہی تھی جب وہ بولیں۔

''بی بی جان!'' وہ آگے بڑھی اور ان کے گلے لگ گئی۔

''میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں، میرے بابا جان نے مجھے دھکے دے کر حویلی سے نکال دیا، ازمیر شاہ مجھے یہاں چھوڑ کر شہر چلے گئے۔'' وہ روئے جا رہی تھی۔

''کاش میں بھی مر جاؤں۔''

''خدانخواستہ۔'' انہوں نے اسے خود سے الگ کیا اور انگلی اس کے منہ پر رکھ دی۔

''تم اکیلی نہیں ہو، میں ہوں نا تمہارے ساتھ، ازمیر شاہ آفس کے کام کے لئے گیا ہے، جلدی آئے گا، کہہ رہا تھا تم امتحان دے کر فارغ ہو کچھ دن اپنی اماں کے پاس رہ لو۔'' اسے ساتھ لے کر وہ باہر آئیں، مجاور کا شکریہ ادا کیا جس نے انہیں بتایا تھا کہ زوہرہ شاہ کی قبر پر کوئی لڑکی بیٹھی زاروقطار رو رہی تھی۔

قبرستان کے باہر گاڑی میں ڈرائیور ان کا منتظر تھا، وہ اسے سینے سے لگا کر حویلی لائی تھیں، وہ اب کسی اور زوہرہ شاہ کو قبر میں اترتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

☆☆☆

''میں نے تمہیں منع کیا تھا نا کہ وہ لڑکی یہاں قدم بھی نہ رکھے، پھر تم نے اسے کیسے اندر آنے دیا، میری اجازت کے بغیر۔'' زرمینہ شاہ مسلسل آنسو بہا رہی تھیں اور وہ غصے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے۔

''آپ نے اچھا نہیں کیا؟'' وہ پہلی مرتبہ بولیں۔

''اچھا!'' وہ اس کے سامنے آ رکے۔

''اب یہ تم مجھے بتاؤ گی کہ میں کیا اچھا کرتا ہوں اور کیا برا۔'' زرمینہ شاہ کو اس وقت ان کے غصے کی کوئی پرواہ نہ تھی، ذہن میں تھا تو صرف یہ کہ اتنے سالوں بعد بیٹی گھر آئی اور دھکے دے کر نکال دی گئی۔

''بیٹیوں کی آہ بہت بری ہوتی ہے، سب کچھ تباہ کر دیتی ہے، ڈرو اس وقت سے ارباز شاہ جب تمہیں بیٹی کی آہ لگے۔'' ان کی زخمی ماممتا آج بے خوف ہو کر بول رہی تھی، ارباز شاہ لمحہ بھر کو حیران رہ گئے، جو عورت آج تک ان کے سامنے ''چوں'' بھی نہ کر سکی، آج کیسے بول رہی تھی۔

''کیوں بھاگی تھی یہ اس کے بھائی کے ساتھ جس نے میرے نکاح میں آ کر خودکشی کر لی، اتنی نفرت اسے مجھ سے تھی تو میری بیٹی بھی اس کے بھائی کے ساتھ کیوں رہتی۔'' ان کے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی تھی۔

''وہ بھاگی نہیں تھی، اسے تو اس وقت نکاح کے معنی بھی پتا نہ تھے، اسے جو میں نے اور ازمیر شاہ نے کہا، اس نے مان لیا، وہ تو سو رہی تھی جب ازمیر شاہ اسے لینے آیا تھا۔''

''بہر حال! تم دوبارہ اس سے ملنے اور بات کرنے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ تمہیں بھی نکال دوں گا گھر سے۔'' انہوں نے دھمکی دی۔

''نکال دیں، جس گھر میں میری بیٹی کے لئے جگہ نہیں ہے، وہاں رہ کر میں کیا کروں گی۔'' دوبارہ رونے لگی تھیں، ارباز شاہ لب بھینچے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

''مے آئی کم ان سر؟'' وہ فائل پر جھکا ہوا تھا جب ارسم آفندی کو سامنے دیکھ کر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

''یس!'' اپنے جذبات کو قابو کرتے ہوئے، تاثرات کو حتی الامکان نارمل رکھ کر اس نے سر کی ہلکی سی جنبش سے اسے آنے کی اجازت دی تھی، وہ اعتماد سے قدم اٹھاتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''بیٹھو۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا، ارسم آفندی عین اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تھینک یو۔'' دونوں کے درمیان خاموشی حائل ہو گئی تھی اور اس خاموشی کو توڑنے کی دونوں میں ہمت نہ ہو رہی تھی۔

''بعض غلطیاں اتنی سنگین اور بڑی ہوتی ہیں کہ ان کے سامنے سوری کا لفظ بہت چھوٹا لگتا ہے، مگر......'' ازمیر شاہ پیپر ویٹ کو ہاتھ سے گھماتے ہوئے اس کے چہرے کو فوکس کیے ہوئے تھا۔

''یہ پھر بھی بہت ضروری ہوتا ہے کہ اپنی غلطی کی معافی مانگ لی جائے۔'' نہ اس کی زبان لڑکھڑائی اور نہ آواز کپکپائی، اس نے سلیقے سے اپنی بات مکمل کی۔

''میں بہت شرمندہ ہوں، Belive me مجھے یا میری بہن ماریہ کو قطعاً یہ پتا نہیں تھا کہ شفق میرڈ ہے، اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ آپ کی بیوی۔''

''بیوی نہیں۔'' ازمیر شاہ نے اس کی بات ٹوک کر کہا۔

''منکوحہ۔'' ارسم آفندی نے کچھ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''It was just a forced marrige۔'' وہ ابھی حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، جب ازمیر شاہ نے یہ انکشاف کیا۔

''ہمارا نکاح اس وقت ہوا جب اسے نکاح کے معنی بھی معلوم نہ تھے۔'' ازمیر شاہ نے اس کا حیران شکل پر ایک نظر ڈالی اور انٹر کام اٹھالیا۔

''چائے یا کافی؟'' وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں سر! تم مجھے انکل کہہ سکتے ہو، نو پرابلم۔'' زیر لب مسکراتے ہوئے وہ بولا تو ارسم آفندی کو شرمندگی نے آن گھیرا۔

''نہیں، آپ بالکل Young لگتے ہیں اور مجھ سے تو زیادہ ہینڈسم ہیں۔'' وہ شرمندگی چھپاتے ہوئے بولا۔

''ہاہا۔'' ازمیر شاہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''یار میں کوئی عورت تو ہوں نہیں جو تم مجھے Young کہہ کر خوش کر رہے ہو، ویل تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں، ویسے شفق کا تو میں باپ ہی لگتا ہوں۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' ارسم آفندی کو سمجھ نہ آ رہی تھی کیسے اس سے ایکسکیوز کرے۔

''آپ شفق سے خفا مت ہوئیے گا، میرے جذبے یکطرفہ ہیں بخدا وہ قطعی لاعلم تھی اور جب میں نے اس سے بات کی تو......''

''ڈونٹ وری۔'' ازمیر شاہ نے بغور اس کے خفت آمیز چہرے کو دیکھا۔

''میں اسے تم سے بہت زیادہ جانتا ہوں، اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔'' ارسم آفندی جو یہاں آتے ہوئے دل میں ہزاروں سوسے ساتھ لایا تھا وہ سب ازمیر شاہ سے بات کر کے ختم ہو گئے تھے، وہ اس کی فراخدلی پر دل ہی دل میں متاثر ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''شفق کھانا کھا لو۔'' وہ پلیٹ میں چمچ گھما رہی تھی بی بی جان نے اسے پیار سے کہا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے بی بی جان۔'' اس کا دل اماں کے لئے بہت پریشان تھا، اسے فکر تھی کہ اس کے آنے کے بعد بابا جان نے پتا نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔

''کھانے سے منہ ہیں موڑتے تھے۔'' انہوں نے اپنے ہاتھ سے اسے کھانا کھلایا اور وہ بھی اان کی محبت کے سامنے ہار گئی۔

''تم بالکل میری بیٹی کی طرح ہو، خود کو کبھی تنہا نہ سمجھنا۔'' انہوں نے اسے کھانا کھلایا اور اس کے اور ازمیر شاہ کے بیڈ روم میں اسے چھوڑ گئیں۔

وہ اندر داخل ہوئی تو دل میں ایک ٹیس سی

اٹھی تھی۔

''ازمیر شاہ اگر آپ نے بھی مجھے چھوڑ دیا تو میں کہاں جاؤں گی؟'' وہ سہج سہج چلتی ہوئی بیڈ پر آبیٹھی۔

''میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔'' اس کا دل بھرانے لگا تھا، وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔

''اپنی محبتوں اور توجہ کا عادی بناء کر یوں اگنور مت کریں، آپ اتنے ظالم تو نہ تھے، آپ تو میری آنکھ میں ایک آنسو برداشت نہ کرتے تھے، پھر اب ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

اس نے اپنے پہلو میں خالی جگہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ سے کیا رشتہ ہے، مگر اتنا ضرور جانتی ہوں میں آپ کے بغیر کچھ نہیں ہوں۔'' وہ سسک رہی تھی، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے، مگر وہاں کوئی نہ تھا جو اسے چپ کرواتا۔

''اماں!'' جب دل کا درد حد سے بڑھ گیا تو وہ پھر سے اپنی ماں کو پکارنے لگی۔

''اماں میں بہت اکیلی ہوگئی ہوں، میرے پاس آجائیں، مجھے اپنی آغوش میں چھپالیں، دنیا میں کوئی بھی آپ جیسا نہیں ہے، آپ کے جیسی سچی اور خالص محبت مجھ سے کوئی نہیں کرتا۔'' اسے خبر ہی نہ ہوئی روتے روتے اس کی کب آنکھ لگی۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا اچانک اس کی آنکھ کھلی تھی، وہ کروٹ بدلنے لگی تو نظر اپنے سے کچھ فاصلے پر لیٹے ازمیر شاہ پر جا ٹھہری۔

''یہ کب آئے؟'' اسے حیرت ہوئی، رات جب وہ کمرے میں آکر سوئی تھی تب تو وہ نہیں تھا۔

''السلام علیکم!'' ازمیر شاہ پہلے سے جاگ رہا تھا، اسے اٹھتے دیکھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے سرد مہری سے جواب دیا اور اٹھ کر ایزی چیئر پر جا بیٹھی ازمیر شاہ نے خاموشی سے اس کی اس حرکت کو دیکھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگیا۔

''کیا شکایتیں لگائی ہیں بی بی جان کو میری؟'' وہ آنکھیں موندے بیٹھی رہی کوئی جواب نہ دیا۔

''تم سے پوچھ رہا ہوں۔'' اسے پتا ہی نہ چلا کب وہ اٹھ کر اس کے سامنے چیئر پر آبیٹھا اور بغور اس کی سوجی آنکھیں دیکھنے لگا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی سے آپ کی شکایت کروں۔'' اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

''شفق میری ماں بہت دکھی عورت ہے، انہوں نے زندگی میں دکھ ہی دکھ اٹھائے ہیں، جوان بیٹی کی موت نے ان کی کمر توڑ دی ہے، مزید صدمے برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے ان میں، تمہارے اور میرے درمیان جو بھی معاملات ہوں، ان کی خبر کبھی بھی بی بی جان کو نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ آنکھیں پھاڑے غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''دکھوں کا حساب مت کریں ازمیر شاہ!'' وہ بولی تو اس کے لہجے میں چھپا طنز ازمیر شاہ کو صاف محسوس ہوا۔

''آپ کی بہن اس دنیا سے چلی گئی، بہت بڑا غم ہے، آپ کی ماں اس کی قبر پر جاتی ہیں، فاتحہ خوانی کرتی ہیں، پھول ڈالتی صفائی کرواتی ہیں، اتنی اتنی دیر وہاں بیٹھی رہتی ہیں، ایک سہارا تو ہے نا، ایک آسرا تو ہے نا ان کے پاس، کہ یہاں میری بیٹی دفن ہے۔'' اس کا لہجہ بھیگنے لگا

تھا۔

''کبھی میری ماں کی بدنصیبی پر غور کریں جنہوں نے اکلوتی اولاد کو کھو دیا، ان کے پاس تو دل کی تسلی اور آخری آسرے کے طور پر میری قبر بھی نہیں ہے۔''

''خاموش شفق! پلیز چپ ہو جاؤ۔'' وہ زور سے چلایا۔

''آپ کیوں لے کر گئے مجھے یہاں سے، مر جانے دیتے، زوہرہ شاہ کے ساتھ ایک اور قبر بن جاتی تو کون سی قیامت آتی تھی، میری ماں کو رونے کے لئے، دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے سہارا تو ملتا۔'' اس کی بات کے جواب میں وہ کچھ دیر بالکل خاموش رہا۔

''تم فکر مت کرو، میں تمہیں تمہارے بابا کی حویلی لے کر جاؤں گا، ان سے بات کروں گا کہ کسی بھی بات میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔'' شفق کا ٹوٹا ہوا انداز ازمیر شاہ کو بہت پریشان کر رہا تھا بالآخر وہ بولا۔

''مجھے نہیں جانا اب وہاں کبھی بھی۔'' وہ وہاں سے اٹھی اور بیڈ کی پائنتی جا بیٹھی ازمیر شاہ اسے دیکھے گیا۔

''اوکے ریلیکس!'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آبیٹھا اور تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

''بی بی جان نے مجھے کال کی میں پہلی فلائیٹ سے آ گیا۔'' وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی، جبکہ ازمیر شاہ مسلسل اسی کو دیکھ رہا تھا، وہ اب بھی خاموش تھی۔

''آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا، ڈونٹ وری۔'' وہ آگے بڑھا اور اس کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر نرم لہجے میں بولا۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''آپ مجھے یہ چھوٹی تسلیاں دینا بند کریں، مجھے آپ کی ہمدردیوں کی ضرورت نہیں ہے، دیکھ چکی ہوں میں آپ کو بھی۔'' اس نے ایک غصیلی، کاٹ دار نظر اس کی سمت اچھالی تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

''تم ریڈی ہو جاؤ ہم ساڑھے چار کی فلائیٹ سے واپس جا رہے ہیں۔'' اس نے اطلاع دی۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''آپ اگر واقعی میرے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کریں کہ زوہرہ شاہ کی قبر کے ساتھ ایک قبر اور کھدوا دیں اور......''

''شفق!'' ازمیر شاہ یکدم کانپ اٹھا تھا۔

''خاموش ہو جاؤ پلیز۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''اونہہ جانتی ہوں کتنی فکر ہے آپ کو میری۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے سر کو جھٹکا۔

''میری اگر کسی کو پرواہ ہے تو صرف میری ماں کو ہے اور کسی کو نہیں ہے۔'' وہ اٹھی اور بیڈ پر جا لیٹ گئی۔

''یہ غصہ تم اپنے بابا پر کرو تو ٹھیک ہے، مجھے اگر تمہاری پرواہ نہ ہوتی تو بہت سال پہلے تمہیں چھوڑ دیتا۔'' ازمیر شاہ نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''احسان ہے آپ کا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا، لیکن تم مجھ سے بدگمان ہو چکی ہو تو اس لئے میری کسی بات پر یقین نہیں کرو گی، میں جانتا ہوں۔'' وہ شکستہ لہجے میں بولا مگر شفق شاہ پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

''آپ مرد ہیں اور مرد کب ہار مانتے ہیں،

ہر صورت میں الزام عورت پر ہی دھرتے ہیں، اونہہ بدگمان۔''

''کہاں سے سیکھ لی ہیں یہ باتیں تم نے، میں نے تو یہ سب نہیں سکھایا تھا۔'' اس نے کوئی جواب نہ دیا، چار بجے کی فلائٹ سے وہ واپس آ گئے تھے، بی بی جان کے اصرار کے باوجود بھی وہ بابا جان سے نہیں ملا تھا۔

☆☆☆

ازمیر شاہ کچھ دیر بعد ہی آفس چلا گیا تھا، جبکہ وہ سو گئی تھی، دو گھنٹے بعد ہی اس کی واپسی ہو گئی تھی، کچھ دیر بیٹھا وہ اس کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا پھر خود بھی سو گیا، دن کچھ ڈھل رہا تھا، سائے سمٹتے سمٹتے چھوٹے ہونے لگے تھے جب ازمیر شاہ کی آنکھ کھل گئی۔

''شفق؟'' اس نے اسے جگانے کے لئے آواز دی۔

''شفق اٹھ جاؤ، بہت ٹائم سے سو رہی ہو۔'' اس نے شفق شاہ کا بازو ہلا کر اسے جگانا چاہا، اس نے تھوڑا سا کسمسا کر آنکھیں کھول دیں اور ناسمجھی کے عالم میں ازمیر شاہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''فریش ہو جاؤ، صبح سے کچھ نہیں کھایا تم نے، میں کھانا باہر سے لے آتا ہوں۔'' اس نے جواب دینے کی بجائے تکیہ اٹھا کر منہ پر رکھ لیا۔

''بہت سو لیا ہے، چلو اب اچھے بچوں کی طرح اٹھ جاؤ۔'' ازمیر شاہ نے آگے بڑھ کر تکیہ اس لئے منہ سے ہٹایا، انداز ایسا تھا جیسے کوئی ناراضی تھی ہی نہیں۔

''آپ کو بھوک لگی ہے تو کھا لیں کھانا، مجھے جب بھوک لگی میں کھا لوں گی۔'' اس نے دوبارہ تکیہ منہ پر رکھنا چاہا۔

''اتنا زیادہ سونے سے طبیعت خراب ہو جاتی ہے، اب اٹھ جاؤ۔'' وہ بھی اسے بخشنے کے موڈ میں نہ تھا۔

''میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی مگر موڈ ہنوز خراب تھا، زبردستی جگا دینے سے اس کا موڈ کچھ آف ہو گیا تھا، اس کی خفا خفا سی شکل ازمیر شاہ کو بہت پیاری لگ رہی تھی، وہ فریش ہونے چلا گیا۔

واپس آیا تو وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔

''ریڈی ہو جاؤ، کھانا آج باہر کھاتے ہیں۔'' اس نے منٹوں میں پلان بنایا تھا، ادھر سے ابھی بھی کوئی جواب نہ آیا، وہ برش ڈریسنگ ٹیبل پر پھینک کر اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''شفق میں تم سے بات کر رہا ہوں۔'' اس کی مسلسل خاموشی نے ازمیر شاہ کو الجھا دیا تھا۔

''تو مت کریں بات، کون فورس کر رہا ہے؟'' اس کی جانب دیکھے بنا وہ طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

''شفق!'' وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میری کیا غلطی ہے، مجھ سے کیوں اس طرح۔''

''پلیز۔'' وہ زچ ہوئی۔

''فار گاڈ سیک، اب کوئی حساب کتاب مت کھول کر بیٹھ جایئے گا، مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے آپ کی ان باتوں میں۔'' ازمیر شاہ بے یقینی کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ مجھے مزید بے وقوف نہیں بنا سکتے، اچھی طرح جان گئی ہوں آپ کو، آپ میرے بغیر کھانا بھی کھا سکتے ہیں اور مجھے نیچا دکھانے کے لئے میرے سامنے بیٹھ کر سموکنگ بھی کر سکتے ہیں، تو شوق سے کیجئے، میں اب آپ کو منع نہیں

کروں گی۔'' اسے حیرت میں مبتلا چھوڑ کر وہ اٹھ کر باہر نکل گئی، جبکہ ازمیر شاہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہیں بیٹھا رہ گیا۔
''اس قدر بدگمان ہے یہ مجھ سے، مجھے تو اندازہ ہی نہ تھا۔'' وہ سوچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

ارسم آفندی نے پاپا کے ساتھ آفس جانا شروع کر دیا تھا، وہ جتنا خود کو کام میں بزی کرنے کی کوشش کرتا وہ اتنی ہی شدت سے یاد آنے لگتی، لاکھ دل کو سمجھاتا کہ وہ شادی شدہ ہے، اس کی کبھی نہیں ہو سکتی، مگر دل کب دلیلیں مانتا ہے۔
آفس میں بریک ٹائم تھا، وہ گھر آ گیا، لاؤنج میں کافی شور تھا، وہ سیدھا اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھا۔
''ہیلو ارسم!'' یہ زویا تھی، پاپا کے دوست کی بیٹی، ماما اور ماریہ اس سے باتوں میں مشغول تھیں، اسے سامنے دیکھ کر اس نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔
''السلام علیکم!'' اس نے ماما کی طرف دیکھتے ہوئے سلام کیا اور اپنے روم میں آ گیا، ضویا کے ساتھ ساتھ ماما اور ماریہ نے بھی اس کے غیر معمولی سنجیدہ رویے کو محسوس کیا۔
وہ ابھی آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر کال آنا شروع ہو گئی، بیدلی سے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے موبائل نکالا اور کال اٹینڈ کی۔
''کہاں ہو ارسم، میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔'' دوسری طرف پاپا تھے۔
''میں تو گھر آ گیا ہوں پاپا۔'' اسے کچھ شرمندگی ہوئی۔
''کمال کرتے ہو یار، مجھے بتا کر تو جاتے، میں ٹیبل پر چائے رکھ کر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔''

ان کی بات سن کر ارسم کو شرمندگی نے آن گھیرا۔
''سوری پاپا میں ابھی آ جاتا ہوں، دراصل سر میں کچھ درد تھا۔'' اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔
''اٹس او کے بیٹا، آپ ریسٹ کرو، ڈونٹ وری۔'' اس نے موبائل فون آف کر کے سائیڈ پر رکھ دیا، دروازہ ناک ہوا تھا، وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا، آنکھیں بند تھیں۔
''یس۔'' اس کے انداز نشست میں کوئی فرق نہ آیا تھا، ہولے سے بولا۔
''ارسم بیٹا!'' ماما کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ ایک دم سیدھا ہوا تھا۔
''جی ماما!'' اس نے خود کو سنبھال کر فریش لہجے میں کہا۔
''آیئے بیٹھے پلیز۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
''بیٹا ضویا تم سے ملنے آئی ہے۔'' انہوں نے بغور اس کا جائزہ لیا۔
''فار گاڈ سیک ماما!'' اس نے دبا دبا احتجاج کیا۔
''اس معاملے میں مجھے مجبور مت کیجئے گا، ان فیکٹ میں ابھی ایسے کسی چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔'' اس کی پیشانی پر پھیلتی لکیریں ماما کی زیرک نگاہوں سے مخفی تو نہ تھیں، وہ لمحہ بھر کو خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔
''ضویا بہت اچھی لڑکی ہے۔'' ان سے جیسے کوئی بات ہی نہ بن رہی تھی۔
''ہو گی۔'' اس کا موڈ آف ہو رہا تھا، بمشکل ضبط کر کے بولا۔
''مگر فی الحال مجھے اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے، پلیز آپ اس بات کو سمجھیں ماما۔'' وہ بغور اس کو دیکھ رہی تھیں، ایسا تو وہ کبھی نہ تھا،

الجھا، جھنجھلایا اور خفا خفا سا۔

''اوکے، ریلیکس۔'' اس کا شانہ تھپتھپا کر وہ باہر نکل گئیں، وہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھا تھا۔

☆☆☆

کچن سے برتنوں کے کھڑ پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں، ازمیر شاہ وہیں آ گیا وہ شاید کچھ پکا رہی تھی، ازمیر شاہ کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔

''کیا بن رہا ہے؟'' وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا، بازو سینے پر لپیٹے وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''واہ، مٹر پلاؤ۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے بولا، ادھر سے ابھی بھی جواب نہیں آیا تھا۔

''ویسے تم کافی سگھڑ نہیں ہوتی جا رہی؟'' اس کی مسلسل خاموشی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ نہایت دوستانہ انداز میں اس سے محو گفتگو تھا۔

''یہ سارا میری محبت کا اثر ہے۔''

''بس ہر وقت اپنی تعریفیں، اونہہ خوش فہمیاں۔'' اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

''ہاہاہا۔'' ازمیر شاہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

''بائی دا وے یہ تمہارا بنایا ہوا مٹر پلاؤ کھائے گا کون؟ کسے اپنی صحت عزیز نہیں ہے۔'' اسے بولنے پر مجبور کرنے کے لئے وہ ایسی باتیں کر رہا تھا اور کسی حد تک کامیاب بھی تھا۔

''آپ کو تو کھانے کے لئے نہیں کہوں گی۔'' مصروف سے انداز میں وہ جل کر بولی۔

''تو پھر کیا ہمسایوں میں بانٹنا ہے۔'' وہ بات کو طول دے رہا تھا شفق شاہ خاموش رہی۔

''اچھا یہ تو بتا دو کہ اتنی زیادہ خفا کس بات پر ہو؟'' اس کی بات پر شفق شاہ نے دکھ کے عالم میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

''جہاں اپنی ناراضی کی وجہ خود بتانی پڑے، وہاں سامنے موجود شخص کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں ہے کہ اسے معاف کیا جائے۔'' وہ غصے سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''اور میرا نہیں خیال کہ آپ کا حافظہ اتنا کمزور ہے۔'' وہ پلاؤ کو دم پر رکھ کر باہر نکل گئی، وہ بھی اس کے پیچھے آیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم کیوں خفا ہو، صرف ایک بار تصدیق چاہتا تھا۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گئی، ازمیر شاہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

''کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتی، ہم پہلے کی طرح اچھے دوست نہیں بن سکتے؟'' وہ سنجیدگی سے گمبھیر لہجے میں بولا۔

''آپ نے بہت برا کیا ہے میرے ساتھ، مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا، میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ماریہ کا بھائی......'' قصداً بات ادھوری چھوڑ کر وہ سر جھکائے لب کاٹنے لگی تھی۔

''شفق میں جانتا ہوں اس معاملے میں تم مکمل بے قصور ہو، اور یہ بات ذہن نشین کر لو کہ میں نے تم پر کوئی شک نہیں کیا، نہ ہی کوئی ایسی بات کہی ہے۔'' وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

''آپ نے شک نہیں کیا مجھ پر؟'' اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا، اس نے رخ موڑ کر ازمیر شاہ کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ نے نہ صرف مجھ پر شک کیا بلکہ الزام بھی لگایا ہے مجھ پر، بھول گئے ابھی چند دن پہلے کی بات ہے، ہوٹل میں کیا کہا تھا آپ نے، میں مر کر بھی وہ سب نہیں بھول سکتی۔'' ازمیر شاہ خاموش ہو گیا تھا، جیسے اسے یاد آ گیا ہو کہ اس نے کیا کہا تھا۔

''میں اس وقت بہت پریشان تھا شفق، میں شرمندہ ہوں، میں نے جو کہا غلط کہا، تم مجھے

معاف کر دو۔''

''آپ کے معافی مانگ لینے سے میری تکلیف کم نہیں ہوتی نہیں معاف کرسکتی میں آپ کو۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا تھا، وہ بھی خاموش ہوگیا، جیسے جان گیا تھا کہ اس نے کتنا غلط کیا اس کے ساتھ، اب اس طرح معافی مانگ لینے سے اس کے اس درد کا مداوا تو نہیں ہوتا تھا نا، مگر اس کی ناراضی بھی وہ برداشت نہ کر پاتا تھا۔

''آپ چاہتے ہیں آپ کو معاف کردوں، تاکہ آپ کے ضمیر پر اگر کوئی بوجھ ہے تو وہ ہلکا ہو جائے، مگر میرا کیا؟ میں جس آگ میں جل رہی ہوں، اور میرے نصیب میں تو ویسے بھی جلنا اور دربدر ہوتا ہی لکھا ہے۔''

''اگر مجھے معاف نہ کرنے سے تمہاری تکلیف کچھ کم ہوتی ہے تو تم مت کرو مجھے معاف۔'' اس نے کہا تو شفق شاہ نے کوئی جواب نہ دیا، ازمیر شاہ کا جی چاہا اسے حقیقت بتائے، اپنی محبت کی شدت کا احساس دلائے، مگر اس وقت وہ اس سے سخت ناراض تھی، کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی، اس لئے کچھ بھی کہنے کا فائدہ نہ تھا، اس نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆

''ارباز شاہ!'' وہ بہت دیر سے خاموش لیٹی چھت کی کڑیوں کو گھور رہی تھیں، ارباز شاہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا، مگر جواب نہیں دیا۔

''میں نے زندگی بھر آپ سے کچھ نہیں مانگا، آج پہلی بار آپ کے سامنے ہاتھ پھیلا رہی ہوں۔'' وہ نپے تلے انداز میں بات کر رہی تھیں۔

''اتنے سال آپ کی خدمت اور اطاعت کی ہے، اتنا تو کوئی ملازم بھی کرلے تو اس کو بھی خالی مانگ نہیں لوٹایا جاتا۔'' وہ ابھی بھی خاموش تھے۔

''آپ کی بیوی ہمیشہ آپ کی فرمانبردار رہی، سانس بھی آپ سے پوچھ پوچھ کر لیا، کبھی کسی حکم سے انکار نہیں کیا، مگر اب......'' ان کا سانس اٹکنے لگا تھا۔

''میرا دل بغاوت کرنے لگا ہے۔'' ارباز شاہ نے اس کو تیکھی چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔

''بغاوت کی سزا موت ہوتی ہے، جانتی ہو؟'' وہ خاردار لہجے میں بولے تھے۔

''ایک ماں آپ سے التجا کرتی ہے کہ۔''

''بس......!'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا۔

''اس سے آگے ایک لفظ نہیں۔'' وہ دھاڑے۔

''میں نے کہا تھا نا کہ اس گھر میں اس کا نام بھی دوبارہ لیا تو تمہیں بھی نکال دوں گا یہاں سے۔'' وہ سفاکی سے بولے۔

''مجھ میں اور سہنے کی ہمت نہیں ہے، خدا کے لئے بس کردیں۔'' وہ بے بسی سے بولیں، جبکہ ارباز شاہ بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم ہوگئے۔

☆☆☆

دل پہ یکطرفہ عذابوں کو اترتے دیکھا
ہم نے چپ چاپ اسے خود سے بچھڑتے دیکھا

رات کا وقت تھا، چار سو گہرا سناٹا تھا، سب گھر والے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے، ارسم آفندی بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا، دل کی بے چینی رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی، بالآخر وہ ٹیرس پر نکل آیا تاروں بھری رات خوب گہری اور سیاہ تھی۔

''کاش تم اس دن ہمارے گھر نہ آتی شفق۔'' اس کی نظریں آسمان کی وسعتوں پر جمی ہوئی تھیں۔

''محبت بھی کیا چیز ہے، انسان کو کتنا بے بس کردیتی ہے۔'' آسمان پر ستارہ ٹوٹ کر کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوا تو اس کا دل بھی جیسے ٹکڑوں میں بٹنے لگا۔

ہوا کی سرسراہٹ دل کو بری طرح اداس کر رہی تھی، لان میں جا بجا لگے درخت ہل رہے تھے، ہوا اس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔

''اپنے قدم یہیں پر روک لو تو بڑے نقصان سے بچ جاؤ گے۔'' کوئی اس کے اندر بولا تھا، اس کے منہ سے بے اختیار گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

''جو انسان آپ کی محبت کی قدر نہیں کرتا، وہ اس قابل ہرگز نہیں ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔'' ماریہ کی آواز پر وہ لمحہ بھر کو چونکا ضرور مگر اس کے وجود میں جنبش تک نہ ہوئی۔

''وہ اس دنیا کی آخری لڑکی نہیں تھی، اس نے ہزار گنا اچھی لڑکیاں موجود ہیں مجھے تو زویا بہت......''

''فار گاڈ سیک ماریہ!'' اس نے اسے بات بھی مکمل نہ کرنے دی اور چیخ اٹھا اس کے چہرے پر پھیلے اذیت کے اثرات وہ صاف دیکھ سکتی تھی۔

''ارسل بھائی خود کو اس مغرور لڑکی کے لئے مت توڑیں۔'' اس لمحے اسے شفق شاہ سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔

''چاہنے سے زیادہ چاہے جانے کا احساس خوشگوار ہے، کبھی غور کرکے دیکھیں، زویا کی آنکھیں پڑھیں وہاں آپ کی چاہت کے رنگ بہت واضح ہیں۔''

''زویا کو روکو، مت چلے ان راستوں پر، سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں ملتا۔'' اس کے لہجے کا کرب ماریہ سے مخفی نہ تھا۔

''میں روک سکتی تو آپ کو روک لیتی، پتا نہیں انسان کی یہ فطرت کیوں ہے، جس اذیت میں خود مبتلا ہوتا ہے، کسی دوسرے کو بھی انہیں عذابوں میں دیکھ کر بھی رحم نہیں آتا اسے۔'' وہ اس کی بات کا مفہوم اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

''ماریہ مجھے سنبھلنے کے لئے کچھ وقت چاہیے، پلیز تم ماما اور پاپا کو سمجھاؤ ابھی میں زویا یا کسی بھی اور لڑکی کے متعلق کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، تم کسی بھی طرح بات کو سنبھال لو۔'' اس کے التجائیہ انداز پہ ماریہ نے تاسف سے اسے دیکھا اور سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

''شام کو تیار رہنا، آج شاپنگ پر چلتے ہیں اور ساتھ ڈنر بھی باہر کریں گے۔'' ازمیر شاہ آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا، وہ بیڈ پر بیٹھی تھی جب وہ اس کے پاس آکر بولے۔

''مجھے نہیں جانا کہیں۔'' وہ روکھائی سے بولی۔

''تمہارے تو اچھے بھی جائیں گے، آج دیکھتا ہوں تم کیسے نہیں جاتی۔'' وہ لیپ ٹاپ بیگ میں ڈالتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈال کر بولا۔

''اگر آپ نے میرے ساتھ کسی بھی قسم کی زبردستی کی تو میں......'' غصے سے اس کی رگیں تن گئی تھیں۔

''تو تم کیا کرو گی؟'' وہ عین اس کے سامنے آبیٹھا۔

''اتنی ننھی سی چڑیا اور ایسی بڑی بڑی دھمکیاں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا تو شفق شاہ

کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
''جانتی ہوں میں ننھی سی چڑیا اور آپ بہت طاقتور باز ہیں، جو بہت غرور سے اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔'' اس نے بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر طنز سے کہا۔
''اب تک کتنی بار شکار کرتے دیکھا مجھے؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھائی تو وہ سناٹے میں آ گئی اور تیزی سے زاویہ نظر بدلا۔
''مجھے بحث نہیں کرنی آپ سے۔'' جیسے اس نے ہتھیار پھینکے تھے، کیونکہ وہ مقابل کے تیور دیکھ چکی تھی۔
''یہی ایک کام تو بہت لگن سے تم آج کل کر رہی ہو، بیویاں اپنے شوہروں کو دعائیں دے کر گھر سے رخصت کرتی ہیں اور تم طنز کے نشتروں سے سینہ چھلنی کر کے بھیجتی ہو، نا جانے کس جرم کی سزا ہے یہ۔'' اس لہجے میں یکدم اداسی عود کر آئی تھی۔
اللہ حافظ!'' وہ بیگ اٹھا کر اور گاڑی کی چابی لے کر روم سے نکل گیا تھا، شفق شاہ کو اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا۔

☆☆☆

''ماما!'' وہ میگزین دیکھ رہی تھیں جب ماریہ ان کے پاس آ بیٹھی۔
''جی!'' انہوں نے لمحہ بھر کے لئے میگزین سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔
''ایک بات کہوں؟''
''ہوں۔''
''بھائی کی شادی کر دیں۔''
''اسے کوئی لڑکی پسند آئے تو، ہم تو تیار ہیں۔'' انہوں نے میگزین بند کر دیا۔
''ماما بھائی کو ایک لڑکی پسند آئی تھی۔'' اس نے محتاط نظروں سے ارد گرد دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔
''مبادا ارسم سن نہ لے۔''
''واقعی!'' انہیں اچنبھا ہوا۔
''مجھے کیوں نہیں بتایا؟''
''ماما اس نے بھائی سے شادی سے انکار کر دیا۔'' وہ مزید گویا ہوئی۔
''کون ہے وہ لڑکی؟'' وہ متجسس ہوئیں۔
''میری فرینڈ شفق...... شفق شاہ۔'' اس نے انکشاف کیا۔
''اچھا وہ۔'' انہوں نے وہ کو کھینچ کر لمبا کیا۔
''وہ تو مجھے بھی بہت پیاری لگی تھی، مگر وہ خاصی کم عمر ہے۔'' انہوں نے ماریہ کو دیکھا۔
''انکار کیوں کیا اس نے؟'' انہیں حیرت ہوئی تھی۔
''پتا نہیں، میں نے اس سے بات کی، اس نے بہت سختی سے منع کر دیا۔'' وہ اپنے بھائی سے بے پناہ محبت کرتی تھی، یہ سب کرنے کے لئے مجبور ہو گئی تھی۔
''ہو سکتا ہے شرما گئی ہو۔'' انہوں نے خیال ظاہر کیا۔
''مے بی۔'' ماریہ نے بھی کہا۔
''ماما میں چاہتی ہوں آپ لوگ ایک دفعہ اس کے گھر جائیں، اس کے بابا سے بات کر کے دیکھیں، مگر بھائی کو مت بتائیے گا۔''
''اسی لئے ارسل چپ چپ رہنے لگا ہے، تمہارے پاپا بھی کہہ رہے تھے آفس میں بھی بہت سنجیدہ رہتا ہے، پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے میرا بچہ اتنا خوش باش رہتا تھا۔'' وہ پریشان ہو گئیں۔
''ماما آپ چاہیں تو ابھی بھی بھائی کو ان کی ہنسی لوٹا سکتے ہے ہم، بس ان کو بتائے بغیر شفق

کے گھر جائیے گا، اس کے بابا بہت اچھے ہیں، خدا کرے مان جائیں، پھر ہم بھائی کو سرپرائز دیں گے۔'' اس نے پروگرام ترتیب دیا۔

☆☆☆

وہ سارا دن پریشان رہی تھی، شام کو ازمیر شاہ کی کال آئی جو کہ اس نے قصداً ریسیو نہیں کی، مگر دل ہی دل میں وہ ڈر رہی تھی۔

''I am coming, get ready۔'' ازمیر شاہ کا میسج آیا تھا، اس نے کچھ دیر سوچا اور موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر لیٹ گئی اور سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔

پورچ میں گاڑی کی آواز آئی تو اس نے بازو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیا، ازمیر شاہ بیڈ روم میں داخل ہوا تو نظریں اس کے سوئے ہوئے وجود سے الجھ کر رہ گئیں۔

''شفق!'' وہ سیدھا اس کے پاس آیا اور آواز دینے لگا۔

''پہلے تو تم کبھی اس ٹائم نہیں سوئی، اٹھ جاؤ'' اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل پر گئی، اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو بے اختیار مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوگئی۔

''حیرت ہے دس منٹ پہلے تم نے میسج ریڈ کیا، اتنی جلدی اتنی گہری نیند میں کیسے چلی گئی۔'' وہ اس کی چالاکی سمجھ گیا تھا، اس کی آنکھوں سے بازو ہٹایا مگر وہ واقعی سوئی ہوئی لگ رہی تھی۔

''تم جانتی ہو میں اب تم کو سونے نہیں دوں گا، شرافت سے اٹھ جاؤ۔'' اس نے شفق کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔

''کیا مصیبت ہے، اب میں اپنی مرضی سے سو بھی نہیں سکتی۔'' وہ غصے سے کہہ کر اٹھ بیٹھی۔

''مصیبت نہیں، اسے محبت کہتے ہیں۔''

اس پر اس کے غصے کا کوئی اثر نہ ہوا شگفتگی سے گویا ہوا۔

''نہیں چاہیے مجھے ایسی محبت۔'' وہ زچ ہوا۔

''تو پھر کیسی چاہیے! ارسم جیسی؟'' وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''ازمیر!'' اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔

''دوبارہ ایسا کہا تو میں......''

''آپ کا سر پھاڑ دوں گی، اپنی جان دے دوں گی، دس اینڈ دیٹ۔'' استہزائیہ انداز میں کہہ کر مڑا اور کمرے کے بیچوں بیچ جا کر کھڑا ہوگیا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا۔

''تو آج یہ بات کنفرم اور کلیئر ہوگئی کہ تمہیں میری محبت نہیں چاہیے۔'' وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''آپ سے ایسی امید نہ تھی مجھے۔'' اس کی آنکھوں کی سطح پر نمی تیرنے لگی تھی۔

''آپ کب ایک اچھے دوست سے روایتی شوہر بنے، مجھے پتا ہی نہیں چل سکا۔'' اس کی آواز کانپنے لگی تھی۔

''او کے میری بیوی کو میری ضرورت نہیں ہے، وہ میرے ساتھ چلنے میں شاید کوئی کمپلیکس فیل کرتی ہے، یہ بات میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔'' اس کی بھیگی پلکوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اجنبیت کی انتہاؤں پر تھا۔

''پھر کہتی ہو میں شک کرتا ہوں۔''

''مجھے نہیں پتا آپ ایسا کیوں سوچنے لگے ہیں، مگر اس کی وجہ......''

''وجہ جو بھی ہو، I have no interest۔'' گیٹ سے شاید کوئی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی، اس پر ایک سرد نگاہ ڈال کر وہ باہر

نکل گیا تھا، ایک ڈیڑھ منٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔

''ارسم آفندی کے والدین آئے ہیں۔''

شفق شاہ کو ایسا لگا جیسے چھت اس کے اوپر آرہی ہو، وہ ہونق بنی کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے، تم بھی آجاؤ۔'' اسے بتا کر وہ مڑنے لگا، اس کے لب بولنے کی خواہش میں ہلنے لگے، مگر آواز نے ساتھ نہ دیا۔

''مجھے...... کسی سے...... نہیں...... ملنا۔'' اس نے پیشانی کو پونچھتے ہوئے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم ڈرائنگ روم میں آرہی ہو، میں انکار نہیں سنوں گا۔'' حکم صادر کرکے وہ چلتا بنا، مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق وہ خود کو سمجھاتی ہوئی باہر نکلی۔

''دراصل شفق ہمیں بہت پسند ہے، ہم اسے بیٹی بنانا چاہتے ہیں۔'' ارسم آفندی کی ماما بول رہی تھیں، ازمیر شاہ کی نظریں دروازے کی سمت اٹھی تھیں جہاں وہ کھڑی تھی، اس کی رنگت زرد ہورہی تھی۔

''ابھی شفق پڑھ رہی ہے، عمر بھی کم ہے تو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو شفق شاہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا، وہ ایک دم مڑی اور تیزی سے بھاگتی ہوئی اپنے روم میں آگئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی ارسم۔'' اس کے اندر طوفان اٹھ رہے تھے، ازمیر شاہ کی چبھتی نظریں، استہزائیہ انداز، آنے والے وقت میں اس کا سامنا کرنے سے اسے خوف محسوس ہورہا تھا۔

''تم اندر کیوں نہیں آئی، وہ لوگ تمہیں بلا رہے ہیں۔'' اس کی کیفیت سے یکسر انجان وہ اس کے پاس آکر بہت نارمل انداز سے کہہ رہا تھا۔

''پتا نہیں وہ گھٹیا ہے یا آپ میں EGO نام کو نہیں، ایک شخص بار بار آپ کی بیوی کو پرپوز کرتا ہے، بجائے اس کے آپ اس کو سبق سکھائیں سخت جواب دیں آپ خاموش رہتے ہیں، اسے میں کیا سمجھوں؟'' وہ درشتی سے بولا۔

''بہت چاہتا ہے وہ تمہیں، بے حساب محبت کرتا ہے تم سے بالکل ویسی جیسی تم چاہتی ہو۔'' وہ طنز کے نشتر چھوڑ رہا تھا۔

''آپ دور ہوجائیں میری نظروں سے، نفرت محسوس ہورہی ہے مجھے آپ سے، کیا سمجھا تھا آپ کو اور آپ کیا نکلے۔'' وہ نفرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''حیرت ہے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے اور ہاں......'' وہ دروازے کی جانب بڑھتا ہوا مڑا۔

''میری غیرت کو جگانے کی کوشش مت کرنا، ورنہ سب سے زیادہ نقصان تم دونوں کا ہی ہوگا۔'' اپنی بات مکمل کرکے وہ رکا نہیں باہر نکلتا چلا گیا، جبکہ وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

''ارسم!'' وہ آفس سے آیا تو اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا، جب ماما نے اسے آواز دے ڈالی۔

''جی ماما!'' اس کے چہرے پر تھکن کے آثار واضح تھے، ماما اسے دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

''یہاں آؤ میرے پاس۔'' انہوں نے اسے پاس بلایا، وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا ان کے پاس جا بیٹھا۔

''کیا بات ہے، اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟'' ان کی بات پر اس نے چونک کر فوراً ان کی طرف

دیکھا تھا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ماما۔'' وہ نگاہیں چراتے ہوئے بولا۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' وہ اضطراری انداز میں پاؤں سے کارپٹ پر ٹھوکر لگا رہا تھا۔

''کہو۔'' وہ ہمہ تن گوش تھیں۔

''میں پی ایچ ڈی کے لئے انگلینڈ جانے کا سوچ رہا ہوں۔'' اس کی بات سن کر وہ دھک سے رہ گئیں، ایسی تو امید انہیں نہ تھی۔

''فرار کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔'' انہوں نے نپے تلے انداز میں کہا تو وہ مارے استعجاب کے ان کو دیکھ کر رہ گیا۔

''کیا مطلب ماما! میں سمجھا نہیں۔'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''وہ لڑکی تم میں ذرا بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے ارسم، اس کے لئے خود کو برباد مت کرو۔''

''کون لڑکی، کس کی بات کر رہی ہیں آپ ماما؟''

''شفق۔'' انہوں نے پل بھر کا توقف کیا، ارسم آفندی کو لگا چھت اس پر آگری ہو۔

''ہم لوگ اس کے گھر گئے، اس نے اتنی بھی زحمت نہیں کی کہ سامنے آکر سلام ہی کر لے۔''

''ماما!'' ارسم آفندی کو ہزار والٹ کا کرنٹ لگا تھا، وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ کب گئیں اس کے گھر؟'' اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

''میں اور تمہارے پاپا آج گئے تھے اس کے گھر، بہت بے مروت اور بدلحاظ لڑکی ہے وہ، تم اس کا خیال دل سے نکال دو۔''

''مائی گاڈ!'' اس نے سر تھام لیا۔

''آپ ایک دفعہ مجھ سے پوچھ تو لیتیں ماما۔'' مارے ٹینشن کے اس کا برا حال تھا۔

''بس بہت ہو گیا ارسم، میں دوبارہ اس لڑکی کا نام بھی نہیں سننا چاہتی اس گھر میں نہ ہی تمہیں اس بات کی اجازت دوں گی کہ تم اس کی خاطر پردیس کی خاک چھانو۔'' وہ چند ثانیے کھڑا خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا، پھر واپس مڑا اور اپنے بیڈ روم میں آ گیا، اسے ماریہ پر غصہ آ رہا تھا۔

''یقیناً یہ اسی کا کام تھا اور کون بتائے گا ماما کو۔''

☆☆☆

وہ گاؤں میں تھی، اس کی سب سہیلیاں اس کے ساتھ تھیں، رات کا وقت تھا اور وہ سب پنگھٹ پر جمع تھیں۔

''تم کتنی خوبصورت ہو گئی ہو گڑیا۔'' ان میں سے ایک بولی۔

''خوبصورت تو یہ شروع سے ہی تھی اب شہری لگنے لگی ہے۔'' دوسری نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو ٹھیک کہتی ہے۔'' اچانک ہی موسم خراب ہونے لگا تھا۔

''میرا خیال ہے گھر چلنا چاہیے۔'' وہ ان سب کے جھرمٹ میں کچھ اداس سی جا رہی تھی، وہ سب اپنے اپنے گھروں کی طرف چل دیں، جبکہ وہ اپنے دھیان میں چلی جا رہی تھی، بارش برسنے لگی تھی۔

سامنے سڑک پر از میر شاہ کی گاڑی آ رہی تھی، وہ تیز تیز چلنے لگی، اچانک بجلی چمکی اور چمک کر ان کی حویلی پر گری، زور دار دھماکہ ہوا اور آگ بھڑک اٹھی۔

''اماں!'' اس کے منہ سے زور دار چیخ

برآمد ہوئی۔

''اماں!'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا شفق؟'' ازمیر شاہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟'' اس نے جلدی سے لائیٹ آن کی تھی۔

''بہت ڈراؤنا، سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔'' وہ کانپ رہی تھی، رنگت سرسوں کی طرح زرد ہو رہی تھی۔

''ریلیکس! وہ صرف ایک خواب تھا۔'' ازمیر شاہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''مجھے اماں کے پاس جانا ہے، ازمیر میری اماں مجھے بلا رہی ہیں، پلیز۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''اس وقت ہم کیسے جا سکتے ہیں، کل پرسوں چلیں گے، بی بی جان بھی ہمیں یاد کر رہی تھیں، کل فون پر بات ہوئی تھی۔'' اس کے رونے میں روانی آ گئی تھی۔

''میں کل پرسوں تک انتظار نہیں کر سکتی، مجھے ابھی جانا ہے۔'' وہ بہت پریشان تھی اور اسی پریشانی میں وہ بھول گئی تھی کہ وہ ازمیر شاہ سے سخت ناراض تھی۔

''او کے صبح تو ہو جانے دو۔'' اسے روتے ہوئے دیکھ کر وہ ڈسٹرب ہونے لگا تھا۔

''پلیز مجھے لے جائیں اماں کے پاس، میں آپ کا یہ احسان تاعمر یاد رکھوں گی۔'' وہ اس کی منت کرنے لگی تھی، ازمیر شاہ کو اس پر ترس آنے لگا تھا، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی اسے کیسے چپ کروائے، کتنی دکھی ہو گئی تھی وہ، ازمیر شاہ کو اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا، جی چاہا سب کچھ بھلا کر اسے پہلے کی طرح اپنے سائے میں لے لے، اپنی موجودگی ساتھ اور تحفظ کا مان دے کر مضبوط کرے۔

''ٹھیک ہے، ہم کل ضرور جائیں گے، تم ابھی سو جاؤ، میں تم پر دم کر دیتا ہوں، تم دوبارہ نہیں ڈرو گی۔'' اس نے اسے زبردستی لٹا دیا تھا، ازمیر شاہ کا ہاتھ ابھی بھی شفق شاہ کے ہاتھ میں تھا، سوتے ہوئے جب وہ رات کو ڈر جاتی تو ازمیر شاہ کا ہاتھ پکڑ کر سوتی تھی۔

''میری اماں بہت اکیلی ہیں، وہ میرے بغیر کیسے رہتی ہوں گی؟ اتنے سال انہوں نے میرے بغیر کیسے گزارے ہوں گے؟'' وہ ہولے ہولے بول رہی تھی۔

''میں انہیں اپنے ساتھ گھر لے آؤں گی، ٹھیک ہے نا؟'' اس نے تائید طلب نظروں سے ازمیر شاہ کی جانب دیکھا جواب میں اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

''شفق کیا سوچے گی میرے بارے میں کتنا برا ہوں میں۔'' تمام رات ارسم آفندی نے آنکھوں میں کاٹی تھی، اسے کسی پل چین نصیب نہ ہو رہا تھا۔

''اور ازمیر شاہ بھائی کیا سوچیں گے، کتنا جھوٹا اور ڈرامے باز ہوں میں۔'' وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

''کل ہی جا کر معافی مانگوں گا، ساری حقیقت بتاؤں گا۔'' یہ سوچ کر وہ کچھ مطمئن سا ہو گیا تھا۔

''مگر کیا وہ میری بات پر یقین کریں گے؟'' اگلے ہی لمحے ایک نیا سوال اٹھتا اور اسے بے چین کر دیتا۔

''ماریہ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ اپنے روم سے نکلا اور ماریہ کے روم میں آ گیا، وہ سکون سے سو رہی تھی۔

''کبھی میں بھی ایسے سکون اور بے فکری کی نیند سوتا تھا۔'' اس نے رشک سے ماریہ کو دیکھا اور واپس اپنے روم میں آ گیا۔

''کاش شفق تم میرڈ نہ ہوتی، تو میں زمانے سے تمہیں چھین لیتا، مگر......'' اس نے ایک بوجھل حسرت زدہ سانس خارج کی۔

وہ ملے تو کوئی مرض نہیں
نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

وہ لیٹ گیا، مگر یہ تو وہ جانتا تھا نیند اب اس کی آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ سو کر اٹھی تو پہلا خیال ذہن میں رات والے خواب کا آیا۔

''کتنا برا خواب تھا۔'' اس نے جھرجھری لی اور اٹھ کر واش روم چلی گئی، ازمیر شاہ اسے کہیں نظر نہ آیا۔

''او مائی گاڈ! انا للہ وانا علیہ راجعون۔'' ازمیر شاہ نے بہت آہستہ آواز میں کہا۔

''بہت برا ہوا بی بی جان۔'' اس کی آواز باہر نکلتی شفق شاہ کے کانوں سے ٹکرائی تو وہیں دل تھامے کھڑی رہ گئی۔

''میں اسے کیسے بتاؤں؟'' وہ بہت پریشانی کے عالم میں مڑا اور اپنے سامنے شفق شاہ کو دیکھ کر گھبرا سا گیا۔

''بی بی جان میں بعد میں بات کرتا ہوں۔'' اس نے موبائل کان سے ہٹایا اور چلتا ہوا اس کے قریب آ رکا۔

''سب نے ایک دن چلے جانا ہے شفق۔'' اس نے ہمدرد لہجے میں نرمی سے کہا۔

''نہیں!'' وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔

''ایسا کچھ مت کہیے گا جو میں برداشت نہ کر پاؤں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے منع کیا۔

''انسان تقدیر کے سامنے بے بس ہے۔'' اس نے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

''میری اماں چلی گئیں، ازمیر وہ مجھے رات بلا رہی تھیں۔'' وہ خشک پتے کی مانند کانپ رہی تھی، ازمیر شاہ نے اس کا سر تھپتھپایا۔

''وہ نہیں جا سکتیں، وہ مجھے ایسے اکیلے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں۔'' وہ اس سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''اماں!'' وہ بھاگ کر اندر چلی گئی تھی، ازمیر شاہ فوراً اس کے پیچھے آیا تھا۔

''مجھے اماں کے پاس جانا ہے شاہ جی۔'' ازمیر شاہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''ابھی اسی وقت جانا ہے، وہ رات مجھے پکارتی رہیں، وہ مجھے بلا رہی تھیں، میں اپنی ماں کی مجرم ہوں، کیوں لائے تھے مجھے یہاں، ان کے پاس رہنے دیتے، کچھ وقت تو گزار لیتی ان کے ساتھ۔'' وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

''میں خالی ہاتھ رہ گئی، میرے سر سے سایہ ہٹ گیا، میری مہربان ٹھنڈی چھاؤں مجھ سے دور چلی گئی، ابھی تو ہم نے جی بھر کر باتیں بھی نہ کی تھیں۔'' وہ زور زور سے کھانسنے لگی تھی، ازمیر شاہ جلدی سے پانی لے آیا۔

''میں کیسے زندہ رہوں گی شاہ جی، آج تک ان سے ملنے کی امید پر زندہ تھی، میرے جینے کا مقصد ختم ہو گیا، مجھے بھی ان کے ساتھ دفن ہونا ہے۔'' اس نے اسے رونے دیا تھا، اس طرح اس کے دکھ کا کچھ کتھارسس ہو جاتا۔

☆☆☆

ارسل معمول سے کچھ پہلے گھر سے نکلا تھا، اس کا ارادہ شفق شاہ کے گھر جا کر ان دونوں کو

حقیقت بتانے کا تھا۔

''ارسل ناشتہ تو کرتے جاؤ۔'' اسے باہر کی جانب بڑھتا دیکھ کر ماما نے پکارا۔

''بھوک نہیں ہے ماما۔'' وہ ان کی طرف دیکھے بنا باہر نکل گیا۔

''کیا ہو گیا ہے اس لڑکے کو، میں اسے ایسا بے وقوف نہیں سمجھتی تھی۔'' پاپا اور ماریہ میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

ارسل کافی تیز ڈرائیونگ کر کے ان کے گھر پہنچا تھا، مگر یہ کیا، گیٹ پر لگا تالہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

''مائی گاڈ!'' اس نے سر اسٹیئرنگ وہیل پر ٹکا دیا۔

''کہاں چلے گئے یہ لوگ، کہیں ازمیر شاہ نے......'' اس سے آگے وہ سوچ ہی نہ سکا۔

''نہیں نہیں وہ ایسے نہیں ہیں، پھر کہاں جا سکتے ہیں؟'' وہ کچھ دیر خاموشی سے وہیں بیٹھا رہا۔

''کاش شفق تم ابھی اندر سے نکلو اور مجھ سے ہنستے ہوئے کہو کہ یہ سب ایک ڈراؤنا خواب تھا، میں تو ہمیشہ سے تمہاری تھی اور تمہاری رہوں گی۔'' اپنے خیال پر وہ خود ہی ہنس دیا۔

''واہ رے دل خوش فہم۔'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آفس آ گیا۔

''ارسم میرے آفس میں آنا۔'' ابھی وہ آفس میں داخل ہوا ہی تھا کہ اسے پاپا کی کال آ گئی، وہ سیدھا ان کے پاس گیا۔

''السلام علیکم!'' اس نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹھو۔'' انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا۔

''تم پی ایچ ڈی کرنا چاہتے ہو؟'' انہوں نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے سیدھے الفاظ میں کہہ دیا۔

''جی پاپا!'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بہت اچھا خیال ہے، میں خود یہی چاہتا ہوں۔'' اسے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی ہوئی تھی، وہ تو سمجھ رہا تھا اسے ڈانٹ پڑے گی مگر پاپا نے ہمیشہ کی طرح اس کا مان رکھا وہ مطمئن سا وہاں سے اٹھا تھا۔

☆☆☆

ازمیر شاہ کی ہمراہی میں چلتی ہوئی وہ حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی، سارا راستہ وہ روتی رہی تھی اور ازمیر شاہ نے بھی اسے چپ نہیں کروایا تھا، وہ چاہتا تھا اس کے حویلی پہنچنے سے پہلے اندر کا غبار اور دکھ کچھ حد تک آنسوؤں کے راستے اندر سے نکل جائے۔

''رک جاؤ یہیں پر۔'' حویلی کے وسیع و عریض صحن میں چارپائی پڑی تھی، گاؤں کی عورتوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، مگر زرینہ شاہ کے لئے آنسو بہاتے کوئی دکھائی نہ دیا۔

''بابا!'' انہیں سامنے دیکھ کر اس کے بے چین آنسو پھر سے مچل کر گالوں پر بہہ نکلے تھے۔

''منع کیا تھا نا کہ یہاں نہیں آنا، کیوں آئی ہو؟'' ازمیر شاہ کو اسی استقبال کی امید تھی، اس نے تاسف سے ارباز شاہ کے سفاک روپ کو دیکھا۔

''میری اماں!'' اس کا جی چاہا ان کے سینے پر سر رکھ کر خوب روئے، الفاظ کہیں گم ہو گئے تھے، وہ بس ان کی طرف دیکھے گئی۔

''مر گئی وہ زہر کھا لیا اس نے، قصہ ختم، اب نکلو یہاں سے۔'' انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر گیٹ کی طرف دھکیلا۔

''چھوڑ دو اس کا ہاتھ۔'' ازمیر شاہ نے آگے

بڑھ کر اس کا ہاتھ ارباز شاہ کی گرفت سے آزار کروایا۔
''چلے جاؤ اسے یہاں سے کر، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔
''اس کی ماں ہے، آخری دیدار تو کر لینے دو ظالم انسان۔'' ازمیر شاہ کو طیش آیا، کہے بنا نہ رہ سکا۔
''اگلے ایک منٹ میں باہر نہ نکلے تو گولی مروا دوں گا دونوں کو، ساجد۔'' اس نے اپنے خاص بندے کو آواز دی۔
''جی سرکار!'' وہ لمحوں میں حاضر ہو گیا، ہاتھ میں بندوق تھی، صحن لوگوں سے بھرا ہوا، شور یکا یک تھم گیا، ہر کوئی حیرت سے انگلیاں دانتوں میں دبائے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔
''یہ دونوں ایک منٹ میں باہر نہ نکلیں تو گولی مار کے لاشیں باہر پھینکوا دینا۔'' حکم صادر کر کے وہ باہر نکل گیا، حویلی میں اس وقت سناٹا چھایا ہوا تھا۔
''خدا کے لئے مجھے آخری بار ان کا منہ دیکھنے دو، میں کب سے بچھڑی ہوئی ہوں ان سے، مجھ پر یہ ظلم نہ کرو، وہ ہمیشہ کے لئے جا رہی ہیں۔'' وہ ساجد کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔
''دیکھو لڑکی میرے لئے ناممکن ہے، تم جاؤ باہر۔'' درشتی سے بولا۔
''مجھے اماں کو دیکھنا ہے، مارنا ہے تو مار دو۔'' وہ صحن میں اس طرف بڑھی جدھر چارپائی پڑی تھی، ساجد نے بندوق سیدھی کی۔
''شفق رک جاؤ۔'' ازمیر شاہ نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑا اور تیزی سے باہر کی جانب بڑھا۔
''مجھے یہاں سے کہیں نہیں جانا، مجھے پہلے بھی یہاں سے دھکے دے کر نکالا گیا تھا میں آج تک پچھتاتی رہی ہوں کہ اماں کو چھوڑ کر کیوں گئی، یہیں ان کے پاس مر جاتی، آج مجھے مت لے کر جائیں۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی، مگر کامیاب نہ ہو سکی، ازمیر شاہ نے حویلی کال کر دی تھی، ڈرائیور پہنچ گیا تھا۔
''تمہیں کچھ ہوا تو تمہاری اماں کو قبر میں بھی تکلیف ہوگی، چلو شاباش گاڑی میں بیٹھو۔'' اس نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور اسے ہاتھ پکڑ کر اندر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گیا۔
''شفق!'' بی بی گیٹ پر ہی ان کی منتظر تھیں، وہ ڈگمگاتے قدموں سے ازمیر شاہ کی بانہوں کے حلقے میں چلتی ہوئی ان کی جانب بڑھی۔
''بی بی جان!'' اس کا تنفس تیز ہونے لگا، بی بی جان نے بازو پھیلا دیئے۔
''اماں!'' وہ ان کے سینے سے جا لگی اور دھاڑیں مار کر رونے لگی، بی بی جان بھی رو رہی تھیں۔
''ارے ازمیر شاہ دیکھنا اسے کیا ہو گیا۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا، وہ اس کے ہاتھوں میں جھول کر رہ گئی۔

☆☆☆

انہیں ایک ہفتہ ہو گیا تھا وہاں آئے ہوئے، شفق شاہ کی طبیعت بہت مشکل سے سنبھلی تھی، وہ بار بار رونے لگتی تھی، بی بی جان اس سے بہت پیار کرتیں اس کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں، مگر وہ خاموش ہی رہتی، وہ دونوں اسے بلانے کی بہت کوشش کرتے مگر وہ ''ہوں'' ''ہاں'' سے زیادہ جواب نہ دیتی۔
''شفق!'' وہ لوگ سونے کے لئے لیٹے تھے، جب ازمیر شاہ نے اسے پکارا۔
''جی!'' وہ اس کی طرف سے رخ بدلے

لیٹی ہوئی تھی، ہولے سے جواب دیا، جانے کس سوچ میں تھی۔

''کہیے، میں سن رہی ہوں۔'' وہ اسی طرح لیٹی رہی۔

''ایسے نہیں، میری طرف دیکھو۔'' وہ اپنی ضد پر قائم رہا، اس نے بھی بحث کرنی چھوڑ دی تھی، رخ بدل کر منہ اس کی طرف کرلیا، بولی کچھ نہیں۔

''ہم واپس گھر چلیں؟'' وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولا، مبادا وہ برا مان جائے۔

''جیسے آپ کی مرضی۔'' اس کے منہ سے سسکاری نکلی۔

''اگر تم ابھی نہیں جانا چاہتی تو کچھ دن رہ لو یہاں بی بی جان کے ساتھ تمہارا دل بہل جائے گا، وہاں میں آفس چلا جاؤں گا تو تم گھر پر اکیلی گھبراؤ گی۔'' ازمیر شاہ نے نرمی سے کہا۔

''میرا دل نہ یہاں بہلے گا، نہ وہاں اور میں پہلے بھی اکیلی تھی، بلکہ میں تو ہمیشہ سے اکیلی ہوں۔'' اس کی بات پر وہ خاموش ہو گیا تھا، بعض دکھ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ الفاظ کا مداوا نہیں کر پاتے، انسان کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ کیا بولے۔

شام تک وہ لوگ واپس جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔

''ازمیر!'' جانے سے پہلے وہ بی بی جان سے ملنے لگا تو وہ ملتجی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''بی بی جان جو کام میرے لئے ممکن نہیں ہے وہ کرنے کو مجھے مت کہیں۔'' وہ ان کے کہے بنا ہی سمجھ گیا تھا وہ کیا کہنا چاہ رہی ہیں، اسی لئے ان کو پہلے ہی روک دیا۔

''ان کی حالت تو دیکھو، جانے کب چل دیں۔'' وہ رونے لگی تھیں۔

''بی بی جان فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے، اللہ حافظ۔'' شفق شاہ ان سے مل کر ازمیر شاہ کے ساتھ چلتی ہوئی گاڑی میں جا بیٹھی، ڈرائیور نے ان کے بیٹھتے ہی گاڑی چلا دی۔

☆☆☆

''آپ مجھ سے ناراض ہیں ارسم بھائی؟''

وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے آفس کا کام کر رہا تھا جب ماریہ اس کے روم میں آئی، اس نے پل بھر کے لئے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور دوبارہ کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''نہیں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''میں جانتی ہوں آپ ناراض ہیں مجھ سے، بٹ بلیومی میرا کوئی غلط مقصد تو نہیں تھا، میں نے سوچا تھا کہ شفق سے آپ کا رشتہ طے ہو جائے گا تو آپ خوش ہوں گے، میں تو آپ کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔'' وہ اپنے بھائی کو بہت چاہتی تھی، اس کی ناراضی اس کی برداشت سے باہر تھی۔

''تمہیں مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا ماما کو بتانے سے پہلے۔''

''مجھ سے غلطی ہو گئی، آئے ایم سوری۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''اٹس اوکے، ڈونٹ وری میں ناراض نہیں ہوں تم سے۔'' اس نے ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''آپ کہیں نہیں جائیں گے، ماما اتنی پریشان ہیں، میں کیسے رہوں گی آپ کے بغیر۔''

''ماریہ میری خواہش ہے پی ایچ ڈی کروں، پلیز تم لوگ مجھے سپورٹ کرو، نہ کہ ایسے کہہ کر پریشان۔'' اس نے پیار سے اسے سمجھانا چاہا، مگر وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

''یہ سب آپ اس شفق.....''

''ماریہ!'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

''بہتر ہوگا اگر ہم دوبارہ اس کے بارے میں بات نہ کریں۔'' ماریہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

''آئے ایم سوری بھائی۔'' وہ خجل ہوئی۔

''بہت دنوں سے ہم باہر نہیں گئے، کیا خیال ہے کوئی پروگرام بنائیں؟'' ارسل بہت پریشان تھا، مگر یہ پریشانی وہ اب ماریہ سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ ہر روز شفق شاہ کے گھر جاتا اور بند گیٹ کو دیکھ کر واپس آ جاتا۔

''ہاں بناتے ہیں پروگرام، جب تم کہو لے جاؤں گا۔'' اس نے فوراً کہا۔

''تھینک یو بھائی!'' وہ خوش خوش باہر نکل گئی، ارسل آفندی نے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆

وقت جتنا بھی گہرا گھاؤ لگائے، مگر انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے، صبر نہ کرے تو خود بخود صبر آ جاتا ہے، وہ بھی کچھ سنبھل گئی تھی، مگر ایک خلیج تھی جو ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔

اس کا رزلٹ آ گیا تھا اور ہر کلاس کی طرح اس نے اب بھی بہت اچھے مارکس لئے تھے، ازمیر شاہ آفس سے جلدی آ گیا تھا اور ساتھ میں کافی کچھ کھانے کو لایا تھا۔

''آگے کیا کرنے کا پلان ہے شفق؟'' وہ دونوں چائے پی رہے تھے، لان میں ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے گلاب کے پودے کو فوکس کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔''

''مجھے مزید نہیں پڑھنا۔'' اس کی بات پر وہ خاموشی سے اسے دیکھتا گیا۔

اسے ایسی امید اس سے ہرگز نہ تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ بہت سارا پڑھنا چاہتی تھی، آگے بڑھنا چاہتی تھی۔

''تمہیں تو بہت سارا پڑھنا تھا شفق! پھر اب ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟'' وہ اسے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ مسلسل انکاری تھی، ازمیر شاہ خاموش ہو گیا۔

گیٹ کھلا تھا اور ارسل آفندی اندر آ گیا، شفق شاہ کی اس پر نظر پڑی تھی۔

''تم!'' وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی، ازمیر شاہ کی گیٹ کی طرف بیک سائیڈ تھی، اس نے مڑ کر دیکھا۔

''اوہ!'' وہ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''شفق ریلیکس۔'' وہ اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھنا چاہتا تھا، مگر اس کے بگڑتے تیور اسے پریشان کرنے لگے۔

''السلام علیکم!'' وہ ان کے قریب پہنچا اور سلام کیا۔

''ذلیل انسان، تمہیں شرم نہیں آتی۔'' اس نے آگے بڑھ کر ارسل آفندی کا گریبان پکڑ لیا۔

''شفق ڈونٹ بی سلی۔'' ازمیر شاہ نے آگے بڑھ کر اسے چھڑوانا چاہا۔

''آپ ہٹ جائیں، مجھے آج بات کرنے دیں اس سے۔'' ارسل آفندی کا دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا، وہ مجرموں کی طرح خاموش کھڑا تھا۔

''بہت برداشت کر لیا میں نے، اب اگر میرے گھر کا گیٹ کراس کیا تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔'' وہ غیض و غضب کا شکار ہو کر بولی تھی۔

''آپ جو چاہے کہیں، آپ حق بجانب ہیں، مگر صرف ایک مرتبہ میری بات......''

''کچھ نہیں سننا مجھے، آپ کو شرم آنی چاہیے مجھے سمجھ نہیں آتی کس بات کا بدلہ لے رہے ہیں، میں نے کیا غلطی کی ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا تھا۔

''بلیومی مجھے تو......''

''بس کریں کتنے جھوٹ بولیں گے، میں آج آخری بار کہہ رہی ہوں دوبارہ کچھ ایسا ہوا تو نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔'' وہ اپنی بات مکمل کرکے رکی نہیں اور تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

جبکہ وہ حسرت زدہ نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتا رہا، اس لمحے ازمیر شاہ کو ادراک ہوا کہ وہ اسے کتنا چاہتا ہے، اس کے چہرے کا رنگ ایسا ہو رہا تھا جیسے بستر مرگ پر آخری سانسیں لیتے مریض کا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' ازمیر شاہ نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ جیسے ہوش کی دنیا میں آیا۔

''میرا یقین کریں ماما مجھے بتائے بغیر یہاں آئیں تھیں، اگر مجھے پتا ہوتا تو......''

''ڈونٹ وری، میں جانتا ہوں تم ایک اچھے لڑکے ہو۔'' اس کو ہاتھ سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے وہ بولا تھا، وہ نگاہیں جھکا گیا۔

''کتنا چاہتے ہو اسے؟'' وہ اس کے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا تو اس نے تیزی سے سر اوپر اٹھایا۔

''پلیز مجھے معاف کردیں، میں جانتا ہوں آپ میرا یقین نہیں کریں گے مگر......'' وہ ایک مرتبہ پھر نگاہ جھکا گیا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے وہ بھی تمہیں چاہتی ہے، مگر اس راز کو سینے میں چھپا کر رکھا ہوا ہے اس نے۔'' وہ بے یقینی سے ازمیر شاہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا، جیسے اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو، یا پھر وہ کوئی خواب دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں بجھتی زندگی کی شمع کو ازمیر شاہ نے پھر سے جگمگاتے دیکھا تھا، مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''وہ ایسی نہیں ہے، آپ ان پر شک مت کریں۔'' اس کی بات پر ازمیر شاہ زیر لب مسکرا دیا۔

''وہ کیسی ہے، یہ تم مجھے مت بتاؤ، میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں، ہزبینڈ کے علاوہ میرا اس سے ہر رشتہ ہے۔'' ارسل آفندی کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''میں آپ سے کس طرح معافی مانگوں؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے، تم کل میرے آفس آنا، مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔'' ارسل آفندی نے اثبات میں سر ہلایا، کچھ دیر وہ وہیں بیٹھا رہا اور پھر چلا گیا، ازمیر شاہ اٹھ کر اندر آ گیا، جہاں شفق شاہ بگڑے موڈ کے ساتھ بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''س......عی......دہ......'' شہروز احمر شاہ کو پیاس لگی ہوئی تھی، سعیدہ شاہ کافی دیر سے نظر نہ آ رہی تھیں، زبان نے بھی کافی عرصے سے ساتھ چھوڑ دیا تھا، بے بسی کی حالت میں بستر پر لیٹے وہ اپنے ماضی کی فلم کو ذہن کے پردے پر دیکھ رہے تھے۔

''کتنے ظلم کیے میں نے، ساری زندگی کوئی ایک نیکی کا کام نہیں کیا۔'' ان کا تنفس تیز ہونے لگا تھا۔

''کیا مجھے معافی ملے گی؟'' ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے، اسی وقت سعیدہ شاہ

کمرے میں داخل ہوئیں۔

''شاہ صاحب کیا ہوا؟'' وہ تیزی سے ان کے قریب آئی تھیں۔

''آپ رو رہے ہیں؟'' انہیں روتا دیکھ کر ان کا دل کٹنے لگا تھا، وہ جان گئی تھیں یہ آنسو ندامت اور پچھتاوے کے ہیں، ان جیسے پتھر کو اس طرح پگھلتا دیکھ کر ان کے دل کی حالت بھی غیر ہونے لگی تھی۔

جب کوئی پودا ٹوٹتا ہے تو کوئی متوجہ نہیں ہوتا، مگر جب کوئی بہت بڑا درخت گرتا ہے تو بہت زیادہ شور پیدا ہوتا ہے، چھوٹے سے بلبل کی موت اتنا حیران نہیں کرتی جتنا کسی عقاب کو مردہ دیکھ کر انسان لحہ بھر کو رک کر دیکھتا ہے۔

شہروز احمر شاہ، جیسے پتھر دل اور ظالم انسان کی اس حالت پر بھی سعیدہ شاہ دن رات کڑھتی تھیں، مگر وقت اور تقدیر کے فیصلوں کے سامنے انسان بے بس ہے، ایک وقت انسان کے ظلم کرنے کا ہوتا ہے تو دوسرا اس کا خمیازہ بھگتنے کا۔

☆☆☆

وہ نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی، ازمیر شاہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا ایک فائل دیکھ رہا تھا، مگر اس کا دھیان مسلسل اسی کی طرف تھا۔

وہ بہت یکسوئی سے بیٹھی تھی، اسے بالکل اندازہ نہ تھا کہ ازمیر شاہ کی نظریں بار بار اس کے چہرے کا طواف کر رہی ہیں۔

''کاش تم صرف میری ہوتی۔'' اس کے دل میں عجیب سا درد ہونے لگا تھا، اتنا وقت دونوں ساتھ گزار چکے تھے مگر آج سود و زیاں کا حساب کرنے بیٹھا تو اس کے نصیب میں صرف خسارہ ہی خسارہ تھا۔

''کاش کچھ ایسا ہو جائے کہ تمہیں خوشیاں بھی ملیں، تم آسودہ بھی رہو، اور مجھ سے دور بھی نہ جاؤ۔'' نا جانے وہ دعاؤں میں کیا مانگ رہی تھی، وہ بس اسے دیکھے گیا۔

''کیا مانگ رہی تھی؟'' وہ آکر بیٹھی تو ازمیر شاہ نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''یہ میرا اور اللہ کا پرسنل معاملہ ہے، آپ کو کیوں بتاؤں؟'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر لیٹ گئی۔

''کافی پیئو گی؟ میں بنا لاؤں؟'' ازمیر شاہ کو اس وقت کمرے میں موجود خاموشی سے وحشت ہو رہی تھی، وہ آج اس سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتا تھا، مگر اس کا ایسا کوئی موڈ دکھائی نہ دیتا تھا۔

''مجھے نیند آئی ہے، سونے دیں۔'' وہ اجنبیت لہجے میں سموئے ہوئے بولی، ازمیر شاہ اس کی پشت کو گھورا کر رہ گیا۔

''شفق میرا تم سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔'' وہ جیسے اس کی منت کر رہا تھا، پتا نہیں وہ کہنا کیا چاہتا تھا شفق شاہ سمجھ نہ پائی۔

''میرا کسی سے بات کرنے کا موڈ نہیں ہے، میرے پاس بات کرنے کو کچھ نہیں ہے، آپ جائیں اسی سے باتیں کریں جس سے اس دن لان میں بیٹھ کر میٹنگ کرتے رہے ہیں۔''

''گھر آئے مہمان کو دھکا نہیں دے سکتا میں۔''

''تو پھر مجھ سے بات مت کریں۔''

''تم کیا چاہتی ہو، بتا سکتی ہو؟'' اس نے استفسار کیا۔

''صرف سونا چاہتی ہوں۔'' اس کے بد لحاظی سے کہنے پر ازمیر شاہ چپ ہو کر رہ گیا۔

تم اپنی شرطوں پہ کھیل کھیل
میں جیسے چاہوں لگاؤں بازی
اگر میں جیتا تو تم ہو میری اگر میں ہارا
تو میں تمہارا.........

تمہارا عاشق، تمہارا مخلص
تمہارا ساتھی، تمہارا اپنا
رہا نہ ان میں سے کوئی دنیا میں جب تمہارا
تو میں تمہارا.........
تمہارا ہونے کے فیصلے کو
میں اپنی قسمت پہ چھوڑتا ہوں
اگر مقدر کا کوئی ٹوٹا کبھی ستارہ
تو میں تمہارا.........
یہ کس پہ تعویذ کر رہی ہو
یہ کس کو پانے کے ہیں وظیفے؟
تمام چھوڑو بس ایک کر لو جو استخارہ
تو میں تمہارا.........

تمام رات ازمیر شاہ نے اذیت میں جلتے ہوئے گزاری تھی، مگر وہ سکون سے سوتی رہی تھی۔

☆☆☆

''دیکھو ارسم آفندی میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہا ہوں، لیکن اگر تم نے کسی قسم کا بھی دھوکہ دیا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔'' وہ آہستہ آواز میں اس سے بات کر رہا تھا۔

''آپ مجھ پر یقین کریں، میں کبھی بھی شفق کو دھوکہ نہیں دوں گا، میں اس سے بے پناہ محبت کرتا ہوں، آپ جانتے ہیں نا؟'' وہ اس سے بھی آہستہ آواز میں بول رہا تھا، شفق شاہ کو بخار تھا اور وہ دوا کھا کر سو رہی تھی، ارسم آفندی اور ازمیر شاہ مل کر اس کی قسمت کا فیصلہ کر رہے تھے، وہ مکمل طور پر بے خبر تھی۔

''ہاں جانتا ہوں، اسی لئے یہ اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے۔'' ان دونوں کو خبر نہ ہوئی کب شفق شاہ جاگی اور ازمیر شاہ کو ڈھونڈتی ہوئی ڈرائنگ روم کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی اور اوٹ میں ہو کر ان کی باتیں سننے لگی۔

''بہت خواہش اور کوشش کے باوجود میں اسے ہر دکھ سے نہیں بچا سکا، پچھلے کچھ عرصے سے اسے بے در پے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، وہ اس وقت بری طرح ٹوٹی ہوئی ہے، اسے کسی اپنے کی ضرورت ہے، تم اس کو اپنی محبت کا یقین دلاؤ، وکیل سے بات ہوئی تھی آج، طلاق کے کاغذات تیار ہیں۔''

''طلاق۔'' اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ساتوں آسمان اس پر آ گرے ہوں۔

''میں نے یہ گھر شفق کے نام کر دیا ہے، طلاق کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا، میں نے ایک بہت با اعتماد میڈ کا انتظام کر لیا ہے، وہ شفق کے پاس رہے گی اور......'' اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آ رہا تھا، وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

''تم اس کا خیال رکھنا آتے جاتے رہنا، ایسے وقت میں جب وہ مجھ سے نفرت محسوس کر رہی ہوگی، تمہارا ایک ایک لفظ اس کے زخموں پر مرہم کا کام دے گا اور......'' اس کی برداشت جواب دینے لگی تھی، وہ زور سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئی تھی۔

''واہ خوب...... بہت خوب۔'' اس نے طنز سے کہتے ہوئے تالی بجائی، ان دونوں کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، ازمیر شاہ کے چہرے پر تو گویا ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

''طبیعت کیسی ہے تمہاری؟'' بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''بھاڑ میں جائے میری طبیعت۔'' اس نے اس کا ہاتھ نفرت سے جھٹکا تھا، ازمیر شاہ کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ان کی ساری باتیں سن چکی ہے۔

''کب اٹھی، تم؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے

پوچھا۔

''اسی وقت جب آپ خدا بنے بیٹھے تھے اور میری قسمت کا فیصلہ کر رہے تھے۔'' اس نے طنز سے کہا تو ازمیر شاہ بھونچکا رہ گیا، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کہے، اس صورتحال کی تو اسے توقع ہی نہ تھی۔

''دیکھو شفق تم میری بات سنو۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسے کے شانوں پر رکھے۔

''آپ کے پاس مجھے سنانے کو کیا واقعی ابھی بھی کچھ ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''کہاں ہیں ڈائیورس پیپرز دکھائیں مجھے، مگر یاد رکھنا ازمیر شاہ یہ آپ کی طرف سے اور اس خاندان کے سفاک مردوں کی طرف سے آخری کڑوا گھونٹ ہوگا، آپ کو کیا لگتا ہے میں اتنی گئی گزری ہوں آپ سے ڈائیورس لے کر آپ کے گھر میں رہوں گی، پھر آپ اپنی مرضی سے میرا ہاتھ کسی کے بھی ہاتھ میں تھما دیں گے اور میں مان لوں گی۔'' اس کی دائیں آنکھ سے ایک بے بس آنسو نکلا تھا۔

''دیکھو شفق بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔'' ازمیر شاہ نے اس کا آنسو پونچھنا چاہا تو وہ اس سے دور ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔

''اب ہی تو اصل بات سمجھی ہوں میں، غلطی میری ہے، میں کیوں بھول گئی کہ آپ اسی خاندان سے ہیں نا جو اپنی عورتوں پر زبردستی اپنے ظالمانہ فیصلے مسلط کرتے ہیں۔'' دکھ سے اس کا سینہ پھٹ رہا تھا۔

''تم نے خود ہی مجھے یہ حق دیا تھا نا کہ تمہارے لئے ہر طرح کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے مجھے، تو مجھے جو ٹھیک لگا میں نے......''

''آپ بھول گئے میں نے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ ابھی بھی مجھے یقین ہے آپ میرے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دیں گے، ازمیر شاہ، آپ نے مجھے بہت دکھی کیا، میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ میرے ساتھ ایسا کریں گے، اپنے باپ، سسر، اس شخص اور آپ میں سے سب سے زیادہ مجھے آپ نے دکھ دیا، مجھے کسی پر اتنا اعتبار نہ تھا جتنا آپ پر تھا، کسی پر ایسا مان نہ تھا۔'' وہ رو رہی تھی، ازمیر شاہ اور ارسل آفندی کھڑے تھے، منٹوں میں ساری بازی پلٹ گئی تھی۔

ارسل آفندی منزل کے قریب آتے آتے ایک مرتبہ پھر دھتکار دیا گیا، آج اسے پتا چلا کہ وہ تو سرابوں کے پیچھے دوڑ تا رہا ہے۔

''شفق یہ بے قصور ہیں۔'' ارسل نے اس لمحے ازمیر شاہ کی محبت پر غور کیا تو اپنا آپ اسے انتہائی خود غرض لگا، وہ بہت شرمندہ تھا۔

''آپ کا شکریہ، آپ نے ان کے ارادے اور اصلیت کو بے نقاب کیا، ورنہ میں ہمیشہ یوں ہی خوش فہمیوں کے سمندر میں غوطہ زن رہتی۔'' وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل گئی، ارسل آفندی اور ازمیر شاہ اسے جاتا دیکھتے رہے۔

''آپ نے بہت برا کیا ازمیر بھائی!'' ارسل آفندی نے اسے مخاطب کیا، تو وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

''میرا کیا قصور تھا، یہی نا کہ آپ کی بیوی سے محبت کر بیٹھا، آپ نے اچھی سزا دی مجھے۔''

''میری نیت پر شک مت کرو، میں نے ایک ٹوٹی ہوئی لڑکی کو مزید ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کی، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' شفق شاہ کی ناراضی اور ساتھ میں ارسل آفندی کی شکوہ کناں نظروں نے اسے بہت پریشان کیا تھا۔

''آپ کے اس کھیل میں سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا ہے۔''

''میں نے کوئی کھیل نہیں کھیلا ارسل، ہم مرد ہیں سب کچھ ہینڈل کر سکتے ہیں، جلد بھلا بھی دیتے ہیں، مگر ایک لڑکی اگر ٹوٹ کر بکھر جائے تو اس کا سنبھلنا بہت مشکل ہوتا ہے، میں اسے بچانا چاہتا تھا، پھر بھی تم ہرٹ ہوئے، اس کے لئے مجھے معاف کر دینا۔''

''مرد مضبوط ہوتا ہے، ہر بات سہہ جانے کا فن جانتا ہے، مگر کبھی مرد ٹوٹ جائے نا تو اس کی کرچیاں اس طرح بکھرتی ہیں کہ کوئی سمیٹ نہیں سکتا، عورت سے کوئی بھی ہمدردی اور محبت جتا کر اسے سمیٹ سکتا ہے، مگر مرد جس عورت کے لئے تڑپتا اور ٹوٹتا ہے اس کے سوا اسے کوئی نہیں سمیٹ سکتا اور میں ٹوٹ کر بکھر گیا ہوں، سمیٹنے والا بھی کوئی نہیں۔'' شدت جذبات سے اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

''ارسل!'' ازمیر شاہ دو قدم آگے آیا تھا۔

''چلتا ہوں، اللہ حافظ۔'' اس کی مزید کوئی بھی بات سنے بغیر وہ باہر نکل گیا تھا، ازمیر شاہ پتھر کا بت بنا وہیں کھڑا رہ گیا۔

وہ بیڈ روم میں آیا تو اندھیرا چھایا ہوا تھا، اس نے لائٹس آن کیں، وہ صوفے پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، ازمیر شاہ کو پچھتاؤں نے آن گھیرا، اسے اپنی جلد بازی اور حماقت پر افسوس ہونے لگا تھا، اس کی محبت میں اٹھایا گیا اس کا قدم اس کے لئے سنگین ثابت ہوا۔

''شفق!'' اس نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا، وہ تیر کی سی تیزی سے سیدھی ہوئی تھی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، آنکھوں میں ڈھیروں شکوے تھے۔

''شاہ جی میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی، مجھے ڈائیورس مت دیجئے گا، میں آپ سے محبت کرتی ہوں، صرف اور صرف آپ سے مجھے ارسل یا کسی بھی اور شخص میں کوئی دلچسپی نہیں ہے میرا سب کچھ صرف اور صرف آپ ہیں۔'' اس کے شانے پر سر رکھے وہ رونے لگی تھی، ازمیر شاہ کے لئے اس کا یہ رویہ غیر متوقع تھا، اس نے کچھ مطمئن ہو کر اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا۔

''مجھے یہاں سے کہیں مت بھیجئے گا، میں مر جاؤں گی۔'' اس کے آنسو ازمیر شاہ کی شرٹ بھگو رہے تھے، اس نے اسے چپ نہیں کروایا، کافی دیر رونے سے اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا تو ازمیر شاہ نے ایک طویل سانس خارج کی، جیسے اپنی صفائی دینے کے لئے الفاظ تلاش کر رہا ہو۔

''میں بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں، بے پناہ بے حساب، اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی، تمہیں اپنے ساتھ ہمدردی میں لایا تھا، زہرہ شاہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تھا، مگر مجھے علم ہی نہ ہوا کہ کب اور کیسے مجھے تم سے محبت ہو گئی، میری محبت بے غرض تھی گڑیا!'' آج اتنے عرصے بعد اس کے منہ سے ''گڑیا'' سن کر اس کے بے چین دل کو گویا قرار ملا تھا۔

''میری محبت میں اپنے لئے کچھ کرنے یا سوچنے کی گنجائش نہ تھی، میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا تھا، مجھے لگتا تھا تمہیں پڑھا لکھا کر میں ایک کامیاب انسان بناؤں گا، میں ہمیشہ تمہاری خوشی اور کامیابی پر تمہارے ساتھ خوش ہوا ہوں، تمہارے دکھوں نے مجھے بہت بے چین کیا ہے، جو کچھ تم نے آج دیکھا درحقیقت یہ میری محبت تھی، مجھے ارسل کو دیکھ کر یہ احساس ہونے لگا تھا کہ میرا اور تمہارا ایج ڈفرنس بہت زیادہ ہے، تم میرے ساتھ کبھی بھی اس طرح خوش نہیں رہ پاؤ گی جس طرح کہ.....'' دانستہ اس نے بات

ادھوری چھوڑ دی، وہ ابھی بھی اس کے شانے سے سر ٹکائے آنسو بہا رہی تھی۔

''میں نے یہ سب تمہاری محبت میں کیا گڑیا۔''

''میں نے آپ سے کہا تھا نا مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے آپ کی محبت آپ سمیت چاہیے آپ کو یہ بات سمجھ کیوں نہیں آتی۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''اگر میں آپ کی باتیں نہ سنتی تو آپ تو مجھے......'' اس سے آگے اس سے بولا ہی نہ گیا۔

''مجھے معاف کر دو گڑیا!'' اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے، شفق شاہ نے جھٹ سے اس کے ہاتھ پکڑ کر کھول دیئے۔

''ایسے معافی نہیں ملے گی۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''تو پھر کیسے ملے گی؟'' وہ پریشان ہوا۔

''آپ وعدہ کریں دوبارہ ایسا کبھی نہیں سوچیں گے، آپ بہت اچھے ہیں، ڈیسنٹ ہیں، اتنے کیئرنگ ہیں اور بالفرض ان میں سے کچھ بھی نہ ہوتے، آپ کے ساتھ رہنے کے لئے ایک حوالہ ہی کافی تھا کہ آپ میرے شوہر ہیں۔'' وہ اپنی باتوں سے اسے حیران کر رہی تھی، ازمیر شاہ کا خیال تھا کہ وہ اس سے خوب لڑے گی، ناراض ہوگی، مگر اس نے تو اسے فوراً معاف کر دیا، آج اسے پتا چلا تھا کہ وہ اسے کتنا چاہتی ہے۔

''میں وعدہ کرتا ہوں دوبارہ یہ غلطی نہیں کروں گا۔'' اس نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور اس...... ارسل آفندی سے کبھی نہیں ملیں گے۔'' اس نے دل کی بات کہہ دی۔

''نہیں ملوں گا، ویسے اس کی کال آئی تھی، پرسوں کی فلائٹ سے انگلینڈ جا رہا ہے اسٹڈی کے لئے، تم فکر مت کرو، میں اب اس سے بات نہیں کروں گا۔'' شفق شاہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔

''چائے پیو گی؟'' اس نے شفق شاہ کی سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں اور آپ بنائیں گے۔'' وہ اس کے ساتھ اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی۔

''اب تم آگے ایڈمیشن لینے کا بھی Decide کر لو، کیونکہ ٹائم کم ہے۔'' وہ کچن میں اس کے پاس کھڑی تھی، شفق شاہ کو طمانیت کا احساس ہوا تھا، وہ تو ہمیشہ کی طرح تھا بہت نرم مزاج، دوستانہ اور پیاری فطرت کا مالک، وہ جو یہ سمجھنے لگی تھی کہ وہ اس پر ارسل آفندی کے حوالے سے شک کرنے لگا ہے تو آج یہ پھانس بھی نکل گئی تھی، دراصل وہ اسے خود سے بدگمان کرنے کی کوشش میں تھا، مگر ازمیر شاہ کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی تھی کہ محبت میں بدگمانیاں آ بھی جائیں تو محبت ختم نہیں ہوتی۔

دونوں کے دل شکستہ ضرور ہوئے تھے، مگر انہیں یقین تھا کہ آبلہ پائی کا یہ سفر ختم ہو گیا ہے اور محبت کرنے والے کبھی شکستہ پا نہیں ہوتے۔

☆☆☆

عشق سفر کی دھول

عرشیہ راجپوت

لاہور ائیرپورٹ پر جم غفیر کا عالم تھا، چاروں جانب شور وغل مچا ہوا تھا، کوئی اپنوں کو چھوڑنے آیا تھا تو آبدیدہ تھا اور کوئی لینے آیا تھا تو بات بہ بات مسکرائے جارہا تھا، ملنے اور بچھڑنے کے یہ جذباتی مناظر بیک وقت دیکھنے والی آنکھوں میں ہنسی بھی بکھیر دیتے ہیں اور افسردگی بھی، دوبئی سے آنے والی فلائٹ لینڈ کرچکی تھی اور باہر ریسیو کرنے والوں کا تانتا بندھا تھا، ایسے میں وہ ایک ہاتھ سے ٹرالی گھسیٹتی اور دوسرے ہاتھ سے میسج ٹائپ کرتی سپاٹ چہرے کے ساتھ ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ گئی، دیکھنے والی نگاہوں نے دور تک اس کرلی بالوں والی لڑکی کا پیچھا کیا تھا، جس کے گھنگھریالے بال اس کے آگے قدم بڑھانے پر اوپر نیچے حرکت کررہے تھے۔

ائرپورٹ کی بلڈنگ سے باہر پارکنگ ایریا میں کار سے ٹیک لگائے کھڑا سعاد اسے دیکھ کر مسکرایا، جواباً اس نے بھی اک نرم سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی، سامان ڈکی میں رکھ کر سعاد ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھا تو وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی فون پر بات کررہی تھی۔

''یس ماما میں پاکستان پہنچ چکی ہوں اور اب کار میں بیٹھ کر آپ سے بات کررہی ہوں۔'' وہ ایک پل کو رک کر دوسری طرف کی بات سننے لگی اور پھر قدرے جھنجھلا کر بولی۔

''افوہ ماما سعاد بالکل ٹائم پر پہنچ گیا تھا، آپ پلیز ٹینشن مت لیا کریں۔'' اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوئی اور پھر اختتامی کلمات ادا کرکے اس نے فون بند کردیا، سعاد مسلسل زیر لب مسکرارہا تھا۔

''ماما بھی نا اس طرح ٹریٹ کرتی ہیں جیسے میں کوئی بالکل چھوٹی سی بچی ہوں۔'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوائزی ہوکر سیٹ پر بیٹھ گئی، لاہور

مکمل ناول

سے سیالکوٹ تک کا سفر کافی زیادہ تھا اور اس سے آگے گاؤں تک کا فاصلہ مزید تھا، اس نے بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں کہ ابھی بہت سفر تھا۔

☆☆☆

شام کا اندھیرا ہر سو پھیل چکا تھا، رات کی کالی چادر ہر چیز کو آہستہ آہستہ تاریک کرتی جا رہی تھی، وہ اس وقت اپنی ریڈیڈینس میں اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کر رہا تھا، بالوں کو مخصوص اسٹائل میں سیٹ کر کے اس نے برش سنگھار میز پر رکھا اور پرفیوم کی بوتل اٹھالی، اس کے بالکل پیچھے بیڈ پر تکیہ کے بل نیم دراز فرزام کی آنکھوں کی معنی خیزی بڑھتی جا رہی تھی، وہ کبھی ابرو اچکا کر اس کی تیاری کو دیکھتا اور کبھی ایک آدھ جملہ اس کی طرف اچھال دیتا مگر اس کی طرف سے ہنوز بے نیازی برقرار تھی، سرحان نے دل کھول کر پرفیوم خود پر چھڑکا تو فرزام کی برداشت کی حد ہی ہوگئی۔

''بتا دے میرے یار یہ بجلیاں کس پر گرنے والی ہیں، کون ہے جسے فتح کرنے کے لئے یوں کیل کانٹوں سے لیس ہو کر جا رہے ہو؟'' فرزام کا تجسس بلندیوں کو چھو رہا تھا، مگر دوسری طرف تو ایسا لگتا تھا جیسے خود کو کمرے میں بالکل تنہا محسوس کیا جا رہا ہو، جی بھر کر پرفیوم کی بوتل خالی کرنے کے بعد اس نے ایک بھرپور نظر سے اپنا جائزہ لیا اور کلائی پر گھڑی باندھنے لگا۔

''دیکھ سرحان میرے اب تک کے ایک سو بیس افیئرز تیرے پاس ناموں سمیت رجسٹرڈ ہیں، بتا کوئی ایسا افیئر جو میں نے تجھ سے چھپا کر چلایا ہو اور اب تو میرے ساتھ ایسا کر رہا ہے، مجھے ہوا تک نہیں لگنے دے رہا۔'' چہرے پر حد درجہ معصومیت اور غمگین تاثرات سجا کر وہ دل گرفتگی سے بولا، مگر دوسری طرف کوئی اثر نہ ہوتے دیکھ کر اس کی دل گرفتگی میں اضافہ ہوا۔

''دیکھ سرحان ہم بچپن کے دوست ہیں، دکھ سکھ کے ساتھی ہیں اور اب تو میرے ساتھ ایسا کر رہا ہے، اتنا بڑا کام مجھ سے چھپا کر، چل شکل نہ دکھا نام ہی بتا دے، میرا دل تو نہ توڑ۔'' اب بس فرزام کے رونے کی کسر باقی رہ گئی تھی، سرحان نے رک کر ایک نظر اسے دیکھا۔

''کمینہ غضب کی اداکاری کرتا ہے۔'' دل ہی دل میں اسے سراہتا وہ بوٹوں کے تسمے بند کرنے لگا، پھر شرٹ کے کف موڑتے ہوئے اس نے آئینے میں خود پر ایک تفصیلی نظر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا، اپنے پیچھے اسے فرزام کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

''جا بچوں جا مگر واپسی میں جب تو ناکام عاشق بن کر لوٹے گا تو گود میری ہی تلاش کرے گا، آنسو بہانے کے لئے۔'' سرحان نے بمشکل اپنے قہقہے کو دبایا، وہ اس وقت اس کی کسی بونگی کو خاطر میں نہیں لا سکتا تھا، وہ لاؤنج عبور کر کے تیز قدموں کے ساتھ چلتا پورچ کی طرف بڑھا، کار کے پاس موجود باوردی ملازم نے اسے سلیوٹ پیش کیا، سرحان نے سر کو خم دے کر جواب دیا اور گاڑی میں بیٹھ کر اسے بیرونی دروازے سے باہر نکال لے گیا، اس کے سینئرز نے اس وقت ایک پرائیویٹ میٹنگ ایمرجنسی میں کال کی تھی، جہاں وقت پر پہنچنے کے لئے یہ بے نیازی ضروری تھی جو اس وقت وہ فرزام کے ساتھ برت رہا تھا اور کچھ اسے وعدہ خلافی کی سزا دینا بھی مقصود تھا۔

☆☆☆

رات کا پہلا پہر اختتام کی طرف گامزن تھا، گاؤں میں لوڈشیڈنگ کے طویل دورانیے کے باعث بجلی کو بند ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے، اکا

دکا گھروں کے بلب یو پی ایس کی وجہ سے روشن تھے، دور سے ہی وہ تین منزلہ لمبی راہداریوں والی کوٹھی پورے طمطراق کے ساتھ روشن کھڑی تھی، جوں جوں کار کوٹھی سے قریب ہوتی جا رہی تھی جنریٹر کی بھدی آواز کانوں کے پردوں تک پہنچ کر بدمزہ کر رہی تھی، کار کوٹھی کے کالے اور سنہری دروازے سے اندر داخل ہوئی مشائم بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، کار رکتے ہی وہ بیلٹ کھول کر ہینڈ بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی، کوٹھی کے دائیں طرف بنے دو منزلہ مکان سے بامشکل نظر ہٹا کر وہ سعاد کی ہمراہی میں لاؤنج کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی، لاؤنج میں دادی سمیت سبھی اس کے استقبال کے لئے موجود تھے اور یہ وہ بہت اچھی طرح سے جانتی تھی کہ ان میں پرجوش کون کون تھا اور مجبور کون کون، وہ سب کو نظر انداز کر کے دادی کو سلام کر کے ان کی استقبال کے لئے وا بازوؤں میں سمٹ سی گئی، بڑے تایا اور چھوٹے چچا اور ان کی بیویوں اور آل اولاد سے باری باری ملنے کے بعد وہ دادی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی، دادی کی باتوں پر وہ مسکرائی بھی اور خوشدلی سے جواب بھی دیئے مگر اس کے چہرے سے واضح ہوتی تھکن سے اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہیں تھا کہ وہ کتنی تھک چکی تھی اور نہ ہی اس نے چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس کی، کہ مروت کے مارے ہی وہ بیٹھی رہتی، شاید اسی بات کا اندازہ بڑی تائی کو ہو گیا تھا۔

''اماں باقی باتیں اب کل کر لیجیے گا، مشائم تھک گئی ہے اسے اب آرام کرنے دیں، جاؤ حاویہ بیٹا مشائم کو اس کے کمرے تک چھوڑ آؤ۔'' دادی سے مخاطب ہونے کے ساتھ ہی انہوں نے رخ روشن اپنی بیٹی کی طرف کیا، جو سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''نہیں تائی میں خود چلی جاؤں گی، حاویہ پلیز۔'' نرمی سے تائی کو منع کرنے کے بعد وہ بیگ اٹھا کر سیڑھیاں چڑھنے لگی، بغیر دادی کو اور باقی سب کو شب بخیر بولے، شاید اس کی مروت کی حد اتنی تھی یا بے زاری نے ذرا تیزی سے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا کہ وہ دنیا داری کے لئے ہی دو منٹ رکنے پر خود کو مجبور نہیں کر سکی، اس کے وہاں سے جاتے ہی چھوٹے چچا کی بیٹی عاشیہ نے نخوت سے سر جھٹکا، وہ اس کی بے زاری سے اچھی طرح آگاہ تھی اور اس کی طرح باقی سب بھی، اس کا بس چلتا تو وہ اس کوٹھی میں آتی ہی نہ سیدھی کوٹھی کے ساتھ بنے مکان میں گھس جاتی اور پھر وہاں سے نکلتی ہی نہ، مگر کیا کرتی کہ حکم عدولی وہ کتنی بھی کر لیتی اتنی اجازت اسے پھر بھی نہ ملتی، وہ چاہے اپنے باپ کی بہت لاڈلی اولاد سہی مگر اس کا باپ اپنی ماں کی بات سنتا بھی تھا اور مانتا بھی۔

☆☆☆

اس کی واپسی رات بہت دیر سے ہوئی تھی، کمرے میں جانے کے بجائے وہ لاؤنج میں پڑے صوفے پر ہی نیم دراز ہو گیا تھا۔

''چل یار یہ روٹھی محبوباؤں والے تیور دکھانے اب بند بھی کر دے۔'' کمرے سے باہر نکلتے فرزام نے دہائی دینے کے ساتھ ساتھ باقاعدہ ہاتھ بھی جوڑ دیئے، مگر وہ ڈھیٹ بنا آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا رہا۔

''سرحان یار!'' اتنی لجاجت سے نام لیا گیا تھا، کہ سرحان نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''بکواس بند کر اور دفع ہو جا یہاں سے۔'' وہ لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور سخت بدمزہ لگ رہا تھا۔

''تیری بیوی ہوتی تو تمہیں معلوم ہوتا کہ کتنی بہادری چاہیے ہوتی ہے بیوی کو انکار کرنے کے لئے۔'' وہ بات اس طرح سے کر رہا تھا کہ پتا نہیں اس نے کتنی ہی بیویاں بھگتائی ہوئی ہیں، اسی بات نے سرحان کے ماتھے پر موجود تیوریوں میں اضافہ کیا تھا، اس کا اندر بہت دیر تک سلگا تھا، فرزام کو اپنی غلطی کا احساس تو ہوا مگر زبان پھسل چکی تھی۔

''ذرا بتانا پسند کریں گے آپ کہ اللہ نے کب سے آپکو بیوی والا کیا ہے۔''

''کیا نہیں تو کیا ہوا کرنے تو والا ہے نا، جائز منگیتر ہے میری۔'' وہ فخریہ سینہ ٹھونک کر بولا، سرحان نے ناگواری سے اسے دیکھا اور اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

''قسم لے لے سرحان، میرا رائمہ کے ساتھ جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، وہ تو عین موقع پر اس کی دوست کا نکاح آ گیا تھا جو انکار کرتا تو وہ جائز منگیتر سے ناجائز ہونے میں سیکنڈ بھی نہ لگاتی، قسم لے لے یار تجھ سے آگے مجھے کوئی نہیں ہے مگر وہ بھی تو تیرے پیچھے ہی ہے نا۔'' جتنی مسکینت وہ اس وقت اپنے چہرے پر سجا سکتا تھا سجا چکا تھا مگر وہ متاثر ہوئے بغیر چائے بنانے میں مصروف رہا، وہ اس کی اداکاریوں سے بہت اچھی طرح سے واقف تھا سو اب ان کا اثر اس پر کم ہی ہوتا تھا۔

''تو نے اب اگر مجھے معاف نہ کیا نا تو اسی گھر کی چھت سے کود کر اپنی ٹانگیں تڑوا لوں گا۔'' رونی صورت بنا کر اس نے بڑے مرے ہوئے لہجے میں دھمکی دی۔

''اتنا تو بہادر۔'' سرحان نے استہزائیہ مسکرا کر سر جھٹکا۔

''دیکھ ایسے بول کر مجھے خواہ مخواہ جوش نہ دلا ٹانگیں تڑوانا کوئی خالہ جی کا گھر تھوڑی ہے۔''

''خالہ جی گھر ہوتا تو تب بھی اتنی بہادری نہ دکھاتا۔''

''ہاں تو ٹانگیں کسے پیاری نہیں ہوتیں۔'' وہ چمک کر بولا۔

''ڈوب کر مر جا، ایک ڈی ایس پی ہو کر اتنی بزدلی۔'' وہ افسوس سے سر ہلاتا، نیپکن سے دیگچی چولہے سے اتارنے لگا۔

''تو چپ ہی اچھا لگتا ہے۔'' فرزام نے اسے خفگی سے دیکھا۔

''اب زیادہ زبان نہ چلا اور چائے کپوں میں ڈال کر کمرے میں لے آ۔'' اسے حکم دے کر سرحان کچن سے باہر نکل گیا تو فرزام نے بے چارگی سے چائے کی دیگچی کو دیکھا۔

''ایسا بھی کیا جرم کیا تھا جو ایسی سزا دے رہا ہے خبیث۔'' اس نے دانت کچکچائے اور چائے کپوں میں انڈیل کر اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

بے چارے کا جرم واقعی کوئی اتنا بڑا نہیں تھا بس سرحان کے ساتھ شکار کا پلان بنا کر عین وقت پر رائمہ کے ساتھ اس کی دوست کے نکاح پر چلا گیا تھا، ہاں یہ اور بات ہے کہ یہ جانا بھی مجبوری ہی تھی نہ جانے کے طور پر رائمہ سرحان سے بھی بڑا ایکشن دے سکتی تھی اور رائمہ کو منانا سرحان کو منانے سے سو گنا کیا ہزار گنا زیادہ مشکل تھا۔

☆☆☆

اس کے عادات و خصائل نے جیت لیا مجھ کو
میرے مریدوں میں تھا وہ اک شخص پیروں جیسا
اس کو گنوا کر اب تک خسارے ہیں محسن
میرے پاس تھا جو اک شخص ہیروں جیسا

کمرے میں آ کر وہ بڑے بے تابانہ انداز میں کمرے کی اس واحد کھڑکی کی طرف لپکی تھی

جس کے پار موجود گھر اس کی خوشیوں کا مسکن تھا، جہاں سکون بارش کی صورت میں برستا تھا، جہاں ہنسنے کے لئے اسے کسی وجہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بس مسکراہٹ ہونٹوں سے جدا ہی نہیں ہوتی تھی، وہ گھر جو اس کی دعاؤں کا محور تھا اور اس گھر میں رہنے والا اس کی پوری دعا تھا ایسی دعا جو پوری ہو کر بھی ادھوری سی تھی، نامکمل، اس کی نظریں نیم اندھیرے میں واقع اس کمرے پر جمی ہوئی تھیں جس کی مکمل تاریکی کمرے کے مالک کی غیر حاضری کا ثبوت تھی، مشائم کی آنکھوں میں نمی پھیلنے لگی، کاش اس وقت ممکن ہوتا تو وہ اس گھر کے مکینوں کے پاس جا سکتی۔

ظل ماں کی گود میں سر رکھ کر اپنی ادھوری نیندوں کو پورا کر سکتی، اس کے سلگتے بلکتے دل کو کچھ تو سہارا ملتا، مگر یہ ایسا کاش تھا جو اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا آیا تھا، ممکن تھا وہ ساری رات وہاں کھڑی رہ کر اس کمرے پر نظریں ٹکائے رکھتی کہ معاً موبائل فون کی رنگ ٹون نے اسے وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا، ہینڈ بیگ سے موبائل نکال کر اس نے جگمگاتے نام کو دیکھا اور لمبی سانس اندر کھینچ کر یس کا بٹن دبا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم ماما؟''

''وعلیکم السلام کیسی ہو مشائم؟'' انہوں نے نرمی سے پوچھا اور اس نرمی میں بھی چھپی فکر کو مشائم محسوس کر چکی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں ماما، آپ پریشان نہ ہوں۔'' اس کی آواز میں اتنی تھکاوٹ تھی کہ نتاشا کا دل بجھ سا گیا تھا، وہ جانتی تھیں جو تھکاوٹ چھ سال سے اس کے اندر بس گئی ہے وہ تھکاوٹ پاکستان جا کر سوا ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا تھا۔

''مشائم میری جان پوری کوشش کرنا اپنی دادی کو کوئی شکایت کا موقع نہ دینا۔''

''ماما پلیز میں دادی کی ہر بات نہیں مان سکتی اور میں ہر بات مانوں گی بھی نہیں، دادی نے اگر مجھے ابو کے گھر جانے سے منع کیا تو میں آپ کو بتا رہی ہوں ماما میں نہیں مانوں گی۔''

بات کرتے کرتے اس کی آواز بھیگ گئی تھی، اتنی زیادہ کہ نتاشا کو لگا کہ وہ بس ابھی ہی رو دے گی، انہوں نے مزید اسے کوئی بھی نصیحت کرنے سے خود کو روک کر اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر کے فون بند کر دیا تھا، فون بند ہوتے ہی آنکھوں میں رکے آنسو گالوں پر بہہ گئے تھے۔

گھٹنوں میں چہرہ چھپائے وہ ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی، مگر اس کے اندر لگی آگ مزید بڑھتی جا رہی تھی، اتنی کہ اس کا دل کرلا کرلا کر بے دم ہو گیا تھا، رات کے کسی پہر وہ روتے روتے ہی سو گئی تھی۔

☆☆☆

رات کی کالی چادر کو صبح کی سفیدی نے اجالے میں بدل دیا تھا، صبح وہ اس وقت جاگتی تھی جب گھر کے تقریباً چھوٹے بڑے سبھی کالج، یونیورسٹیوں اور آفس میں دو تین گھنٹے تو گزار ہی چکے تھے، رات سے ایک ہی پوز میں سوئی جب صبح وہ اٹھی تو اس کا سارا جسم جیسے چیخ اٹھا تھا، اک کراہ اس کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔

کافی دیر تک وہ بستر پر چت لیٹی رہی، پھر غسل کرنے کے بعد وہ واش روم سے نکلی تو چہرے پر رات کی تھکن اور درد کی جگہ نرمی اور ملائمت نے لے لی تھی، دل میں درد چھپا کر چہرے پر مسکراہٹ سجانے کے فن سے وہ انہی چھ سالوں میں متعارف ہوئی تھی، بلیک کلر کے کرتا میں وہ تازہ دم لگ رہی تھی، بالوں کو اونچی پونی میں جکڑ کر اس نے دائیں کندھے پر ہم رنگ

دوپٹہ رکھا اور کمرے سے باہر نکل آئی، سارے گھر میں خاموشی کا راج تھا، سیڑھیاں اتر کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی، شاید اسے نیچے اترتے چچی نے دیکھ لیا تھا تبھی وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں داخل ہوئی تھیں۔

''ارے کیا کر رہی ہو، پیچھے ہٹو میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔'' ان کے انداز میں فطری محبت تھی جس پر مشائم کو کوئی شک نہیں تھا اور وہ ایسی تھیں کہ ان کے خلوص اور محبت پر کوئی شک کر بھی نہیں سکتا تھا، مشائم مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

''بتاؤ کیا بناؤں تمہارے لئے؟'' وہ فریج سے آٹا نکالتے ہوئے بولیں۔

''کچھ نہیں چچی بس ایک کپ اسٹرونگ سی چائے۔'' ان نے حیرانگی سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی مشائم کو دیکھا۔

''تم چائے نہیں پیتی تھی مشائم۔'' ان کی آواز میں خود بخود حیرانگی کی جگہ اداسی نے لے لی۔

''پیتی نہیں تھی چچی اب پیتی ہوں۔'' وہ تھی پر زور دے کر بولی۔

ام ہانی کے اندر آزردگی بڑھنے لگی، کتنی بدل گئی تھی وہ اور کتنی پگھلتی جا رہی تھی وہ، دو لوگوں کی نفرت اس محبت کرنے والی میں سب ختم کرتی جا رہی تھی مگر وہ دونوں ہی بے نیاز اور کٹھور بنے بیٹھے تھے، جیسے محبت اس کا جرم ہو اور سزا اس پر فرض، چائے بناتے وقت وہ خاموش رہی تھیں جیسے بولنے کو دل نہ چاہ رہا ہو اور دل جیسے ہر چیز سے اچاٹ سا ہو گیا ہو۔

اچانک سے چائے کا عادی ہو جانا کوئی ایسی حیرانگی یا صدمے کی بات نہیں تھی، مگر ایک ایسی لڑکی جو چائے کو نہ صرف زہر کہتی ہو بلکہ سمجھتی بھی ہو اور اس کا نام تک نہ لے، وہ لڑکی آج اس زہر کو نہ صرف پیئے بلکہ اس کی عادی بھی ہو جائے تو یہ بات حیرانگی کی تھی، کم از کم مشائم جیسی لڑکی کے لئے تھی کہ وہ نہ بدلنے والی لڑکی اب بدل رہی تھی اور مسلسل بدلتی جا رہی تھی، چائے کپ میں انڈیل کر ان نے کپ اسے تھما دیا۔

''محبت جب قاتل بن جائے تو اسے چھوڑ دینا چاہیے مشائم، دکھ بڑے نہیں ہوتے مگر جو دکھ توڑ کر پھر جڑنے جوگا نہ چھوڑیں وہ بڑے بن جاتے ہیں۔'' مشائم ان کی بات پر بڑی تلخی سے مسکرائی تھی۔

''چچی مجھے ذرا غور سے دیکھیں، کیا آپ کو لگتا ہے مجھ پر اب کسی نصیحت کا اثر ہو گا۔'' وہ مسکراہٹ ابھی تک اس کے ہونٹوں پر پھیلی تھی، وہ کچن سے نکل گئی تھی مگر وہ ساکت سی کھڑی تھیں اور بہت دیر تک کھڑی رہی تھیں۔

''آؤ مشائم میرے پاس بیٹھو۔'' صدفے پر بیٹھیں دادی اسے دیکھ کر مسکرا کر بولیں، مشائم نے گرم گھونٹ اندر اتارا۔

''سوری دادی میں ابھی ظل ماں کے پاس جا رہی ہوں۔'' گرم گھونٹ کی ساری آگ ان کے اندر اتار کر وہ لاؤنج سے باہر نکل گئی، اس نے پیچھے مڑ کر دادی کی ان نگاہوں کو نہیں دیکھا تھا جو اس کی پشت میں کھب گئی تھیں، دادی کے تاثرات کیا تھے اس نے اہمیت ہی نہیں دی، اس کے اندر در آنے والی تبدیلیوں کو بڑی فرصت سے جانچا جا رہا تھا اور اس جانچ میں اب یہ بات بھی آئی تھی کہ مشائم با جوہ اب دوسروں کے خیالات اور تاثرات کو جوتے کی نوک سے اڑاتی تھی اور بیانگ دہل اڑاتی تھی۔

☆☆☆

خالی کپ اس نے پچھواڑے کی طرف جاتی راہداری پر رکھا، کوٹھی کی پچھلی طرف دیوار کے

درمیان ایک چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ دونوں گھروں کے درمیان ایک اندرونی راستہ کے طور پر تھا، ایک ایسا راستہ جسے صرف مشائم ہی استعمال کرتی تھی، مگر اس دروازے کو دیکھ کر ایسا لگتا نہیں تھا کہ اسے چھ سال تک کھولا نہیں گیا اور مشائم کو کوٹھی میں ایسا کوئی نہیں دکھا تھا جو اس کی طرح ابو کے گھر والوں کا عاشق ہو، لکڑی کا کواڑ دھکیل کر وہ اس گھر میں داخل ہوئی جسے کبھی ڈزنی لینڈ کہتی تھی، سر جھٹک کر وہ اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی، وہ جانتی تھی اس وقت ظل ہما کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہوگا۔

جازم کو اس نے اپنے آنے کا نہیں بتایا تھا مگر یہ جانتی تھی کہ وہ کل یا پرسوں آجائے گا، ایک وہی تو تھا جو اس سے بغیر کسی حوالہ کے بات کرتا تھا جو بات کرتے کرتے رکتا نہیں تھا اور نہ ہی رک کر اس کے زخموں کو بے پردہ کرتا تھا جو بس اپنا ایک ہی رشتہ نبھائے جا رہا تھا جو دوستی کا رشتہ جازم باجوہ نے چار سال کی عمر میں جوڑا تھا وہ چھبیس سال کی عمر میں بھی جوں کا توں تھا، اتنا ہی پائیدار اور اتنا ہی خالص، اس نے ہال میں قدم رکھا اور کچن سے نکلتی ظل ہما کی آنکھیں بس اسے دیکھتے ہی آنسوؤں سے بھر گئی تھیں، بیچ کا راستہ مشائم نے بھی بھرے دل کے ساتھ ہی طے کیا تھا ان کی آغوش میں آکر وہ تپتی دھوپ سے نکل کر ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں چھپ سی گئی تھی جیسے۔

''آپ کے بیٹے نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا ہے ظل ماں گن گن کے بدلے لوں گی میں اس سے۔'' ان کی گود سے سر اٹھا کر وہ صوفے پر سیدھی ہو کر بیٹھی ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کر کے دوبارہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی، ظلم ہما کو اس کی یہ عادت بڑی پیاری لگتی تھی وہ بڑی سے بڑی بات ان کی گود میں سر رکھ کر بڑی آسانی سے کر لیتی تھی، ان گزرے چھ سالوں میں ہر دن وہ ان سے کبھی سکائپ اور کبھی واٹس ایپ پر بات کرتی تھی اور گھنٹوں کرتی تھی، مگر آج جو اس نے ان کی گود میں سر رکھ کر بات کی تھی وہ گزرے سالوں میں ایک دن بھی نہیں کی تھی، ایک دن بھی نہیں کہا تھا کہ ظل ماں آپ کے بیٹے نے بڑی زیادتی کر دی میرے ساتھ، ایک دن بھی اس کا نام نہیں لیا تھا، ظل ہما نے بھی کبھی اس کا ذکر نہیں چھیڑا، وہ اس کی بھی تو ماں تھیں نا اور بیٹیوں کے زخموں کو مائیں تھوڑی نا کریدتی ہیں۔

☆☆☆

''کب پہنچ رہے ہو سرحان؟'' فرزام اپنی ریذیڈنس پر اس کا انتظار کر رہا تھا، وہ سرحان کے ساتھ اس کے گاؤں شکار کھیلنے کے لئے جا رہا تھا اور اس مرتبہ سرحان اس کی بہت منت ساجت کے بعد راضی ہوا تھا۔

''بس نکل رہا ہوں، جازم کو ہاسپٹل سے پک کرنے کے بعد تمہارے پاس آتا ہوں۔'' وہ آفس سے نکل کر کار میں بیٹھنے کے دوران اس سے بات کر رہا تھا، فون بند کرنے کے بعد اس نے گاڑی کا رخ جازم کے ہاسٹل کی طرف موڑا۔

''نکلنے سے پہلے اچھی طرح سے تسلی کر لو، یہ نہ ہو گاؤں پہنچ کر پتا چلے کہ تمہاری جائز منگیتر اور ہونے والی بیوی کی کسی دوست کا نکاح ہونے والا ہے۔'' یہ تو ناممکن تھا سرحان باجوہ طنز کرنے کا اور بھگو بھگو کر مارنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے دے، فرزام نے بڑی بے چارگی سے جازم کو دیکھا تھا مگر وہ ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے کندھے اچکا کر رہ گیا، فرزام گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا مگر اب ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہا تھا، جو اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ جمائے بظاہر ونڈ اسکرین

سے باہر نظریں جمائے ہوا تھا مگر فرزام کی ساری کیفیت سے اچھی طرح آگاہ بھی تھا۔

''یہ روٹھی بیوی کی طرح طنز پر طنز کے نشتر نہ چلا، سیدھی سیدھی بات کر ساتھ لے کر جانے کا ارادہ ہے بھی یا نہیں؟'' وہ سخت خفا صورت بنائے غصے سے بولا تھا۔

''میرا تو ارادہ ہے اگر تیرا وہاں ٹکنے کا ارادہ ہے تو پھر تو چل۔'' سرحان نے اس کی طرف دیکھ کر بے نیازی سے کندھے اچکائے، فرزام اندر تک جل کر رہ گیا، دھپ سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اتنی زور سے دروازہ بند کیا کہ سرحان نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورنے کے ساتھ ساتھ بے ساختہ امنڈ آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل ہونٹوں میں دبایا تھا۔

☆☆☆

وہ حادثہ جو ہوا اس کا رنج کیا کرتا
جو ہونے والا تھا وہ بھی میرے قیاس میں تھا

دوپہر سے سہ پہر میں بدلی اور اب سرپہر شام کے دلنشین سانچوں میں ڈھلنے لگی تھی، وہ خفا خفا صورت بنائے پچھلے لان میں چہل قدمی کے سے انداز میں چل رہی تھی، سارا دن اس نے ظل ماں کے ساتھ باتوں میں گزارا تھا، ان کے ہاتھوں کا بنا پلاؤ بھی بڑی رغبت سے کھایا تھا، مگر اس خوشگوار دن کا خاتمہ اس وقت ہوا جب یعقوب باجوہ شام کو گھر واپس آئے تھے، ان سے ملاقات سے لے کر ان کے سامنے چائے رکھنے تک اس کی سنجیدگی برقرار رہی تھی۔

''ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو مشائم۔'' انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کرکے اسے پیار اور نرمی سے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا تھا۔

''ہرگز بھی نہیں، میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی آپ کے پاس بیٹھنے میں۔'' وہ اتنی بے مروتی اور بد لحاظی سے بولی تھی کہ ظل ہما کے ماتھے پر ناگواری کی کئی شکنیں نمودار ہوئی تھیں جو مشائم دیکھ کر بھی انجان بن کر پچھلے لان کی طرف نکل آئی تھی، وہ جانتی تھی ابو کو برا لگا ہوگا اور ظل ماں کو بھی مگر وہ اپنے اس رویے کو حق بجانب بھی سمجھتی تھی اور سمجھتے تو یعقوب باجوہ بھی تھے سو اسی لئے انہوں نے ہرگز اس رویے پر ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا، وہ جانتے تھے کہ مشائم ان سے اس بات پر خفا ہے کہ وہ پچھلے دنوں میں دوبئی ایک سیمینار میں شرکت کے لئے گئے تھے مگر اس سے ملے بغیر واپس آ گئے تھے، جبکہ مشائم کا گھر صرف دس منٹ کی ڈرائیو پر موجود تھا۔

مگر وہ کیا کرتے کہ جوان کے ساتھ گیا تھا وہ ہرگز بھی ان کا جانا پسند نہ کرتا سو خواہش رکھنے کے باوجود وہ مشائم سے نہیں مل سکے تھے۔

اور باہر لان میں ٹہلتی مشائم بھی اس بات سے واقف تھی کہ وہ اکیلے نہیں تھے ان کے ساتھ سرحان بھی تھا اسی لئے تو خفگی اور ناراضگی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

وہ ظل ہما کو اپنے واپس جانے کا بتانے آئی تھی جب وہ بھی اس کے ساتھ باہر نکل آئے تھے، وہ ناراض تھی اور یہ بات انہیں سخت بے چینی میں مبتلا کر رہی تھی، وہ آٹھ سال تک ان کے ساتھ رہی تھی، ظل ہما اور یعقوب باجوہ کے لئے وہ صرف بیٹی جیسی نہیں تھی بلکہ بیٹی ہی تھی۔

''تم جانتی ہو تمہاری ناراضگی مجھے بہت مضطرب رکھتی ہے۔'' اس کے کندھے پر بازو پھیلائے وہ لان کی طرف رخ کیے چل رہے تھے۔

''اور آپ بھی جانتے ہیں ابو، آپ جب مجھ پر اسے فوقیت دیتے ہیں تو میں بھی بہت مضطرب ہوتی ہوں۔'' اس کی آنکھیں خشک مگر

آواز بھیگی ہوئی تھی، وہ بہت کم لوگوں کے سامنے روتی تھی اور ان کم لوگوں میں یہ گھرانہ سرفہرست تھی۔

''ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم اس بات سے باخبر ہو کہ وہ میرے ساتھ تھا، تو چلو صرف اسی بات کی وجہ سے مارجن دے دو۔'' وہ نرمی سے اسے منانے کی کوشش کررہے تھے، وہ جانتے تھے وہ لمبے لمبے شکوے شکایات کرے گی، انہیں کم مگر غائبانہ طور پر سرحان کو زیادہ سنائے گی اور پھر آخر میں دل کی بھڑاس نکال کر ان کے کندھے پر سر رکھ کر بھیگی آواز میں بولے گی۔

''مشائم باجوہ، یعقوب باجوہ سے بھلا ناراض ہوسکتی ہے؟'' اور یہ تو ناممکن تھا جیسے، مگر اب حالات جیسے بدل گئے تھے۔

''بات مارجن کی نہیں ہے بات انصاف کی ہے ابو، جو کہ آپ میں سے کسی نے بھی میرے ساتھ نہیں کیا۔'' وہ بگڑ کر بولی تھی، دکھ تو بس یہی تھا۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو مشائم۔'' اب کی بار وہ بھی تھوڑا خفا ہوئے تھے۔

''میں کہہ سکتی ہوں ابو، مانا کہ آپ کا بیٹا چیزوں کو توڑنے کا شوقین ہے مگر میں چیزوں میں نہیں انسانوں میں شمار ہوتی ہیں اور افسوس اس بات کا ہے کہ یہ فرق آپ میں سے اسے کسی نے نہیں سمجھایا۔'' ان کا بازو کندھے سے ہٹا کر وہ درمیانی دیوار کی طرف بڑھنے لگی تھی جس کی دوسری طرف کوٹھی میں موجود صفورا بیگم بے چینی سے اس کی منتظر تھیں۔

☆☆☆

رات کو کھانے پر وہ بھی سب کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھی، بظاہر پرسکون مگر اندر سے بے چین صفورا بیگم کی خفگی بھری نظریں بار بار اس پر جا کر ٹھہر رہی تھیں جوان کے بیٹے کی وہ لاڈلی اولاد تھی جس نے قسم کھا رکھی تھی کہ کم از کم وہ انہیں سکون کا سانس نصیب نہیں ہونے دے گی۔

''تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گی کہ وہ کون سی ایسی ملاقاتیں تھیں جو صبح سے شروع اب بالآخر رات کو تمام ہوئی ہیں۔'' میز کے کناروں پر دونوں کہنیاں ٹکائے، ان کی آنکھوں میں غصے کی لہر جیسے ٹھہری گئی تھی اور چہرے پر اتنی کرختگی تھی کہ میز پر موجود ہر کسی کا ہاتھ جہاں تھا وہیں موجود رہ گیا، دن بھر کا اندر دبا ہوا لاوا جب جیسے باہر نکلنے کو بے تاب تھا، مشائم نے اطمینان سے کھانے کی پلیٹ پرے کھسکائی، پراعتماد انداز میں کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''پہلی بات یہ کہ ان ملاقاتوں کی کہانی تو میں اپنے ماں باپ کو بھی بتانے کی پابند نہیں ہوں، دوسری بات کہ میں نے اس روک ٹوک اور جواب طلبی کی عادی ہوں اور نہ اسے پسند کرتی ہوں اور تیسری اور اہم بات کہ میں کھانے کے دوران بات کرنے کو ہرگز بھی پسند نہیں کرتی، سو امید کرتی ہوں آئندہ کے بعد آپ ان تمام باتوں کو یاد رکھیں گی اور مجھے دوبارہ بدتمیزی اور گستاخی کا موقع نہیں دیں گی۔'' اپنی بات ختم کر کے وہ آرام سے کرسی دھکیل کر اٹھ کر ڈائننگ روم سے باہر نکل گئی، وہاں پر موجود ہر فرد نے وہاں تک اس کی پشت کو گھورا تھا جہاں تک وہ انہیں نظر آئی تھی، تایا اور چچا کی سلوٹوں میں اتنا اضافہ ہو چکا تھا کہ ماتھوں پر جال سے بن گئے تھے، مشائم کی یہ حرکت ہر کسی کو ناگوار گزری تھی، سوائے چھوٹے چچا کی چھوٹی صاحبزادی کیفی باجوہ کے اس نے خیالوں ہی خیالوں میں اس کی پیٹھ بھی ٹھونک دی تھی، اسے اس کی یہ بہادری بڑی ہی اچھی لگی

تھی۔

"مشائم باجوہ، کیفی باجوہ تمہارے نقش قدم پر چلنے کے لئے جی جان سے تیار ہے۔" اپنے ہی خیال پر اس نے سر دھنا تھا اور پھر بڑی رغبت سے اپنے سامنے پڑی بریانی کی پلیٹ کو ختم کرنے لگی تھی، یہ محسوس کیے بغیر کہ وہاں پر موجود ہر فرد صرف اپنی پلیٹوں کو گھورنے میں مصروف ہے۔

☆☆☆

مشائم کے دادا ابراہیم باجوہ کا بحالت مجبوری عقد ثانی صفورا بیگم کے ساتھ ہوا تھا اور اس نکاح کی سب سے بڑی مجبوری ان کا وہ دو سال کا بیٹا یعقوب باجوہ تھا جو دو سال کی عمر میں ماں کے سائے سے محروم ہو گیا تھا، ابراہیم باجوہ کا مجبوری کی حالت میں کیا جانے والا یہ فیصلہ ان کے لئے بہت بڑی غلطی ثابت ہوا تھا، مگر ادراک ہونے پر وہ بجائے صبر کرنے کے کچھ نہیں کر سکتے تھے، صفورا بیگم ماں کا سا پیار دینا تو دور ماں کا سا احساس دینے سے قاصر تھیں، شروع دن سے جو بے زاریت یعقوب کے لئے ان کے دل میں پیدا ہوئی تھی وہ بعد میں اتنی شدید نفرت میں سامنے آئی تھی کہ یعقوب تو یعقوب ابراہیم باجوہ بھی ششدر رہ گئے تھے، مگر قدرت نے ذوالفقار باجوہ کو ان کی گود میں ڈال کر جیسے اس رشتے کو نباہنے کے لئے باندھ دیا تھا اور پھر یکے بعد دیگرے مراد باجوہ اور ہاشم باجوہ کی پیدائش کے بعد انہوں نے یعقوب کو بورڈنگ بھجوا دیا تھا چونکہ ان کا کاروبار شہر میں تھا سو یعقوب سے ان کی ملاقات ایک دو دن کے بعد لازمی ہوتی تھی، وقت گزرتا رہا اور سالوں کے ہندسے اپنی جگہ تبدیل کرتے رہے، یعقوب نے تقریباً بچپن سے جوانی تک کا عرصہ شہر میں ہوسٹل میں ہی رہ کر گزارا تھا، ایم بی بی ایس کے بعد سرکاری نوکری کا کچھ عرصہ شہر میں گزارنے کے بعد وہ مستقل طور پر گاؤں آ گئے تھے، ابراہیم باجوہ نے اپنے دوست کی بیٹی ظل ہما سے یعقوب کی شادی کرنے کے بعد انہیں کوٹھی سے ملحقہ گھر میں منتقل کر دیا تھا، جو کہ انہوں نے خاص طور پر یعقوب کے لئے ہی تعمیر کروایا تھا، وہ جانتے تھے صفورا بیگم کبھی بھی کوٹھی میں انہیں خوش نہیں رہنے دیں گی، صفورا بیگم کی نفرت جوں کی توں تھی ان نے بہت کوشش کی تھی یہ نفرت اپنے بیٹوں کے اندر منتقل کرنے کی مگر وہ جیسے اس نفرت سے بے زار سے تھے مگر صرف ماں کے احترام میں خاموش رہتے تھے، ذوالفقار نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد باپ کا کاروبار خوش اسلوبی سے سنبھال لیا تھا، مگر مراد اور ہاشم کو کاروبار میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، سی اے مکمل کرنے کے بعد مراد نے دوبئی کی ایک کمپنی میں جاب کرنے کے بعد پاکستان نژاد لڑکی سے شادی کر کے دوبئی میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، ہاشم نے انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسلام آباد میں جاب کر لی تھی، ہاشم نے بھی شادی اپنی پسند سے کی اور رام ہانی کوٹھی میں دلہن بن کر آ گئی تھیں، ذوالفقار کی شادی صفورا بیگم نے اپنی پسند سے گاؤں میں ہی کروائی تھی، ابراہیم باجوہ کے انتقال کے بعد یعقوب باجوہ کا کوٹھی سے جو ایک تعلق تھا وہ ختم سا ہو گیا تھا، ان کے تینوں بھائی ماں کے سامنے تو نہیں مگر ان سے رابطہ میں تھے مگر کوٹھی والوں سے وہ جیسے کٹ سے گئے تھے۔

مگر مشائم باجوہ جیسے اس تعلق کو دوبارہ سے جوڑنے آئی تھی، مضبوطی سے باندھنے، مراد باجوہ اور ماہ نور کو اللہ نے جڑواں بچوں سے نوازا تھا، مشائم اور آفان، مشائم جتنی صحت مند اور

تندرست تھی آفان اتنا ہی کمزور پیدائش کے بعد آفان کا کچھ عرصہ ہسپتال میں گزرا تھا اور پھر گھر آ کر بھی وہ مراد اور ماہ نور کی توجہ کا واحد مرکز تھا، ایسے میں مشائم بہت بری طرح سے نظر انداز ہو رہی تھی، یہ ان دونوں کے لئے تکلیف کا باعث تھا، آفان کی صحت اتنی خراب رہتی تھی کہ وہ مشائم کو توجہ ہی نہیں دے پاتے تھے، بہت مجبور ہو کر مراد نے مشائم کو پاکستان صفورا بیگم کے پاس بھجوا دیا تھا، مگر پاکستان آ کر تو اس نے ظل ہما کی زندگی میں بیٹی کی کمی کو جیسے پورا کر دیا تھا، بظاہر اسے صفورا بیگم کے پاس بھیجا گیا تھا مگر وہ ان کے پاس تو تب رہتی جب وہ کوٹھی میں ٹکتی اس کی توجہ اور محبت کا واحد مرکز وہ گھر رہا تھا جسے وہ اپنا گھر کہتی تھی، یعقوب باجوہ بہت بچپن میں ہی اس کے ابو بن گئے تھے اور ظل ہما ایسی ظل ماں جس کو کوئی بھی بات بتاتے ہوئے وہ ہچکچاتی نہیں تھی اور ہچکچائی تو وہ تب بھی نہیں تھی جب ایک دن ان کی گود میں سر رکھ کر اس نے بڑے آرام اور سکون سے پوچھ لیا تھا۔

''ظل ماں کیا سرحان باجوہ کی شادی مشائم باجوہ سے ہو سکتی ہے؟'' اس نے سوال نہیں پوچھا تھا بلکہ اپنی خواہش ان کے سامنے رکھ دی تھی، وہ پاکستان میں جازم باجوہ اس کا واحد دوست اور ہم راز تھا اور سرحان باجوہ وہ واحد انسان تھا جس کی بے انتہا نفرت کے باوجود مشائم کی محبت شدتوں کو چھوتی جاتی تھی، مشائم کی محبت کیا تھی ایک خوشبو تھی اور یہ خوشبو صفورا بیگم اور سرحان کے نتھنوں میں گھس کر ان کا سانس جیسے روک دیتی تھی، ان کے دل میں ناگواری بھر دیتی تھی، وہاں یہ سچ تھا کہ مشائم جب جب چھٹیوں میں پاکستان کا رخ کرتی تھی سرحان اتنا بے زار ہو جاتا تھا کہ وہ گاؤں میں پاؤں رکھنا خود پر حرام کر لیتا تھا، اگر صفورا بیگم کو یعقوب باجوہ اور ان کے گھرانے سے نفرت تھی تو کم سرحان بھی نہیں تھا وہ کوٹھی والوں سے نفرت میں اتنا شدت پسند نکلا تھا کہ مشائم کی اندھی محبت کو جوتے کی نوک پر رکھتا تھا، مگر وہ بھی کم ڈھیٹ نہیں تھی، مگر سرحان باجوہ کو اس کی موجودگی قبول نہیں تھی تو اس کی محبت کو کیسے قبول کرتا۔

☆☆☆

''یہ ناممکن ہے امی اور یہ میں ہرگز ہرگز بھی نہیں کروں گا، آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں۔'' وہ ماں کی مشائم سے شادی کی بات پر حیران ہوا اور یہ حیرانگی پھر پریشانی میں اس طرح بدلی کہ وہ باقاعدہ اپنے بال نوچنے لگا تھا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا سرحان، ساری دنیا کے نکاح ہوتے ہیں، تم کر لو گے تو کون سی انہونی ہو جائے گی۔'' ظل ہما بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھی ہوئی بولیں، چہرے کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی اتنا بے تاثر تھا کہ وہ حیرانگی سے ان کی طرف مڑا۔

''بے شک یہ نکاح انہونی نہ ہوتی مگر اس وقت جب یہ مشائم باجوہ کے سوا کسی اور سے ہوتا، مجھے وہ لڑکی قبول نہیں ہے امی، نفرت ہے مجھے اس سے۔'' وہ سخت زچ ہوا، غصے کی زیادتی سے اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو چکی تھیں۔

''تمیز سے بات کرو سرحان۔'' ظل ہما بری طرح بگڑیں۔

''خبردار اس کے لئے کوئی فضول لفظ استعمال کیا تو۔''

''آپ کو وہ اتنی عزیز کیوں ہے امی؟ وہ ان لوگوں کی بیٹی ہے جنہوں نے ساری زندگی آپ سے نفرت کے سوا کوئی دوسرا رشتہ نہیں رکھا۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''اس لئے تو کہہ رہی ہوں اب ختم کر دیتے ہیں ان نفرتوں کے رشتوں کو، نفرتیں کچھ نہیں دیتیں محبتیں ثبت کرنے سے ہی خوشیاں ملتی ہیں، تم دونوں کا یہ نیا رشتہ بہت مثبت ثابت ہوگا دونوں گھرانوں کے درمیان۔'' وہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھیں، قائل کر رہی تھیں، جبکہ اس کے اندر کڑواہٹ لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

''یہ ناممکن ہے امی، آپ جازم کے لئے ایسا سوچ لیں۔'' کافی دیر کی خاموشی کے بعد وہ قطعیت سے بولا۔

''کیسے سوچ لوں جازم کے بارے میں، محبت وہ تم سے کرتی ہے، خواہش وہ تمہارے لئے رکھتی ہے، تو کیسے جازم کو سونپ دوں اسے۔'' وہ سخت عاجز آ کر وہ بول گئی تھیں جس نے اسے جلتے انگاروں پر پٹخ دیا تھا، یعنی اس کی ماں کے لئے مشائم کی محبت، اس کی خواہش اتنی ضروری ہے کہ وہ اس کی نفرت اس کے انکار کو کسی کھاتے میں ہی نہیں لا رہیں، اس کا دل بڑی بری طرح سے چٹخا تھا۔

''آپ یہ ایک گھنٹے سے مجھے صرف اس لئے قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں کیونکہ یہ مشائم کی یہ خواہش...... او خدا۔'' وہ سر ہاتھوں میں پکڑ کر کرسی پر گر سا گیا تھا، الفاظ جیسے بالکل غائب ہو گئے تھے، تکلیف بہت زیادہ ہوئی تھی، اندر بہت بری طرح دکھا تھا۔

''ہاں یہ اس کی خواہش ہے، مگر اس سے بہت افضل یہ ایک ماں کی ان کہی التجاء ہے سرحان، وہ ماں جو آٹھ سال تک اپنی بیٹی کو اپنی ماں کی گرمائش نہ دے سکی، وہ ماں جس کی بیٹی آٹھ سال تک دوسروں کی آغوش میں سر رکھ کر ماں کی ممتا ڈھونڈتی رہی، آج وہ ماں اگر اپنی بیٹی کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سب سے بڑی خواہش دینا چاہتی ہے تو بتاؤ کہ میں اس کی مدد کیوں نہ کروں، اس نے میرے سامنے التجاء کی سرحان اور میں اس التجاء کو پورا کرنے کا وعدہ کر چکی ہوں۔'' وہ اس سے نظریں چرا کر مگر مضبوط اور دوٹوک لہجے میں بولیں تھیں۔

''سو واٹ امی، اس ساری درد بھری کہانی کے اینڈ پر آپ اس دکھیاری بظاہر معصوم، ماں کی ممتا سے محروم لڑکی (جو کہ آٹھ سال تک میری ماں کو مجھ سے چھین کر بیٹھی رہی اور ابھی تک جونک کی طرح چمٹی ہے) کو اس کی خواہش دے کر خوش کرنا چاہتی ہیں، اس کی محرومیوں کا ازالہ، مگر میں میرے ساتھ یہ ناانصافی کیوں؟''

''کوئی ناانصافی نہیں ہو رہی ہے تمہارے ساتھ سرحان اور نہ کوئی کر رہا ہے، میری جان بتاؤ اس میں ایسی کیا کمی ہے جو تم اس مسلسل انکار پر ڈٹے بیٹھے ہو، بظاہر سوائے تمہاری خود ساختہ نفرت کے جو کہ تم نے بلاوجہ اس بے چاری سے پال رکھی ہے۔''

''اوکے تو یہ طے ہے کہ آپ آج مثبت جواب سنے بغیر یہاں سے جائیں گی نہیں؟'' اس کا چہرہ غصے اور ضبط سے سرخ ہو چکا تھا، دماغ کی نفیس مسلسل ڈوب ابھر رہی تھیں۔

''ہاں بالکل تم ایسا ہی سمجھ لو۔'' وہ بھی مضبوطی سے اپنی بات پر ڈٹی رہیں۔

''تو ٹھیک ہے لیکن یہ کبھی بھی نہیں ہوگا امی قطعاً نہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر بولا، ظل ہما کا دل ڈوب کر ابھرا۔

''تو ٹھیک ہے۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے مضبوطی سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

''یہ جس حق سے تم نے مجھے ابھی امی بولا ہے، انکار کی صورت میں تم یہ حق بھی کھو دو گے سرحان، یہ استحقاق تمہارے پاس نہیں رہے گا، جو

میرا نافرمان ہو گا وہ میں اس کی ماں نہیں ہوں گی۔'' اپنی بات ختم کر کے وہ مضبوطی سے چلتیں دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں تھیں، بغیر اس کی آنکھوں میں زخمی تاثر پھیلتے دیکھے، اس کا سر پھٹنے کے نزدیک ہو گیا تھا، آنکھوں کی سرخی میں آخری حد تک اضافہ ہوا تھا، مگر وہ پتھر بنا کھڑا رہا، دیر تک اسی حالت میں۔

☆☆☆

ظل ہما جانتی تھیں جو وہ اندرا سے کہہ کر آئی تھیں وہ بہت تکلیف دہ تھا بہت برا، وہ ان کے لئے بہت اہم تھا بہت زیادہ مگر مشائم، اسے بھی وہ اپنی اولاد سے کم کا درجہ نہیں دیتی تھیں، جبکہ اب جب مشائم کی والدہ ماہ نور نے خود جھولی پھیلائی تھی وہ جانتی تھیں ان کی بیٹی مریض عشق ہے، ایسی مریض جو ساری زندگی سرحان کے بغیر گزار تو سکتی ہے مگر جی نہیں سکتی، وہ ایسی ماں تھی جنہوں نے آٹھ سال تک اپنی بیٹی کو اپنی آغوش سے اپنی نرماہٹ سے دور رکھا تھا اور اب جب ازالہ ممکن تھا تو وہ تو پاؤں پڑنے تک کو تیار تھیں یہاں تو صرف جھولی پھیلانی پڑی تھی اور ظل ہما ہرگز بھی اتنی کم ظرف نہیں تھیں کہ اپنے بیٹے کو مجبور نہ کر سکتیں اور مجبور تو وہ ہو گیا تھا اپنا حق کیسے چھوڑتا اور اس استحقاق سے محرومی تو وہ کبھی گوارا ہی نہیں کر سکتا تھا، ہاں مگر وہ جو اندر اک نفرت تھی وہ جوں کی توں تھی، لیکن مشائم کو کیا لگے اس نفرت سے وہ تو اپنی محبت میں ہی مدہوش تھی، وہ تو ایسے تھی جیسے اسے کوئی سمندر کے درمیان میں سے پکڑ کر دوبارہ ساحل پہ لے آیا ہو، وہ خوش تھی اور اتنی خوش کہ اس نے نہ اس بات پر غور کیا تھا کہ سرحان کیسے راضی ہوا اور نہ یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ صفورا بیگم کو کیسے منایا گیا بس اسے سرحان باجوہ مل رہا تھا اس کے لئے بس یہی خبر دنیا سے بے خبر ہونے کے لئے کافی تھی۔

☆☆☆

آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا
یہ ان کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں

دوبئی سے پاکستان اور پاکستان سے نکاح والے دن تک وہ جیسے بادلوں کے ساتھ محو رقصاں تھی اور کیوں نہ ہوتی، کوئی درگاہ کوئی مزار، کوئی دعا کوئی وظیفہ کوئی سجدہ ایسا نہیں تھا جس میں وہ سرحان باجوہ کے لئے گڑگڑائی نہ ہو، اس نے اللہ کو اس کی صفات کے واسطے نہ دیئے ہوں اس کے جہاں محبوب آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ نہ دیا ہو، ہر طلب سے اوپر اس کی ایک ہی طلب تھی، جو عشق اس کے اندر بس گیا تھا وہ اس عشق کی تکمیل چاہتی تھی۔

اور آج جب تکمیل عشق کا روز تھا تو وہ جیسے پاگل ہو گئی تھی، آنکھیں اتنی روشن اتنی چمکدار کے دھنک کے ساتوں رنگ ان میں آ موجود ہوئے تھے آج وہ اس کے نام ہونے جا رہی تھی اور خوش ایسے تھی جیسے ساری زندگی بے نام رہی ہو، سرخ اور سنہری لہنگے میں ملبوس پوری آستینوں کی شارٹ قمیض اور ہلکی پھلکی جیولری کے ساتھ وہ جب لڑکیوں کے جھرمٹ میں چلتی لان میں بنے اسٹیج پر آئی تو ہر نظر جیسے رک کر پلٹنا بھول گئی تھی اور دھڑکنیں تو سرحان باجوہ کی بھی منتشر ہو گئی تھیں مگر بس ایک لمحے کو اور یہ ایک لمحہ بھی کوئی کم حیثیت نہیں رکھتا تھا، وہ حیران ہوا تھا ابھی تو صرف اس نے سرحان کا نام پایا تھا تو یہ عالم تھا اور اگر جو اسے پا ہی لیتی تو؟ سانس جیسے رک رک کر چلی تھی، محبت کا عالم ہی نرالا تھا، وہ جو ساتھ بیٹھا تھا وہ مشائم باجوہ کو مشائم سرحان باجوہ کا مقام دے چکا تھا وہ تو بس اسی بات پر سوز ندگیاں

قربان کردینے کو تیار بیٹھی تھی، کجا فکر کرتی اس کے چہرے پر پھیلی بے زاری کی وہ جانتی تھی یہ نکاح ہو تو گیا ہے مگر صرف ایک نام کی حد تک اور اسے یہ نام ہی تو پیارا تھا، وہ اتنی خوش تھی کہ روشنیاں بس چہار سو پھوٹیں پڑ رہی تھیں، بھلے سے لوگ کہتے رہیں۔

''عجیب دلہن ہے نہ شرم نہ حیا بس مسکرائے ہی جا رہی ہے۔'' مشائم کی بلا سے اسے بھلا کب خبر تھی کہ اس کے ہونٹوں پر اک دلنشین مسکراہٹ آکر ٹھہر گئی ہے، آنکھوں میں ایسا خمار ہے جیسے شراب کی پوری بوتل آنکھوں میں انڈیل رکھی ہو، اسٹیج کے اردگرد پھیلے لوگوں کو اشتیاق اور محبت سے دیکھ رہی تھی یہ لوگ اس کی دعاؤں کی مقبولیت میں شرکت کے لئے آئے تھے وہ محبت سے کیسے نہ دیکھتی اور ان لوگوں کے ہجوم میں ایک چہرے پر پھیلی خشونت اور نفرت دیکھ کر اس کا دل ایک پل کو لرزا اور پھر یہ لرزاہٹ سارے میں پھیل گئی وہ قدم قدم چلتیں اسٹیج کی طرف آرہی تھیں مراد باجوہ ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اسٹیج پر لائے تھے مشائم کا ماتھا چومتے وقت ان کے چہرے پر کچھ لمحوں کے لئے محبت کی روشنی پھیلی تھی مگر سرحان کو دیکھتے ہی ان کے دل میں ایسے ابال اٹھے تھے کہ وہ کھارا اور ابلا پانی سارے ماحول کو جھلسا گیا تھا۔

''اپنی اوقات دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہیے برخوردار اپنی پرواز قوت سے زیادہ اونچی اڑانیں بھرنے والے بالآخر منہ کے بل نیچے گرتے ہیں، جس کے تم اہل ہی نہیں اس کی طلب بنتی تو نہیں۔'' کتنے دنوں سے دل میں دبی خاموشی کا آج قفل ٹوٹا تو بھرے مجمع میں سرحان باجوہ کے منہ پر طمانچے لگ رہے تھے، وہ جبڑے بھینچے ان کے مقابل سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا تھا، سارے مجمع کو سانپ سونگھ گیا تھا، ظل ہما کا رواں رواں اس کی خاموشی کا ملتجائی تھا، مگر لاوا اگر صفورا بیگم کے منہ سے نکلا تھا تو پک کر پھٹنے کو تیار سرحان باجوہ کے اندر بھی تھا۔

''پہلے تو آپ اپنی غلط فہمی بلکہ خوش فہمی دور کر لیں کہ یہ طلب میری تھی، سرحان باجوہ کا معیار اتنا، اتنا گرا تو ہرگز بھی نہیں ہے، ہاں مجبوری میں کیے گئے فیصلے اکثر گلے پڑ جاتے ہیں، سنا تھا آج دیکھ بھی لیا اور رہی پرواز قوت کی بات تو میری اڑان تک پہنچنے کے لئے آپ کی پوتی کے پاس وہ قوت پرواز ہی نہیں جو اسے مجھ تک پہنچا سکے، بس یہ سمجھ لیں کہ بھیک میں اپنا نام دان کیا ہے۔'' اس کی ایک ایک بات سے ٹپکتا زہر مشائم کے سارے جسم میں پھیل رہا تھا، وہ پتھرائی نظروں سے سرحان کے چہرے کو دیکھے جا رہی تھی، صفورا بیگم کا چہرہ ضبط سے لال انگارہ ہو گیا تھا، وہ اسے ذلیل کرنے کے لئے آئی تھیں، مگر وہ تو مشائم کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

''اگر اتنے ہی بے زار ہو تم، تو ابھی کے ابھی چھوڑ دو اسے نکاح کے تین بول ہی تھے نا طلاق کے بھی تین ہی بول ہوتے ہیں، تم جیسا کم ظرف اور دو ٹکے کا انسان اتنی اوقات ہی نہیں رکھتا کہ مشائم باجوہ کا اہل ہو سکے۔'' وہ رعونت سے ایک ایک لفظ کو چبا کر بولیں۔

''امی!'' مراد باجوہ نے عاجز آکر جیسے التجا کی تھی۔

''چپ کرو تم، یہ سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے، جتنا تم کر چکے ہو اتنا ہی کافی ہے۔'' وہ اونچی آواز میں غرائی تھیں، مراد باجوہ لب بھینچ کر رہ گئے۔

''سرحان باجوہ میں نے ابھی کچھ کہا ہے تم سے۔''

''سوری میں آپ کی کسی بھی کہی بات کا پابند نہیں ہوں، صفورا بیگم اور رہی بات طلاق کی تو

ایک دفعہ جو چیز میرے پاس آ جائے اسے تو میں توڑنے کے بعد بھی نہیں پھینکتا۔'' اس کے الفاظ کی کرچیاں بن کر مشائم کے دل میں کھب رہے تھے، اپنی بات ختم کرکے وہ اٹھے سر اور مطمئن انداز میں چلتا لان سے نکل گیا تھا بغیر اس پر ایک نظر ڈالے، ایک نفرت بھری نظر کا حقدار بھی اس نے اسے نہیں سمجھا تھا، اس سارے تماشے کو مٹھیاں بھینچے دیکھتا آفان ایک ملامت بھری نظر دادی پر ڈال کر مشائم کو وہاں سے لے گیا تھا، اس کا چہرہ ضبط کے مارے تن گیا تھا اور وہ اٹھارہ سالا لڑکا کمرے میں آتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا وہ اتنا کمزور ہرگز بھی نہیں تھا مگر محبتیں کمزور کر دیتی ہیں اور اپنی بہن سے اسے بہت محبت تھی، مگر مشائم کی آنکھوں میں تو خشک صحرا اتر آیا تھا، اس رات کے اگلے دن مشائم اور آفان باجوہ دوبئی واپس چلے گئے تھے، دادی نے کیا کہا، ظل ہما اور یعقوب نے کیسے معذرت کی ان سب باتوں کی اب جیسے اسے کوئی ضرورت نہیں تھی، کوئی پرواہ نہیں تھی، مگر ایک بات طے تھی سرحان باجوہ اور صفورا بیگم کی نفرت کے باوجود اس کی محبت جوں کی توں تھی، وہ ڈھیٹ ابن ڈھیٹ ثابت ہوئی تھی، اب ایسے تو ایسے ہی سہی۔

☆☆☆

رفاقتوں میں وقار کھونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا
یہ دن کو سونا یہ شب کو رونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا
بیچ بھنور میں چھوڑ آتے تو بات تم پہ یوں نہ آتی
یہ ساحلوں پہ ہمیں ڈبونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا
جو جی میں آیا تو خوب کھیلا جو جی میں آیا تو توڑ ڈالا
میرا دل بھی تھا اک کھلونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا

وہ ریلنگ پر جھک کر کھڑی سر نیچے گرائے ڈوبتے سورج کا ہی کوئی منظر دیکھ رہی تھی، اونچی پونی میں بندھے بال کندھے سے آگے گرے ہوئے تھے، وہ مسلسل نیچے دیکھتی جا رہی تھی۔

''چائے۔'' دونوں ہاتھوں میں چائے کا مگ پکڑے کیفی اس کے بالکل پیچھے کھڑی تھی، مشائم نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر سیدھے ہو کر مسکرا کر اس سے مگ پکڑ لیا۔

''اچھی چائے بنائی ہو تم۔'' اس نے گرم چائے کا ایک گھونٹ لے کر بے معنی خاموشی کو توڑا۔

''میں سب اچھا اچھا ہی کرتی ہوں۔'' کندھے اچکا کر وہ بے نیازی سے بولی۔

''اتنا اعتماد ہے خود پر؟'' مشائم محظوظ ہوئی تھی۔

''کیا آپ کو نہیں ہے خود پر؟''

''ہے اور کیوں نہیں ہوگا؟''

''ہونا بھی چاہیے، آپ کے اعتماد پر تو مجھے اعتماد ہے۔'' مشائم نے چونک کر اسے دیکھا، مگر اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھی تھی، اس نے اس کی اس ذومعنی جملے کا مطلب پوچھنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ یعقوب باجوہ کے گھر کے گیٹ کے باہر کار آ کر رکنے پر وہ اندر سے پوری کی پوری ہل گئی تھی، کھلے ہونٹوں کو بند کرنا تک بھول گئی تھی، آنکھیں جھپکنا تک، کار سے نکل کر حازم نے گیٹ کھولا تھا اور کار سست روی سے چلتی سرخ روش پر آ کر رک گئی تھی، کار سے بیگ نکال کر حازم سیدھا ہوا تو غیر ارادی نظر سامنے موجود ٹیرس پر پڑی تھی اور پھر ٹھہر گئی تھی۔

''او ہائے۔'' اس نے ہاتھ ہلا کر بھرپور خوشی کا اظہار کیا تھا، جواباً مشائم نے بھی ہاتھ ہلا کر اسے ہیلو کہا تھا، کار سے نکلتا سرحان ایک لمحے کو بس ایک لمحے کو منجمد سا ہو گیا تھا مگر دوسرے ہی پل وہ سر جھٹکتا اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا تھا، فرزام بھی اس کے پیچھے تھا اور حازم اسے گھر

آنے کا کہہ رہا تھا، مشائم نے آنے کا اشارہ کر کے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بس پھر دیکھتی ہی رہ گئی، کیفی یک ٹک، دنیا و مافیہا سے بے نیاز جازم کو دیکھ رہی تھی جو اب اندرونی حصے کی طرف جا رہا تھا، مگر کیفی کی نظریں تو واپس پلٹنے سے انکاری ہو گئی تھیں جیسے، وہ اندر چلا گیا تو وہ بھی جیسے دنیا میں واپس آ گئی تھی، مشائم پر نظر پڑتے ہی اسے خفیف سا جھٹکا لگا تھا، وہ اسے کچھ کچھ معنی خیز اور کچھ الجھی نظروں سے دیکھ رہی تھی، کیفی نظریں چرا کر ریلنگ کے نزدیک ہو گئی۔

''میرے انجام اور حال سے واقف ہونا تم؟'' وہ عام سے انداز میں بولتی اس کے ساتھ جا کر کھڑی ہو گئی تھی، شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، پرندے اپنے آشیانوں کی طرف واپسی کا سفر طے کرنے لگے تھے، کیفی کے سینے سے ایک بوجھل سی سانس برآمد ہوئی تھی۔

''واقف تو آپ دادی کی نفرت سے بھی تھیں مشائم لیکن پھر بھی ڈٹ کر کھڑی ہو گئیں تھیں بالکل اسی طرح واقف میں بھی ہوں مگر ڈٹ کر کھڑے ہونے سے خود کو روک میں بھی نہیں سکتی۔'' اس کی نظریں بہت دور کہیں گہرائی میں اترنے لگی تھیں۔

''دراصل انسان جب بے اختیار ہو جاتا ہے تو بے بسی کی بلند چوٹیوں پر پہنچ جاتا ہے اور بد قسمتی سے محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو بے بسی کی بلند ترین چوٹی پر لے جاتا ہے، دل جب ضد پر اڑ جائے تو آپ جانتی ہوں گی مشائم کہ پھر سانسیں بھی بے اختیاری ہو جاتی ہیں۔'' وہ بہت آہستہ بڑے ہی مدھم انداز میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی، مشائم نہ تو حیران ہوئی اور نہ چونکی اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، محبت ہو اور بندہ فلسفی نہ بنے، پھر تف ہے ایسی محبت پہ۔

☆☆☆

ہے نمایاں تیرے جذبات کی صداقت محسن
ایک شخص کا برسوں تجھے پاگل رکھنا

''ویسے کون سے الفاظ میں خراج تحسین پیش کروں میں تمہیں؟'' تکیے پر سینہ ٹکائے وہ بیڈ پر الٹا لیٹا تھا، سامنے پڑی کرسی کے بازو پر کہنی ٹکا کر ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے مشائم گم صم بیٹھی تھی، بالکل اداس، کچھ کچھ افسردہ سی، سرحان اور فرزام شکار پر نکلے تھے، یعقوب باجوہ ہاسپٹل اور ظل ہما لاؤنج میں تھیں۔

''بتاؤ نا کون سے الفاظ تخلیق کروں تمہارے لیے؟''

''بکواس بند کرو تم۔'' وہ بے زار ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''ویسے کتنا سرپرائزنگ تھا نا بندہ تمہارے سامنے بیٹھا تھا اور تمہیں پہچانتا نہیں تھا۔'' وہ اٹھ کر گود میں تکیہ رکھ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

''میرے سامنے نہیں بیٹھا تھا۔'' وہ ہنوز باہر دیکھ رہی تھی۔

''ایک قسم کا سامنے ہی بیٹھا تھا بی بی، ویسے جتنا وہ تمہیں اپنے پیچھے خوار کر چکا ہے نا اب تک تمہیں چاہیے کہ بحرالکاہل میں ڈبکیاں کھا کر مر چکی ہوتی، لیکن نہیں کون سی لیچر قسم کی ہڈی تمہارے اندر فٹ ہے؟'' وہ اسے تپا رہا تھا اور وہ تپ رہی تھی۔

''تم سر پھڑوا لو گے مجھ سے اور پھر تمہیں پتا لگ جائے گا کہ وہ کون سی لیچر ہڈی ہے۔'' مشائم نے دانت کچکچائے۔

''ویسے مشائم زیادتی نہیں کر دی تم نے میرے ساتھ، آخر ہے کیا اس میں جو اس کے سامنے تمہیں میں نظر نہیں آیا۔'' وہ گہری افسردگی

سے بولا۔

''اتنا ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہوں میں بس ایک آنکھ کا اشارہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔''
مبالغہ آمیزی کی حد کرتا وہ زہر لگا تھا اسے۔

''بدتمیز ذلیل انسان شرم نہیں آتی تمہیں ایک نمبر کے کمینے ہو تم، بھائی کی بیوی سے فلرٹ کرنے سے پہلے ڈوب کر مر جانا چاہیے تھا تمہیں۔'' اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ارے واہ ایسے ہی ڈوب کر مر جاؤں اور بھائی کون سا منہ لگاتا تمہیں۔'' مشائم نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا، بات بے شک وہ مذاق میں کر رہا تھا مگر تھی تو وہ حقیقت ہی نا، حقیقت بھی ایسی جو دل کو جلا کر راکھ کر دے۔

جازم کو دیر سے ہی سہی مگر اپنے کہے الفاظ کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا، حالانکہ اس سے پہلے بھی وہ اس سے ایسی باتیں کرتا رہتا تھا مگر آج مشائم کچھ زیادہ ہی زود رنج ہو رہی تھی۔

''ویسے بتاؤ نا جب بھائی تمہیں دیکھ کر بھی ان جان بن گیا تھا تو کیا تاثرات تھے تمہارے؟'' اب وہ کسی رپورٹر کی طرح بیٹھا بڑی سنجیدگی سے اس کے جواب کا منتظر تھا، مشائم نے ٹھنڈی سانس اندر کھینچی۔

''کیا تاثرات ہونے تھے جازم، توقع نہیں تھی یوں، اس طرح اسے اپنے سامنے دیکھوں گی، وہ اپنے فرینڈ کی شادی پر آیا تھا اور میں دوست کے کزن کی شادی پر، کئی دفعہ ہم دونوں آمنے سامنے ہوئے مگر ہر بار اس کی آنکھوں میں اتنی اجنبیت اور سرد مہری ہوتی تھی کہ میں چاہ کر بھی اسے مخاطب نہیں کر سکی۔'' آخر تک آتے آتے وہ بڑی دل گرفتہ سی ہو گئی تھی اور جازم کے دل میں اس دل گرفتگی نے بڑا درد پیدا کیا تھا، اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ سرحان کیا واقعی اتنا سنگ دل تھا یا صرف مشائم کے لئے وہ آخری حد بھی عبور کرنا ثواب سمجھتا تھا۔

☆☆☆

جب سے اترا ہے آسیب کی مانند مجھ میں
جوگی بن کر ہیں کئی خواہشیں محو رقصاں

وہ رات کو جازم کے ساتھ لان میں چہل قدمی کر رہی تھی، جازم کو اس کا سایہ کہا جاتا تھا اور بالکل ٹھیک کہا جاتا تھا، آج وہ کچھ اداس تھی اور کیوں نہ ہوتی سرحان باجوہ نے ایک نظر بھی اسے دیکھنے کا گناہ نہیں کیا تھا، آتے جاتے اڑتی پڑتی کوئی ایک نظر بھی مشائم کا مقدر نہیں بنی تھی اور ایسے میں جازم ایک پل کو بھی اس کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھا، اسے ہنسانے کے لئے اس نے یونیورسٹی کے کئی قصوں میں مبالغہ آمیزی کی حد کر دی تھی اور جب تک مشائم کی ہنسی قہقہوں میں نہیں بدلی تھی تب تک اس نے مسلسل بائیں کندھے والے فرشتے کو زحمت دی ہوئی تھی۔

کچن میں کھڑا اپنے تازہ لائے شکار کو بھونتا سرحان کتنی ہی دفعہ ان قہقہوں پر جزبز ہوا تھا اور ایک دو بار تو اس نے ناگواری نظر سے بھی لان والوں کو نوازا تھا، مگر وہ تھوڑی دیکھ رہے تھے جو اس شرف پر باغ باغ ہوتے، کچن کی کھڑکی اس رخ پر تھی کہ لان سارا کا سارا کچن میں سے نظر آتا تھا مگر باہر کھڑا کوئی بندہ اندر کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''مشائم اب آ جائیں واپس کچھ دادی پر رحم کھائیں۔'' ریلنگ پر آگے کو لٹکی کیفی آہستہ آواز میں چلائی۔

''دادی نے مجھ پر رحم کیا تھا جو میں دادی پر کروں۔'' وہ نخوت سے ناک چڑھا کر بولی، کیفی نے بے چارگی سے اسے دیکھا، وہ چاہتی تھی کہ

مشائم اب واپس آجائے اس سے پہلے کہ دادی کا پارہ مزید ہائی ہوتا، مشائم کو آ جانا چاہیے تھا۔

''پلیز مشائم دادی کا غصہ ہم سب پر نکل رہا ہے، کچھ تو ہمارے بارے میں سوچ لیں۔'' وہ منت کرتے ہوئے بولی۔

''تو ٹھیک ہے نا انجوائے کرو، مزہ لو۔'' وہ خود بھی بڑے مزے میں چہل قدمی کر رہی تھی، جازم نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکراہٹ روکی، کیفی نے بے چارگی سے جازم کو دیکھا، دل تو چاہا کہ ایک دفعہ اسے مخاطب کر کے بولے کہ مشائم کو بھیج دو، مگر پھر خود ہی رک گئی دل میں چور ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے ہر نظر ہم پر ہی نوکس ہے ہر کان بس ہمیں ہی سن رہا ہے اور جو بات چھپی تھی اسے وہ خود سے کھولنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی، وہ مشائم باجوہ نہیں تھی جو ڈٹ جاتی وہ کیفی باجوہ تھی وہ مشائم کو سپورٹ تو کر سکتی تھی مگر اس کی طرح ہمت نہیں کر سکتی تھی، مگر ایک بات وہ جانتی تھی اور یہ طے تھا کہ محبت میں پہل کرنے کی حماقت ہمیشہ سے کوٹھی کی لڑکیوں سے ہی سرزد ہوئی تھی، جسے وہ اعزاز سمجھ کر کرتی تھیں۔

''تم اسے بلانے آئی تھی یا خود، یہاں بت بن کر کھڑے ہونے کے لئے؟'' عاشبہ کی تیز آواز پر ان دونوں نے مڑ کر اوپر دیکھا، جازم کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی کیفی بری طرح گڑبڑائی، مگر دیر ہو چکی تھی، ہمیشہ کی طرح وہ عاشبہ کے ہاتھوں پکڑی گئی تھی، ناگوار نظروں سے اسے دیکھ کر عاشبہ نے رخ روشن مشائم کی طرف موڑا۔

''تم اب گھر واپس آ جاؤ گی کہ پاؤں پکڑوانے کا ارادہ رکھتی ہو؟'' اس کا سرخ چہرہ اور کاٹ دار لہجہ اس بات کی نشانی تھا کہ بے چاری سخت قسم کی عزت افزائی کا اعزاز حاصل کر کے آئی ہے۔

''اگر تم پکڑنے کا ارادہ رکھتی ہو تو ہرگز انکار نہیں کروں گی۔'' اس نے آنکھیں پٹپٹا کر دیکھا عاشبہ اندر تک سلگ گئی۔

''تم یہ کیوں چاہتی ہو کہ دادی اب چھوٹے تایا کو فون کریں۔'' اس نے دھمکی دینے کی کوشش کی، جس کا کم از کم مشائم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''ہاں تو کریں نا تمہارے چھوٹے تایا ان کے بیٹے ہوتے ہیں انہیں فون نہیں کریں گے تو کسے کریں گے۔''

''تم اتنی ضدی اور ڈھیٹ کیوں ہو مشائم؟'' وہ زچ ہو کر بولی، دادی نے غصے میں کھانا نہیں کھایا تھا، کھانا نہیں کھایا تھا تو دوا بھی نہیں لی تھی جس کی وجہ سے ان کا بلڈ پریشر مسلسل ہائی جا رہا تھا اور کچھ مشائم کی لگائی آگ، وہ دوپہر سے یہاں تھی اور وہاں صفورا بیگم کی توپوں کا رخ باقی گھر والوں کی طرف تھا جن میں سر فہرست حاویہ، عاشبہ اور کیفی تھیں، ڈھیٹ مشائم تھی مگر اس کے حصے کی بھی عزت افزائی ان تینوں کا مقدر بنتی تھی، دادی کو لگتا تھا کہ یہ تینوں بھی اتنی ہی خودسر، اتنی ہی ڈھیٹ اور اتنی ہی کوٹھی والوں کی عشق میں پاگل ہیں، اگر نہیں ہیں تو ہو جائیں گی سو ضروری ہے کہ انہیں اوقات سر رکھا جائے، جو کہ وہ بڑی اچھی طرح رکھتی تھیں۔

''اچھا ہو گا کہ تم اب واپس آ جاؤ مشائم باجوہ، اگر تھوڑی سی غیرت رکھتی ہو تو کیونکہ جس کے لئے تم وہاں کھڑی ہو وہ تمہیں نظر بھر تو کیا ایک نظر بھی نہیں دیکھے گا، تم اس پر اپنے جذبات لٹا چکی ہو اور اپنی انا تک لٹا چکی ہو اور وہ بھرے ہاتھوں کھڑا تمہارا تماشہ دیکھ رہا ہے، سو واپس آ جاؤ مشائم اس لئے نہیں کہ دادی انگاروں پر لوٹ رہی ہیں بلکہ اس لئے کہ تم نفرت میں جھلس رہی ہو اور یہ نفرت تمہیں اندر سے خالی کرتی جا رہی

ہے، رحم کھاؤ مشائم دادی پر نہیں بلکہ خود پر۔"
بات مکمل کر کے اس نے انہی نظروں سے کیفی کو دیکھا تھا جو وہ مشائم پر گاڑے ہوئی تھی، کیفی آنکھوں میں نمی لئے اس کے پیچھے ہی وہاں سے چلی گئی تھی، مشائم نے اس سارے زہر کو بڑی مشکل سے اپنے اندر اتارا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی لکڑی کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی اور کچن میں کھڑا سرحان دیر تک لان میں اس جگہ پر نظریں جمائے رہا جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھڑی تھی۔

☆☆☆

ہر چند کے حالات موافق نہیں پھر بھی
دل تیری طرف داری میں سفاک بہت ہے

"السلام علیکم!" لان میں رکھی چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس نے ان تینوں کو سلام کیا جو گول میز کے اردگرد رکھی کرسیوں پر بیٹھیں خوش گپیوں میں مشغول تھیں۔

"وعلیکم السلام، اب کیسی طبیعت ہے آپ کی، میں آنے لگی تھی آپ کے پاس لیکن پھر دادی نے منع کر دیا کہ آپ کو آرام کرنے دوں۔" اس کا حال پوچھ کر کیفی نے آخر میں منہ بسورا، مشائم ہلکا سا مسکرائی۔

"اب بہتر ہوں، دراصل زکام کی وجہ سے طبیعت زیادہ خراب محسوس ہو رہی ہے۔" بدلتے موسم کی وجہ سے مشائم کو رات سے بخار اور زکام تھا، جس کی وجہ سے وہ سارا دن کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی، شام کو طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ فریش ہو کر لان میں نکل آئی تھی۔

"ایم سوری مشائم کل میں کچھ زیادہ ہی تلخی سے بول گئی، لیکن مجھے اپنی کہی باتوں پر اتنا افسوس نہیں ہے، کڑوی ہی سہی لیکن وہ حقیقت تھی، جسے اب تمہیں مان لینا چاہیے۔" عاشبہ کی بات پر مشائم کا چہرہ ایک دم سے تن گیا تھا۔

"شکریہ اس نصیحت کے لئے، لیکن کیا ہے نا عاشبہ مجھے نصیحتیں پسند نہیں ہیں، نہ تو میں کرنے میں انٹرسٹ رکھتی ہوں اور نہ سننے میں، سو پلیز بی کیئر فل فار نیکسٹ ٹائم۔" بات مکمل کر کے وہ کرسی سے اٹھی اور مناسب قدم اٹھاتی مین گیٹ عبور کر گئی، گلی میں نکل کر اس نے قدرے لمبا سانس اندر کھینچا ایسے جیسے اپنے تنے اعصاب کو ڈھیلا کر رہی ہو، حالانکہ اس وقت خواہش ایک ہی تھی کوئی پر سکون سنسان کونا ہو جہاں گھٹنوں میں سر دیے کر وہ بے تحاشا روئے اتنا روئے کہ ہر جذبہ آنکھوں کے رستے آنسوؤں میں بہہ جائے پھر کوئی محبت، کوئی عشق اس کے اندر باقی نہ بچے جو اسے خوار کر سکے جو اسے اس طرح سے تماشا نہ بنا سکے کہ وہ ہر کسی کے لئے ایک ٹریجڈی ڈرامہ بن کر رہ جائے۔

اس نے غیر ارادی طور پر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے جیسے تکلیف دہ تاثرات مٹانا چاہتی ہو، ایک ہاتھ سے بالوں کو صحیح کیا اور یعقوب باجوہ کے گھر کے اندر داخل ہو گئی، مگر آگے بڑھتے قدم کشش ثقل میں جیسے الجھنے لگے تھے، لان میں بیٹھے یعقوب باجوہ، ظل ہما اور سرحان کو دیکھ کر وہ رک گئی تھی، یعقوب باجوہ اور ظل ہما دونوں کی پشت اس کی طرف تھی مگر سامنے بیٹھا سرحان ایک سرسری نظر اٹھا کر ٹھہر گیا تھا مشائم کی آنکھوں میں پھیلا درد اس کے اندر قطرہ بہ قطرہ اترنے لگا تھا، مشائم نے آنسوؤں کا گولا بہ مشکل حلق سے نیچے اتارا، چند پل خود پر ٹھہر جانے والی آنکھوں میں دیکھتی رہی اور پھر واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆

"آپ کو اس طرح نہیں بولنا چاہیے تھا

مشائم سے۔'' کیفی سے عاشبہ کا لہجہ و انداز برداشت نہیں ہوا تھا، بلکہ ہمیشہ ہی وہ جب بھی مشائم سے تلخ انداز میں بات کرتی تھی کیفی بہت برا محسوس کرتی تھی، اس لئے اب بھی حادیہ کے اندر جاتے ہی وہ عاشبہ سے الجھنے لگی تھی۔

''کس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی؟''

عاشبہ نے ابرو اچکائے۔

''یوں اتنی تلخی اور سختی سے، سرحان بھائی کا معاملہ مشائم کا انتہائی پرسنل میٹر ہے، آپ کو تو کیا کسی کو بھی اس میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

''حق ہے مجھے، تمہیں اور اس فیملی کے ہر ایک بندے کو حق ہے، کوئی بھی معاملہ پرسنل بس اس وقت تک ہوتا ہے جب وہ صرف آپ کی ذات سے منسلک ہو، لیکن یہ معاملہ صرف مشائم کی ذات تک محدود نہیں ہے، دادی انوالو ہیں اس معاملے میں اور وہ گھسیٹ کر ہمیں بھی اس میں انوالو کرتی ہیں۔'' اس نے گہری سانس کھینچی اور کرسی کی پشت سے ٹشک لگالی۔

''دادی کی شدید نفرت اور مشائم کی شدید محبت دونوں ہی حد سے بڑھے ہوئے جذبے ہیں اور جب اتنی شدت سے دو مخالف جذبات ٹکرائیں گے تو تباہی تو ہوگی ہی اور اس تباہی میں مشائم کے ساتھ ساتھ ہم سب کا کہیں نہ کہیں نقصان تو ضرور ہوگا۔'' وہ آسمان کو دیکھتے بولتی جا رہی تھی، رواں اور آہستہ آواز میں، جیسے خود سے ہی ہم کلام ہو۔

''جذبے اعتدال میں ہی اچھے لگتے ہیں کم از کم اب میرا ایمان تو اسی بات پر ہے، دادی کے اندر اتنی ہمت نہیں کہ وہ مشائم کو سرحان کے ساتھ دیکھ سکیں اور مشائم کے اندر اتنی ہمت نہیں کہ وہ سرحان کو چھوڑنے کے بارے میں سوچ ہی سکے، اتنے شدید جذبے جب اپنی حدود سے تجاوز کریں گے تو سراسر ذلت و رسوائی ہی مقدر بنے گی دادی کا خوف کبھی کے دل میں ہوگا میرا نہیں خیال کے دادی کی عزت کسی کے دل میں ہو اور مشائم......'' اس نے گہری سانس کھینچی۔

''مشائم کے حال سے تو واقف ہی ہو اور یقیناً مستقبل کی پیشن گوئی بھی ناممکن نہیں۔''

عاشبہ نے اسے کچھ جتاتی نظروں سے دیکھا۔

''اور اگر تم نے اپنے قدموں کو یہی پر نہ روکا کیفی تو تمہارا مستقبل بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔''

کیفی کا دل ڈوب سا گیا تھا، کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ مشائم کتنی اذیت میں ہے؟ اذیت میں تو وہ خود بھی تھی، یک طرفہ محبت اذیت ہی تو ہوتی ہے۔

محبت کا حصول شاید ناممکن تھا اور اس راستے سے واپس پلٹ آنا ناممکن تر، عاشبہ اس کے اندر آگ بھڑکا کر خود وہاں سے جا چکی تھی، مگر وہ جو آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو بار بار ہتھیلیوں سے رگڑتی تھی وہ چھوٹی سی لڑکی محبت میں جل رہی تھی۔

☆☆☆

''آپ بھائی سے بات کریں امی، اگر انہیں مشائم قبول نہیں تو آزاد کردیں اسے، جب مرنا ہی ہے تو ایک ہی دفعہ مر جائے وہ، یوں وہ روز روز مرتی وہ کیوں اذیت میں رہے۔''

اس کے سخت الفاظ مگر دل برداشتہ انداز ظل ہما کو بھی دل گرفتہ کر گئے، جازم نے آنکھوں میں ابھرتی نمی کو ہتھیلیوں سے رگڑا، وہ آج اسے دیکھ کر آیا تھا، وہ لمبی سڑک پر دور تک جاتی تھی اور اس کے گال بھیگتے جاتے تھے، ڈھلتی شام میں وہ پاگل دکھتی تھی، محبت میں بکھری لگتی تھی، عشق میں مرتی لگتی تھی اور جازم کو اس ٹوٹتی بکھرتی لڑکی پر ٹوٹ کر ترس آیا، وہ ظل ہما کو نہ بھی بتاتا تو کیا وہ

خود نہیں جانتی تھیں کہ انتظار طویل ہو جائے تو نظریں پتھرا جاتی ہیں، دل معمول سے ہٹ کر چلنے لگتا ہے، بے اعتبار جو ہو جاتا ہے، جازم انہیں سوچوں میں الجھتا چھوڑ کر باہر لان میں نکل آیا، اس نے لمبی سانس خارج کی مگر دل کا بوجھل پن جوں کا توں رہا۔

بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ پیچھے مڑا تو چونک گیا، لکڑی کے دروازے کو زور سے ٹھک کی آواز کے ساتھ اپنے پیچھے بند کرتی بھیگی بھیگی آنکھوں میں آنسو لئے وہ کیفی تھی اسے مکمل نظر انداز کرتی اندرونی حصے کی طرف آ رہی تھی جازم دس قدموں کا فاصلہ پلک جھپکتے طے کرتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''پیچھے ہٹو مجھے ظل ماں سے بات کرنی ہے۔'' اس کی آنکھوں کی طرح اس کی آواز بھی پرنم تھی۔

''کیوں خیریت ہے؟ کیا بات کرنی ہے؟'' اس نے سرسری انداز میں پوچھا، البتہ گہری نظریں کیفی پر جمی تھیں۔

''ظل ماں سے کہو وہ مشائم کو بولیں وہ واپس چلی جائے یہاں سے۔'' آنکھوں میں رکے آنسو گالوں پر گر پڑے۔

''اور اگر ظل ماں نے کہا کہ تم بھی اب واپس پلٹ جاؤ کیفی تو پھر؟'' سینے پر دونوں بازو باندھے اس کی طرف دیکھا، وہ اسے حد سے زیادہ بے حس لگا اور کیفی کو شک ہوا کہ ان دونوں بھائیوں کو بے حسی وراثت میں ملی ہو جیسے، آخر دل بھی کہیں اتنا بے رحم ہوتا ہے۔

جازم استجائیہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا، دیکھتا رہا، کئی پل تک، خاموش نگاہوں سے یہاں تک کہ کیفی ایک قدم واپس ہوئی اور اس سے پہلے کہ وہ مڑتی اور پلٹ جاتی، وہ جازم کی سرد آواز نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا، آنسو منجمد ہو گئے۔

''تمہارے اندر تو اس راہ پر چلنے کے لئے ہمت اور حوصلہ ہی نہیں۔'' سردی سے زیادہ بے رخی کا تاثر تھا اس کے انداز میں، کیفی کو برا لگا، اتنی بے اعتباری۔

''تم نے مجھے کون سا دلاسہ دیا ہے جازم باجوہ جو ہمت اور حوصلے کی بات کرتے ہو، پہلے عہد دو اور پھر حوصلے کی بات کرنا۔''

''میں عہد دیتا ہوں کیفی باجوہ، میں جازم یعقوب محبت کے ہر موڑ پر تمہیں سراپا محبت ملوں گا۔'' کیفی نے بے یقینی سے اس کے روشن چہرے کی طرف دیکھا جہاں محبت نور بن کر چمک رہی تھی اور اندھیرے میں ڈوبی اندھیرے ہی کا حصہ بنی مشائم سوچ رہی تھی، کیا عہد دینے والوں کے چہرے پر ایسا ہی نور چمکتا ہے؟ اور ان دونوں سے اوپر ٹیرس پر کھڑا سرحان سوچ رہا تھا کہ اس نے مشائم کو کون سا عہد دیا تھا جو وہ اتنا سفر بڑے حوصلے اور ہمت سے طے کر آئی تھی؟ اس نے تو نفرت کا سمندر بہایا تھا اس کے پاس ایسا کون سا عصاء تھا جو محبت کے راستے بناتا آیا تھا۔

☆☆☆

ہم سے نفرت واجب تھی انہیں
یہ نہ کرتے تو پیار ہو جاتا

صبح سحر کا وقت ہوا تو مغرب کی طرف سے آئیں کالی گھٹائیں ٹوٹ کر برسیں، زمین جل تھل ہو گئی اور سوندھی خوشبو ہر سو پھیل گئی، ظل ہما نے نماز اور تلاوت ختم کی اور کچن میں چائے بنانے چلی گئیں ان کے ہونٹوں پر مسلسل درود جاری تھا ایک اضطراب تھا جو ان کے چہرے سے چھلک رہا تھا جسے یعقوب باجوہ نے با آسانی پڑھ لیا تھا ان کے سامنے پڑے میز پر چائے رکھ کر وہ خود

بھی دوسری کرسی پر بیٹھ گئیں، یعقوب باجوہ بغور ان کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے؟'' ان سے رہا نہ گیا تو پریشانی کی وجہ پوچھنے لگے۔

''ہاں آج سرحان واپس ڈیوٹی پر جا رہا ہے۔'' انہوں نے تنے تنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''تو اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟'' انہوں نے حیرانگی سے پوچھا، جواباً ظل ہما نے انہیں ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کیا آپ کو نہیں پتا، مگر وہ ان کی نظروں کا مفہوم سمجھے بغیر سابقہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے رہے۔

''یعقوب میں چاہتی ہوں کہ سرحان اب کوئی فیصلہ کرلے چھ سال ہو چکے ہیں نکاح کو، اس سے پہلے کہ مراد اور نتاشا مجھ سے سوال کریں، مجھے سرحان سے اب بات کر لینی چاہیے۔''

''ہوں تو اصل پریشانی یہ ہے۔'' انہوں نے گہری سانس کھینچ کر چائے کا کپ اٹھالیا، ظل ہما نے اثبات میں گردن ہلائی اور کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کیا جواب ہوگا سرحان کا؟'' یعقوب نے سوالیہ نظروں سے ان کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا۔

''ان گزرے دنوں میں جو سرحان کا رویہ مشائم کے ساتھ رہا ہے وہ کوئی اتنا حوصلہ افزا نہیں ہے بلکہ بالکل بھی حوصلہ افزا نہیں ہے، ان گزرے چھ سالوں میں اس نے ایک دن بھی کبھی خود سے مشائم کے بارے میں بات نہیں کی، اس کا رویہ پہلے دن کی طرح سرد سا ہے۔''

''ہوں، چلو تم ایسا کرو پہلے اس سے بات کر کے دیکھ لو، ہوسکتا ہے کوئی حوصلہ افزا جواب مل جائے۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولے، ظل ہما نے اثبات میں گردن ہلا کر چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

☆☆☆

بارش کچھ کم ہوئی تو یعقوب ناشتہ کرنے کے بعد ہسپتال چلے گئے، جازم ابھی تک سو رہا تھا، وہ اپنے اندر ہمت مجتمع کر کے سرحان کے کمرے کی طرف چلی آئیں، جواب ضروری بھی تھا اور جواب تکلیف دہ بھی، وہ ایک ایسی ماں تھیں جو اپنے بچوں کی رگ رگ سے واقف تھیں اور وہ بھی سرحان کو جانتی تھیں، اس لئے قدم لڑکھڑا رہے تھے، دل کہتا تھا جو اک پردہ ہے اسے رہنے دیا جائے، یہ پردہ درمیان سے ہٹا تو بہت تکلیف ہوگی مگر پھر مشائم کا چہرہ ان کے قدموں کی مضبوطی بن جاتا، آخر اب جواب تو ضروری تھا۔

کالی شرٹ جس کے کف اس نے کہنیوں تک موڑے تھے، نیلی جینز اور بلیک شوز وہ مکمل تیار تھا جانے کے لئے، اپنا مختصر سامان وہ بیگ میں رکھ رہا تھا، شرٹس بیگ میں رکھ کر اس نے جھکا سر اٹھایا تو دہلیز میں کھڑیں ظل ہما کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، جواباً ظل ہما کے ہونٹ بھی دائیں بائیں پھیلے مگر ان کی مسکراہٹ میں وہ شگفتگی نہیں تھی، جو کہ ہوتی ہے اور جو کہ ہونی چاہیے۔

''اندر آئیں نا آپ وہاں کیوں کھڑی ہیں؟''

''تم جا رہے ہو؟'' ست قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے غیر ارادتاً پوچھا۔

''جی آج شام تک ڈیوٹی جوائن کرنی ہے اس لئے جلدی نکلوں گا۔'' تفصیل سے بتا کر اس

نے بیگ کی زپ بند کی۔

''سرحان مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

سوکھے لبوں پر زبان پھیرتیں وہ چہرے سے پریشان دکھتی تھیں، سرحان نے ان کے چہرے سے چھلکتے اضطراب کو بغور دیکھا تھا، بھنوئیں سکیڑ کے اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''مجھے تم سے مشائم سے متعلق بات کرنی ہے سرحان، آخر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے اس کے بارے میں؟ آخر کون سی منزل دو گے تم اپنے رشتے کو؟''

''میرا تو رشتہ تو نہیں ہے یہ آپ کا زبردستی کا بنایا گیا رشتہ ہے۔'' وہ طنزیہ مسکرایا۔

''اور منزل میں کیا اسے منزل دوں جس کے راستے پر میں کبھی چلا ہی نہیں۔'' اس نے کندھے اچکائے اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا، ظل ہما کو اس کی بے حسی اور سرد مہری پر تاسف ہوا اور بے یقینی بھی، اتنی شدت سے کی جانے والی محبت کا جواب اتنی سرد مہری سے کیسے دیا جا سکتا ہے؟ وہ جس خاموشی کے ساتھ آئی تھیں، اسی خاموشی کے ساتھ واپس پلٹ گئی تھیں وہ جواب لینے آئی تھیں اور جواب انہیں دے دیا گیا تھا مگر یہ تو سرحان ہی جانتا تھا کہ جواب کیسے دے رہا تھا، وہ سیڑھیوں کے وسط میں کھڑی مشائم کو دیکھ چکا تھا جو ظل ہما کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر ان کے پیچھے ہی وہاں آئی تھی، بارش بوندا باندی کی صورت تھی اور اب وہ بھی ختم ہو گئی تھی، ظل ہما کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھ وہ رخ موڑ کر سیڑھیاں اترنے لگی، انہوں نے گہری سانس کھینچی ایک طرح سے یہ بھی ٹھیک تھا اس نے خود ہی سن لیا تھا ورنہ اسے کیسے یہ سب بتاتی یہ بھی ایک مشکل ترین مرحلہ تھا۔

☆☆☆

کوئی ملتا ہے تو اب اپنا پتا پوچھتا ہوں
میں تیری کھوج میں تجھ سے بھی پرے جا نکلا
توڑ کر دیکھ لیا آئینہ دل تو نے
تیری صورت کے سوا اور بتا کیا نکلا

آنسو آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گالوں پر گر رہے تھے وہ گھر کے پچھلے حصے میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر ایسے کھلے بالوں میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسائے آگے کو جھک کر بیٹھی تھی جیسے سب ہار کر آئی ہو، اب تک کا سفر ایک سراب کا سفر ہو اور حقیقت اب آشکار ہوئی ہو، زخم سارے کھلے پڑے ہو اور کوئی دست مسیحا نہ ہو۔

اب کہیں جا کر مشائم کو احساس ہوا تھا اس محبت کے کھیل میں، سارا خسارا تو اسی کا تھا، اتنے سال جو وہ کھیلی تو صرف خود کے ساتھ، اپنے جذبات کے ساتھ، اپنی محبت کے ساتھ، اپنی ذات کے ساتھ، ظل ہما نے جو ٹوٹی بکھری مشائم کو دیکھا تو خود بھی ٹوٹ گئیں، ایسا بھلا کب سوچا تھا انہوں نے، ان نے تو بس یہی چاہا تھا کہ مشائم ہمیشہ ان کے پاس رہے، ذرا سی خود غرضی دکھائی تھی انہوں نے اور سزا اتنی تکلیف دہ۔

وہ خاموشی سے سر جھکا کر اس کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں، مشائم نے بھی اتنی ہی خاموشی کے ساتھ اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا، اس کی مدھم مدھم سسکیاں ظل ہما کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان لا رہی تھیں، مگر وہ بے بس تھیں، جتنا وہ اسے مجبور کر سکتی تھیں وہ کر چکی تھیں۔

☆☆☆

اور وہ نہ مجبور ہونے والا بندہ بیگ کندھے پر رکھے یوں جا رہا تھا جیسے پیچھے مڑ کر دیکھے گا تو پتھر ہو جائے گا، مدھم ہوتیں ہچکیوں کی آوازیں اس کے اندر جمع ہوتی جا رہی تھیں، بارش رک چکی

تھی اور درختوں کے پتوں پر بارش کے قطرے یوں اٹکے تھے جیسے پلکوں کی باڑ پر رکے آنسو۔

☆☆☆

واپسی کا سفر بہت بوجھل دل کے ساتھ طے ہوا تھا، حالانکہ نفرت تو بس اسے صفورا بیگم کے رویے سے تھی ان کے تحقیرانہ انداز سے تھی، مشائم تو بس اس کے اندر کا غبار نکلنے کا روزن بن گئی تھی، جس پر اپنی بے رخی اس نے دل کھول کر ظاہر کی تھی اور اب دل بالکل خالی تھا، جس میں ان سسکیوں کی آوازیں صحرا کی دھول کی طرح چکراتی تھیں، جن کو وہ سن کر آیا تھا اور جن سے وہ بچ کر آیا تھا۔

آفس میں وہ رات تک رہا تھا اور بالکل ایسے تھا جیسے وہاں موجود ہی نہ ہو، ظل ہما کو وہ ایک قسم کا جواب دے کر آیا تھا، مگر سچ تو یہ تھا کہ وہ خود کو بھی اس طرح کا کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا، ہاں یہ سچ تھا کہ ان چھ سالوں میں اس نے مشائم سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی، اس کے متعلق کوئی بات نہیں کی مگر اس سب کے باوجود وہ اس رشتہ کو ختم کرنے کو تیار نہیں تھا، وہ مشائم کے ذریعے سے صفورا بیگم کو تکلیف دینا چاہتا تھا، ان سے اس رویے کا بدلہ لینا چاہتا تھا جو وہ اس کے ساتھ اور اس کے گھر والوں کے ساتھ روا رکھتی تھیں، اس نے مشائم سے کبھی نکاح کے بارے میں نہیں سوچا اس کی اپنے لئے بے تحاشا محبت کے باوجود، وہ ہمیشہ اس کو اگنور کرتا آیا تھا، آج تک اگنور کر رہا تھا، وہ فطرتاً خود کو اپنے احساسات کو چھپا کر رکھنے والا تھا، اگر چاہتا بھی تو کسی پر بھی اپنی محبت ظاہر نہیں کر سکتا تھا، لفاظی اسے آتی نہیں تھی اور اس کے ماتھے سے تیوریاں ہٹتی نہیں تھی، جو کسی کو اس کے قریب نہیں آنے دیتی تھیں، یہ بات اسے معلوم تھی مگر وہ خود بھی مجبور تھا، انسان عادت بدل سکتا ہے فطرت نہیں۔

شدید الجھن میں گھرا کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا، وہ اب تک چار اسٹرانگ چائے کے کپ پی چکا تھا اور اب بھی آرڈر دے کر پلٹا تھا جب دروازے میں کھڑے فرزام کو دیکھ کر چونکا، اس کی نظر بے ساختہ گھڑی کی طرف اٹھی تھی، جہاں رات کے ایک بج کر اکیس منٹ ہوئے تھے۔

''خیریت تم اس وقت یہاں؟''

''تم ریذیڈنس پر نہیں ملے سو سوچا یہاں چیک کرلوں۔'' فرزام کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتانے لگا۔

''ویسے سب ٹھیک ہے نا، نائٹ ڈیوٹی ہے آج کیا؟ یا اوپر سے کوئی خاص آرڈر آئے ہیں؟'' یونیفارم کے کف لنکس فولڈ کرتا وہ ریلیکس انداز میں بیٹھا، نفی میں سر ہلاتا سرحان میز کے کونے سے کمر ٹکا کر کھڑا ہوگیا۔

''بس یونہی۔''

''واہ اتنے ذمہ دار آفیسر ہمیں کہاں ملیں گے۔'' فرزام کی شگفتگی پر وہ پھیکا سا مسکرایا، فرزام نے اس کا یہ انداز خاص نوٹ کیا۔

''خیریت سرحان کوئی پریشانی ہے کیا؟'' وہ کرسی پر سیدھا ہوا، سرحان نے گہری سانس کھینچی اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

''پتا نہیں یار مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی، سب کچھ میں اپنی مرضی سے کرتا رہا، نکاح کے بعد امی یا ابو میں سے بھی کسی نے مجھے ٹوکا نہیں، شاید وہ اپنی جگہ شرمندہ تھے زبردستی نکاح کی وجہ سے یا نکاح پر ہونے والی بدمزگی سے ناراض، مگر مشائم کا تذکرہ ان میں سے بھی کسی نے کبھی میرے سامنے نہیں کیا، مشائم نے خود سے بھی کبھی مجھ

سے کوئی رابطہ نہیں رکھا، کبھی کوئی شکوہ نہیں کوئی شکایت نہیں، وہ ٹوٹ کر محبت کرتی رہی اور نفرت وصولتی رہی، مگر اب گزشتہ کچھ دنوں سے اس کی آنکھوں میں ایک شکوہ سا مچلتا مجھے محسوس ہوتا ہے، اک حزن کرب جو مجھ تک پہنچ کر مجھے بے بس کر رہا ہے، میں عجیب گلٹی فیل کر رہا ہوں۔'' وہ الجھا الجھا بے ربط بولتا جا رہا تھا، جبکہ فرزام کے ہونٹوں پر ایک جاندار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''مطلب محبت کا تیر تمہارے دل پر چل گیا، اور تو بھی عاشقوں میں شمار ہونے والا ہے۔'' وہ ایک دم سے تالی مار کر چہکا، سرحان کا موڈ بری طرح سے بگڑا۔

''شٹ اپ ڈفر، گلٹی فیل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے اس سے کوئی محبت وحبت ہوگئی ہے بے وقوف انسان۔'' سرحان اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا، فرزام خجل سا ہو کر بیٹھ گیا۔

''کوئی محبت وحبت نہیں تو پھر چھوڑ دو اسے۔'' خجالت کا اثر زائل ہوتے ہی وہ تیز لہجے میں بولا، سرحان کی خونخواریت میں اضافہ ہوا۔

''کیوں چھوڑوں میں اسے بیوی ہے وہ میری۔''

''بڑا خوش رکھا ہوا ہے نا تم نے اپنی بیوی کو۔''

''تجھ سے مطلب، تو بکواس بند رکھ۔''

''تو پھر مجھے کیوں اپنی یہ رام لیلا سنا کر جذباتی کر رہا ہے، جا دریائے راوی کے کنارے بیٹھ کر اپنا غم ہلکا کر۔'' فرزام بے مروتی سے بولا اور بے قاعدہ منہ موڑ کر بیٹھ گیا، سرحان کو اس کی اداکاری ایک آنکھ نہ بھائی، وہ چپ چاپ دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، فرزام نے اسے کن اکھیوں سے دیکھا اور اس کی طرف رخ موڑ لیا، زبان کو وہ بہت کم عرصے کے لئے سکون دے سکتا تھا۔

''ویسے سرحان مجھے ایسا لگتا ہے کہ اب مشائم بہت جلدی واپس چلی جائے گی اور اگر ایسا ہو گیا تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر سرحان کے چہرے پر پھیلنے والے سوالیہ تاثرات دیکھنے لگا، اب اس سے پہلے کہ سرحان ''اب آگے بکو'' بولتا اس نے خود سے ہی جلدی سے بولنا شروع کر دیا۔

''دیکھو نا ملک کے حالات، ڈیوٹی کے بارے میں سخت احکام، تمہارے سامنے ہی ہیں، مشائم دوبئی واپس جائے اس سے پہلے ہی تم اسے پاکستان میں ہی روک لو، کیونکہ یہ تمہاری گلٹی فیلنس تمہیں مجبور کر دے گی کہ تم مشائم سے بات کرنے اس کے پیچھے جاؤ اور وہاں جانے کا پھر نقصان۔'' بات کو دوبارہ اسی موڑ پر لا کر اس نے پھر سے ڈرامائی وقفہ دیا۔

''اب آگے کی بکواس جلدی کرو گے؟''

سرحان نے گھڑی دیکھتے ہوئے عجلت ظاہر کی تو فرزام جی بھر کر بدمزہ ہوا۔

''بکواس تو یہی ہے وہاں جانے کی تمہیں چھٹی نہیں ملے گی اور اگر مل بھی گئی تو ٹکٹ ہی ضائع کرو گے، انہی پیسوں سے اپنے ویلیے پر آئے لوگوں کو کھانا کھلا دینا۔'' اس نے معصوم شکل بنا کر مفت مشورہ دیا، مگر سننے والے نے انتہائی برے موڈ کے ساتھ اسے گھورا تو اسے اپنی ساری محنت اکارت جاتی ہوئی نظر آئی۔

''یار تیرا بھائی پتھر ہے۔'' فرزام نے تھک ہار کر جازم کو میسج سینڈ کیا، وہ جازم کے کہنے پر ہی سرحان سے اس ٹاپک پر بات کرنے کے لئے تیار ہوا تھا، ورنہ وہ اچھی طرح سے سرحان کی بے زاری اور ناراضگی سے واقف تھا، وہ اپنی سنا تو سکتا تھا مگر سننے والوں میں سے نہیں تھا۔

☆☆☆

فرزام کا میسج پڑھ کر جازم نے سر ہاتھوں میں گرا لیا، سرحان کے واپسی کے تاثرات دیکھ کر اسے کچھ امید بندھی تھی مگر اب وہ بھی ختم ہو گئی تھی، مشائم کل رات دس بجے کی فلائٹ سے واپس دوبئی جا رہی تھی اور جازم چاہتا تھا کہ سرحان اسے جانے سے روک لے، مگر سرحان کی بے نیازی عروج پر تھی، ظل ہما نے اب اس معاملے میں مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی، وہ بس اس لمحے سے ڈر رہی تھیں جب انہیں نتاشا اور مراد کو سرحان کا رخصتی کرانے سے انکار پہنچانا تھا۔

لمحہ بہ لمحہ بھیگتی رات کے پگھلتے چاند کا عکس اس کے چہرے پر پڑتا تھا، ٹیرس پر وہ سینے پر دونوں بازو باندھے خاموش کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھی اور بس دیکھتی جاتی تھی، جیسے اپنے درد کو اس تک پہنچا رہی ہو اور وہ اس کا درد بانٹ رہا ہو، اس خاموش کھڑی لڑکی کے اندر کو پڑھ رہا ہو، جانتا ہو جو آنسو بہتے نہیں وہ اندر گرتے ہیں اور کیا تباہی مچاتے ہیں، رات بھیگتی ہوئی، سحر سے جا ملی اور مشائم نے اپنی گلابی پڑتی آنکھوں سے آخری تارے کو سفیدی میں چھپتے دیکھا، سورج کی شعاعوں کے بکھرنے سے پہلے وہ پلٹ کر کمرے میں چلی آئی، بستر پر لیٹ کر اس نے آنکھیں موند لیں، سر ایسے تھا جیسے پل بھر میں پھٹ جائے گا۔

☆☆☆

جتنی دعائیں آتی تھیں
سب مانگ لیں ہم نے
جتنے وظیفے یاد تھے سارے
کر بیٹھے ہیں
کسی طرح سے جی کر دیکھا ہے
کسی طرح سے مر بیٹھے ہیں
لیکن جاناں!
کسی بھی صورت
تم میرے ہو کر نہیں دیتے!!

سب سے مل کر مشائم کار میں بیٹھی اور جازم نے کار آگے بڑھا دی، پیچھے رہ جانے والوں کی آنکھوں میں نمی موتیوں کی طرح چمک رہی تھی، سوائے عاشبہ اور صفورا بیگم کے۔

عاشبہ کی آنکھوں میں اس کی ناکام محبت پر افسوس تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ ٹھیک ہی ہوا مشائم چلی گئی یہاں رہ کر سرحان کی بے رخی اور سرد مہری برداشت کرنے کا کیا فائدہ اس کی نظر میں مشائم کی محبت محض ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں اور اسے لگتا تھا آہستہ آہستہ مشائم بھی یہ بات تسلیم کر ہی لے گی۔

کمرے کی گلاس وال کے سامنے کرسی پر بیٹھیں صفورا بیگم کی نظریں بھی دھول اڑاتی کار کے تعاقب میں تھیں، مشائم ان سے ملے بغیر چلی گئی تھی، انہیں دکھ تو ہوا مگر غصہ نہیں آیا۔

''ٹھیک ہے وہ حق بجانب ہے۔'' ان کا دل دلائل کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

''دل پر چوٹ لگے تو نفرت اپنی ذات سے ہوتی ہے اور پوری کائنات سے۔'' ان کے دل سے ہوک اٹھی۔

دل پر چوٹ تو وہ بھی کھائے ہوئے تھیں، انہیں سرحان میں ابراہیم باجوہ کا عکس نظر آتا تھا، ہاں سرحان کسی کے عشق میں پاگل نہیں تھا جبکہ ابراہیم باجوہ نے یعقوب باجوہ کی ماں کی خاطر صفورا بیگم اور ان کی محبت کو دو کوڑی کا کر دیا تھا، حالانکہ صفورا بیگم سے نکاح کے بعد بھی وہ اس محبت کے حصار سے کبھی باہر نکلے ہی نہیں تھے، جس میں ساری زندگی کے لئے وہ قید ہو گئے تھے، مگر نکاح کے بعد صفورا بیگم نے ان کی محبت کی چاہ بھی نہیں کی تھی، وہ تو اپنی محبت، اپنی عزت

شس کو مجروع کیے جانے کا انتقام لینے ان کی زندگی میں شامل ہوئی تھیں اور اپنی ساری زندگی ان نے اس انتقام کے نذر ہی کر دی تھی، وہ محبت جس کی طلب میں انہوں نے نہ جانے کتنی دعائیں مانگیں، کتنا تڑپیں وہ محبت ملی تو دل سے طلب ہی جاتی رہی، وہ بس سراپا انتقام اور نفرت بن گئیں اور ان کی یہ نفرت اور انتقام مشائم کے دل کو بھی خالی کر گیا تھا۔

☆☆☆

جازم کی نظریں سامنے بچھی تارکول کی سڑک پر جمی تھیں، جبکہ مشائم سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی، جازم نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور مشائم خود سے بھی خاموش ہی تھی، ادھ کھلے شیشے سے اندر آتے ہوا کے نرم گرم جھونکے اس کی رت جگے سے دکھتی سرخ آنکھوں میں نیند کا خمار پیدا کرنے لگے تھے، اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں اور بالآخر وہ نیند کے خمار میں ڈوبنے لگی، اگلے چند لمحوں میں وہ مکمل نیند کے حصار میں تھی، جازم نے ایک نظر اسے دیکھا اور گہری سانس خارج کرتا چہرہ سامنے کی طرف موڑ کر ڈرائیو کرنے لگا۔

☆☆☆

رات سے صبح ہوئی اور صبح سے دوپہر کا وقت آٹھہرا اور وہ بھی پگھل پگھل کر سہ پہر کی طرف گامزن سفر تھا اور سرحان ایسے ٹہل رہا تھا جیسے اسے سفر کی سزا سنا دی گئی ہو، منزل دور بہت دور ہو اور اسے ستا رہی ہو، وہ سسکیاں جو وہ سن کر آیا تھا ان سسکیوں نے اسے لامحدود اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا یہ سسکیاں وہ پہلے سن لیتا تو تباہ ہی ہو جاتا، اس کے اضطراب کو اس کے ہر ماتحت نے محسوس کیا تھا، بغور دیکھا تھا اور حیران ہوا تھا، سرحان یہ سب جانتا تھا مگر وہ بے بس رہا اور اسے اب پتا چلا کہ بے بسی کا مزہ کیا ہوتا ہے، اس نے اب جانا اس کرب کی لذت کیا ہے۔

سہ پہر ڈھلنے کے قریب ہوئی اور سرحان باجوہ اپنے لامحدود اضطراب سے ہار گیا، جازم لاہور شہر کی حدود میں داخل ہو چکا تھا وہ فریش ہونے کے لئے ایک ڈھابے پر رکا تھا، جب اسے سرحان کی کال موصول ہوئی۔

''کہاں ہو؟'' اس نے بغیر دعا سلام کے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''لاہور میں ہی ہوں۔'' وہ حیران ہوا تھا مگر لہجہ اس نے نارمل ہی رکھا۔

''میری ریذیڈنس پر آؤ۔''

''بھا.....'' مگر اپنی بات مکمل کر کے وہ کال منقطع کر چکا تھا۔

جازم نے بے بسی سے ایک نظر موبائل کو دیکھا اور پھر مڑ کر مشائم کے سوئے چہرے کی طرف۔

شام گہری ہو رہی تھی جب وہ اس کی ریذیڈنس پر پہنچا تھا، مشائم کی نیند ابھی تک برقرار تھی، شاید وہ بہت راتوں سے سوئی نہیں تھی اور اس کی اتنی طویل نیند پر جازم نے شکر ہی ادا کیا تھا، کار کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی اور سرحان کے چلتے قدم ٹھہر گئے تھے وہ ابھی تک یونی فارم میں تھا، شرٹ کے کف کہنیوں تک فولڈ کیے وہ محو انتظار لگتا تھا۔

جازم اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگا جب سرحان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

''اسے اٹھاؤ۔'' اس نے مشائم کی طرف اشارہ کیا، جازم اثبات میں سر ہلا کر مشائم کی

طرف جھکا۔
''مشائم...... اٹھو۔'' اس نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا، مشائم نے آنکھیں کھول کر نیند کے خمار میں ڈوبیں آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔
''ائیر پورٹ آ گیا؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے کے ساتھ ہی پوزیشن بھی درست کی، بالوں کی اونچی پونی کو ہاتھوں سے کسا چہرے پر ہاتھ پھیرا اور جب سرسری نظر سے بائیں طرف دیکھا تو دھک سی رہ گئی۔
جیبوں میں ہاتھ ڈالے دلچسپ اور سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتا سرحان اسے منجمد کر گیا، اس نے رخ موڑ کر بے یقین اور حیران نظروں سے جازم کو دیکھا، جب کہ وہ نظر چرا کر سیدھا بیٹھ گیا، سرحان نے آگے بڑھ کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا، مشائم مزید خود میں سمٹ گئی۔
''باہر آؤ۔'' اس نے نرم تاثرات کے برعکس اس کی بھاری آواز میں بلا کی سنجیدگی تھی، اس نے ایک نظر جازم کو دیکھا اور کار سے باہر نکل آئی، دروازہ بند کر کے وہ ادھ کھلے شیشے پر جھکا۔
''تم جا سکتے ہو۔'' اپنی بات مکمل کر کے اس نے مشائم کا ہاتھ پکڑا اور اس حیرانگی کے مجسمے کو کھینچتا اندر کی طرف بڑھ گیا، جازم نے پہلے حیرانگی سے اور پھر ناراضگی سے سرحان کی پشت کو گھورا اور خفگی سے دروازے کے پاس کھڑے ملازم کی دبی دبی مسکراہٹ کو دیکھ کر وہ زن سے گاڑی نکال کر لے گیا۔

☆☆☆

فیصلہ	ہے	لوگوں	کا
ذات	تیری	میری	تھی

لاؤنج میں پہنچ کر اس نے مشائم کا ہاتھ چھوڑا اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے اس نے جیب سے موبائل نکالا اور فرزام کا نمبر پش کر کے موبائل کان سے ٹکا دیا۔
''جازم کو فون کر لو، وہ لاہور میں ہی ہے۔'' اپنی بات مکمل کی اور فون بند، مشائم نے خفگی سے اسے دیکھا۔
''حاکم کہیں کا۔'' کرسی کھینچ کر، پینٹ کو گھٹنوں سے پکڑ کر اوپر کھینچ کر اس کے سامنے آگے کو جھک کر بیٹھ گیا، ایسے کہ مشائم اور اس کے درمیان ابھی بھی دو قدم کا فاصلہ برقرار تھا۔
''مجھے یہاں بلانے کی وجہ؟'' مشائم نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''تمہاری سسکیاں۔'' وہ ترنت بولا، مشائم جی بھر کر حیران ہوئی اور سرحان نے اس کی حیرانگی کو اس کے چہرے سے پڑھ لیا۔
''تمہاری سسکیاں بہت بری ہیں، مطلب ایسی کہ کسی کو بھی ڈسٹرب کر سکتی ہیں، بندہ نہ بھی پشیمان ہونا چاہے یہ ذلیل کر کے ہی دم لیتی ہیں۔'' وہ مدہم انداز میں بولتا رہا اور مشائم ناسمجھی سے اسے دیکھتی رہی اور پھر افسوس سے سر ہلا کر اس پر سے نظر ہٹا گئی۔
''وہ اس کی سسکیوں سے نہیں اس کی محبت سے ہار گیا تھا مگر یہ اعتراف سرحان باجوہ کرتا تو مر نہ جاتا۔''
''میرے جانے کا پتہ کیسے چلا۔'' وہ ابھی تک اکھڑی اکھڑی تھی۔
''تمہاری ظل ماں سے، جازم کو فون کرنے سے پہلے میں نے انہیں فون کیا تھا۔''
''میری ظل ماں تمہاری بھی کچھ لگتی ہیں۔'' وہ بے رخی سے بولی۔
''ہاں مگر تمہاری شاید کچھ زیادہ ہی لگتی ہیں۔'' اس کے لہجے میں خفگی کی جھلک تھی، شاید ظل ہما نے اس سے ٹھیک سے بات نہیں کی تھی یا

شاید خفگی دکھائی تھی۔

''تم بھی حد کرتے ہو سرحان باجوہ، بے رخی دکھاتے ہو تو مار دینے کی حد تک اور بدگمان ہوتے ہو تو بے یقینی کی انتہا تک۔''

''شکوہ کر رہی ہو۔''

وہ خفا خفا سے رخ موڑ گئی اور سرحان سوچنے لگا یہ ابھی تک محبت لٹاتی رہی تھی تو ہر ادا نرالی رکھتی تھی اور اگر یہ محبت وصولے تو کتنی قاتلانہ ادائیں دکھائے، مار دینے کی حد تک محبت کرنا کس سے سیکھا اس نے اور مر جانے کی حد تک عشق کی انتہائیں کہاں سے لے کر آئی؟

وہ کرسی سے اٹھا اور اس کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا، مشائم غیر محسوس طور پر تھوڑا پیچھے ہوئی تھی۔

''یہ لو۔'' سرحان نے موبائل اس کی طرف بڑھایا، مشائم نے سوالیہ نظروں سے موبائل کو اور پھر اسے دیکھا۔

''کیوں؟''

''چاچی کو فون کرو۔''

''کیوں؟''

''اپنے ولیمے کی انہیں دعوت نہیں دو گی؟''

مشائم کی آنکھوں اور چہرے پر ایک دفعہ پھر حیرانگی اور بے یقینی پھیلی۔

''آج رات ہماری شب زفاف ہے اور پرسوں ولیمہ، ٹھیک ہے نا پروگرام۔'' سرحان نے مسکراہٹ روک کر اس کی طرف دیکھا جو صوفے سے اٹھ کر ایسے دو قدم پیچھے ہوئی تھی جیسے کوئی کرنٹ لگ گیا ہو۔

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟'' وہ خفگی سے بولی۔

''بیوی ہو تم میری۔'' وہ بازو پھیلا کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا،

مشائم کے چہرے پر غصہ پھیلنے لگا۔
''بہت شکریہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے، مگر سرحان باجوہ ہر کام کو کرنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔''
''مثلاً۔'' وہ مخصوص ہوا اور مشائم تپ گئی۔
''مثلاً پہلے رخصتی تو کرواؤ۔''
''ابھی تمہارا بھائی، تمہیں یہاں رخصت ہی کر کے گیا ہے، کیا یہ رخصتی کم ہے۔'' وہ اس کے مقابل آ کر ایک قدم کے فاصلے پر رک گیا، مشائم کی آنکھوں میں نمی پھیلنے لگی۔
''کبھی تو مجھے بھی عزت دینے کا سوچ لو سرحان۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ اس کے ہونٹوں سے نکل گیا اور سرحان کا چہرہ سنجیدگی کی انتہا کو چھونے لگا۔
''مشائم سرحان باجوہ تم بیوی ہو میری اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا حق میں رکھتا ہوں اور رہی یہ رخصتی اور ولیمے کی بات تو میں امی کو بتا چکا ہوں اور اب تک تو وہ چاچی کو بھی بتا چکی ہوں گی اور مجھے نہیں لگتا کہ انہیں کوئی اعتراض ہو گا اور جنہیں ہو گا مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں، ہاں اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو تم بات کرو۔''
مشائم نے نمی صاف کی اور مدھم آواز میں معصوم انداز میں بولی۔
''میرا سامان جازم کی گاڑی میں ہی رہ گیا۔'' سرحان نے بہ مشکل امڈنے والے قہقہے کو روکا۔
''فکر نہ کرو آدھے گھنٹے میں آ جائے گا سامان۔'' وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھا۔
''اور ہاں یار، اس طرف کچن ہے۔'' اس نے کچن کی طرف اشارہ کیا۔
''مزیدار سی کافی تو پلاؤ۔'' اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ چمکی اور مشائم نے دانت کچکچا کر اسے دیکھا، کچن کی طرف جاتے ہوئے وہ ٹھہری اور مڑ کر پیچھے دیکھا۔
''پہلے مجھے روکنے کی ٹھیک وجہ بتاؤ۔''
وہ شاید کچھ سننا چاہتی تھی، کچھ بہت خاص، سرحان نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔
''ویل تمہیں روکنے کی دو بہت خاص وجوہات ہیں۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
''فرزام کہتا ہے کہ تم ایک بار چلی گئی تو تمہیں کبھی نہ کبھی منانے تو میں نے جانا ہی تھا، اس کے دو نقصانات تھے ایک آج کل ڈیوٹی بہت ٹف ہے چھٹی ملنا بہت مشکل ہے اور دوسری اور خاص وجہ ٹکٹ کے لئے فضول کے پیسے ضائع ہوتے، حالانکہ انہی پیسوں کو بچا کر میں ایک چھوٹا موٹا ولیمہ تو ارینج کر ہی لوں گا، بس غریب سا بندہ ہوں سو باتیں سوچنی پڑتی ہیں۔'' اس نے مسکین سی شکل بنائی، مشائم کا چہرہ پھول کر کپا بن گیا اور وہ خونخوار نظروں سے سرحان کو دیکھ رہی تھی۔
''بس یہی وجوہات تھیں۔'' وہ مزید گویا ہوا اور مشائم مزید وجہ پوچھنے سے توبہ کرتی دھپ دھپ کرتی کچن میں چلی گئی، سرحان مسکراہٹ روکتا کمرے میں فریش ہونے کے لئے چلا گیا اور خفگی سے کافی پھینٹتی مشائم جانتی تھی وہ کبھی بھی سرحان کے منہ سے محبت کا اظہار نہیں کروا پائے گی ہاں وہ اپنے ہر ہر عمل سے اظہار محبت کرتا رہے گا، اس بات کا اسے یقین تھا اور امید تھی اور وہ ناشکری نہیں تھی، ایک عرصے بعد دعاؤں کو مقبولیت کی سند ملی تھی وہ بلاوجہ انا کو مسئلہ بنا کر محبت سے منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔

☆☆☆

خواب ٹوٹ جاتے ہیں
رمشا احمد
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

''افوہ محترمہ! آپ میرے لئے کیوں وبال جان بنی ہوئی ہیں؟'' سمیر شدید جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔

''آخر آپ کب جائیں گی؟''

''پلیز میری جان چھوڑیں۔'' سمیر نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''دیکھیے، کچھ لوگ میرا تعاقب کر رہے ہیں، آپ تھوڑی دیر کے لئے مجھے پناہ دے دیں۔'' وہ بہت ملتجی انداز میں بولی، سمیر نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

پچھلے ایک گھنٹے سے اس کے ساتھ سر کھپاتے کھپاتے سمیر کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا، اس نے کچھ لمحہ توقف کیا اور مزید گویا ہوا۔

''کون تھا؟ جس کے ساتھ گھر سے بھاگی ہو، شرم نہیں آتی کیا؟ تم جیسی لڑکیوں کے لئے آئے دن نیوز پیپر یہ خبریں آتی ہیں کہ ایک لڑکی اپنے آشنا کے ساتھ گھر سے فرار ہوگئی، یوں ماں باپ کی عزت پاؤں تلے روند کر چل پڑتی ہو کم از کم اپنی نہیں تو والدین کی عزت کا ہی خیال کر لیا کرو۔'' وہ مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے خود سے مفروضے بنائے، نان اسٹاپ بولے جا رہا تھا، تو وہ ششدر سی رہ گئی اور آنکھیں دھندلاہٹ سی گئی، ایکدم اس کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہوا تھا۔

''ایکسکیوز می۔'' وہ ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

''میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں آپ خواہ مخواہ مجھ پر الزامات لگائے جا رہے ہیں۔'' ایکدم آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گیا نا چاہتے ہوئے بھی آنسو چھم چھم اس کی آنکھوں سے چھلک پڑے۔

''چلو جی بن بادل برسات شروع۔'' سمیر نے منہ بنا کر کہا، وہ مزید ہچکیوں سے رونے لگی۔

''اچھا زیادہ مگرمچھ کے آنسو بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اسے ایکدم ترس آ گیا تو وہ دانستہ رکھائی سے بولا۔

''چائے پیو گی؟'' وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا، اس کا جواب سنے بغیر وہ سرونٹ کوارٹر کی جانب بڑھ گیا، گل خان کو چائے کا کہہ کر وہ پھر سے ڈرائنگ روم میں آ گیا، وہ صوفے پر بیٹھی دونوں ہاتھوں کو مسل رہی تھی، سمیر مسلسل اسے مشکوک نظروں سے دیکھے جا رہا تھا، ذہن میں کئی سوال کلبلا رہے تھے، وہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہ پوچھ سکا۔

''سنو! تم جتنی دیر بیٹھنا چاہو بیٹھ سکتی ہو، اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو گل خان سے کہہ سکتی ہو۔'' وہ اسے مخاطب ہو کر بولا، اور اٹھ کر باہر چلا گیا، لان میں آ کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''ایک اجنبی لڑکی کو اکیلے گھر میں چھوڑ کر کہاں جاؤں اس بات کا امکان بھی ہے کہ کہیں کوئی چور نہ ہو، میرے گھر سے نکلتے ہی موقع دیکھ کر گھر کا صفایا نہ کر جائے، آج کل کے حالات تو ویسے بھی بہت خراب ہیں۔'' یہ سوچ کر اس نے باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور دوبارہ سے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

''ویسے محترمہ! آپ نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔'' سمیر نے طنزیہ لہجے میں استفسار کیا۔

''آپ میرا نام پوچھ کر کیا کریں گے؟'' اس نے ٹھنک کر پوچھا۔

''کچھ بھی کر سکتا ہوں۔'' سمیر نے گویا دو معنی بات کی۔

''پلیز آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔'' کہتے ہی وہ پھر سے رو دی، ایک تو یہ کمبخت آنسو پتھر دل تک پگھلا دیتے ہیں پھر وہ تو کافی

نرم دل کا تھا، اس نے کچھ لمحہ توقف کیا اور دوبارہ گویا ہوا۔

''آخر تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتی کہ تمہارے ساتھ کیا پرابلم ہے؟ ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔'' اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی، ایکدم کال بیل بجی، سمیر کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

باہر جو کوئی بھی تھا اسے اس لڑکی کی یہاں موجودگی کی خبر نہیں ہونی چاہیے، سمیر ایکدم سے گھبرا گیا۔

''اے لڑکی سنو! تم اس بیڈروم میں چلی جاؤ دروازہ بند کرلینا جب تک میں دستک نہ دوں ہر گز نہ کھولنا۔'' سمیر نے اوپر کی طرف اشارہ کیا تو وہ اٹھ کر اس جانب بڑھ گئی۔

سمیر نے اپنے حواس بحال کیے اور گیٹ کی جانب بڑھ گیا کیونکہ گل خان کچن میں مصروف تھا۔

''تم! یہ کون سا وقت ہے کسی کے گھر منہ اٹھا کر جانے کا۔'' سمیر منہ بنا کر بولا، مقابل بھی شاید ڈھٹائی کا عالمی ریکارڈ قائم کرچکا تھا جبھی مسکرا کر بولا۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ منہ گھر رکھ کر آتا پھر تو سر کٹے انسان کو تم نے گھر نہیں گھسنے دینا تھا اس لئے میں منہ لگا کر آیا ہوں، میں نے سوچا تم اکیلے ہوگے تو تمہیں کمپنی دی جائے۔'' اسد اندر آتے ہوئے بولا۔

''اس وقت مجھے کسی جوکر کی کمپنی انجوائے کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔'' سمیر جان چھڑاتے ہوئے بے رخی سے بولا۔

''یار کریلے کیوں چبا رہے ہو؟ حالانکہ کریلوں کا موسم بھی نہیں ہے۔'' اس اس کے کندھے پہ دھپ رسید کرکے بولا، سمیر کو ایکدم بیڈروم والی لڑکی کا خیال آگیا۔

''اُف اگر اسد کو پتا چل گیا تو۔'' اس سے آگے سمیر سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' اسد نے پوچھا تو وہ چونک گیا۔

''کچھ نہیں، اینی ویز یہ بتاؤ کیا کھاؤ گے کیونکہ بغیر کھائے ٹلنے والے تو تم ہو نہیں۔'' سمیر زبردستی چہرے پہ مسکراہٹ سجا کر بولا تو اسد اسے گھور کر رہ گیا۔

''گل خان! اس خبیث کے لئے کچھ کھانے کو لاؤ۔'' سمیر نے کچن کی جانب منہ کرکے کہا تو گل خان مسکرا دیا۔

اسد کافی دیر بیٹھا رہا کھانے اور کافی کا دور بھی چلتا رہا سمیر نے ہوں ہاں کے علاوہ کوئی بات نہ کی، اب وہ اسد کو رخصت کرکے اپنے کمرے میں چلا آیا کیونکہ رات کافی گہری ہوگئی تھی اسے ایکدم نیند نے آلیا تو وہ بیڈ پر گر گیا۔

☆☆☆

صبح جب وہ ناشتہ لے کر خود اوپر کے کمرے میں گیا تو وہ بیڈ پر بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ زلفوں کی چند آوارہ لٹیں بے ترتیبی سے اسے چھو رہی تھیں، اس نے جگانا مناسب نہ سمجھا اور ناشتے کی، سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر باہر کی جانب بڑھ گیا اور دروازہ لاک کردیا، کھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

کل رات کے واقعات ہلکے سے خواب کی مانند اس کے ذہن میں چل رہے تھے پہلے تو اسے گمان گزرا کہ شاید وہ سب خواب تھا مگر آنکھیں ملتے ہوئے اس نے اردگرد دیکھا تو اجنبی بیڈروم نے سب یاد دلا دیا۔

کچھ لوگ اس کے پیچھے لگ گئے تھے، اس کے پاس اس کے سوا اس وقت کوئی چارہ نہیں تھا

کہ جس گھر کا گیٹ کھلا دیکھے وہی داخل ہو جائے، اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ لاک تھا۔

''او مائی گاڈ..... دروازہ کیوں لاک کر دیا اس آدمی نے۔'' اس نے بے بسی سے سوچا۔

''شکل سے تو شریف لگتا تھا۔'' وہ رو دینے کو ہوئی۔

''کاش..... میں یہاں سے نکل سکوں۔''

اس نے گہری سانس لی اور دوبارہ سے بیڈ پر آکر بیٹھ گئی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی پاس کی سائیڈ ٹیبل پہ ناشتے کی ٹرے دیکھ کر وہ چونک سی گئی۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی اندر آیا تھا اور وہ بے خبر سوتی رہی اسے ایکدم شرمندگی نے آ گھیرا۔

ناشتہ کرنے کے بعد اس نے دوبارہ دروازہ جا کر چیک کیا وہ اب بھی باہر سے لاک تھا، وقت گزاری کے لئے اس نے شیلف میں سجی کتابوں کو دیکھنا شروع کر دیا جہاں ابن انشاء کی بے شمار کتابیں تھیں، کمرہ جس کسی کا تھا بندہ کافی خوش ذوق تھا، اس کے ساتھ ہی خیالات بار بار بھٹک کر گزشتہ واقعات کی طرف جا نکلتے مگر وہ اس بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی اور پھر وہ اسی کشمکش میں نڈھال ہو رہی تھی کہ کہیں اس بندے نے مجھے قید تو نہیں کر لیا۔

''یا اللہ! میری مدد کر۔'' اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر بے ساختہ دعا کی، پھر وہ کمرہ تھا اور سوچوں کی یلغار نجانے کب تک وہ ہنوز اسی کیفیت میں بیٹھی رہی اچانک کھٹکا ہوا اور دروازہ کھلا تو وہ چونک سی گئی، اندر آنے والے دو نفوس تھے اس نے لمحہ بھر کو دیکھا وہ حیرت اور دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کون ہو تم؟'' اس لڑکی نے پہل کی۔

☆☆☆

آفس سے آتے ہوئے وہ اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جس کو وہ کمرے میں لاک کر کے آفس چلا گیا تھا۔

''پتہ نہیں اس نے ناشتہ کیا ہے یا نہیں اور اتنی دیر وہ اکیلی کیا کر رہی ہو گی۔'' گیٹ سے اندر آتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا پورچ میں چاچو کی گاڑی کھڑی تھی۔

''او مائی گاڈ! شامین بھی ہو گی اسے تو اپنے بیڈ روم کی ضرورت پڑ گئی ہو گی دروازہ کھول کر وہ خوب گرج برس کر ہنگامہ مچا چکی ہو گی۔'' وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ برآمدے میں چاچو نمودار ہوئے۔

''آیئے جی..... آیئے۔'' چاچو طنز سے بولے۔

''آ..... آپ میرا مطلب ہے وہ آپ تو کل.....'' گھبراہٹ میں وہ ہکلا کر رہ گیا۔

''اچھا ہوا آج آ گیا۔'' وہ کھوجتی ہوئی نظروں سے بولے کچھ لمحہ توقف کیا اور دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئے، وہ چاچو کی تقلید میں وہی چلا آیا۔

''پاپا! وہ تو کچھ کہتی نہیں بس روئے جا رہی ہے۔'' شامین بات کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور ٹھٹک کر رک گئی۔

سمیر کو دیکھ کر ناگواری کی لہر اس کے چہرے پہ آئی وہ..... وہ تیوریوں پر بل ڈالے اس کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گئی، شامین اسے اس وقت خائف لگی۔

''سمیر!'' فراز صاحب کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا، فراز صاحب نے کچھ لمحہ توقف کیا اور مزید گویا ہوئے۔

''تمہیں میرے فیصلے سے اختلاف تھا تو کہا

کیوں نہیں؟'' اس کا رنگ یکلخت پھیکا پڑ گیا۔
''انکچوئلی چاچو!'' اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ چاچو نے ہاتھ اٹھا کر دوٹوک انداز میں کہا۔
''میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔'' انہوں نے خفگی سے سمیر کی جانب دیکھا اور اٹھ کر باہر چلے گئے، اس نے کن آکھیوں سے شامین کی جانب دیکھا جس کی آنکھوں کی شفاف سطح میں نمی جھلکنے لگی، وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی یکدم اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔
''شامین!'' وہ درمیانی فاصلہ عبور کر کے اس کے قریب چلا آیا اور ہاتھ تھام کر بولا۔
''میرا یقین کرو ایسی کوئی بات نہیں ہے چاچو کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ اتنی لجاجت اور بے بسی سے کہہ رہا تھا تو شامین کو ایکدم ترس آ گیا۔
''تو تمہیں پاپا کی غلط فہمی دور کرنی چاہیے تھی۔'' شامین کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی در آئی۔
''تمہیں میرا یقین ہے؟'' اس نے شامین کو بغور دیکھتے ہوئے استفسار کیا، شامین نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
''شکر ہے۔'' وہ مسکرا کر رہ گیا۔
''چاچو کی غلط فہمی میں جلد ہی دور کر دوں گا۔'' پھر اس نے لڑکی سے ہونے والی ملاقات سے لے کر اب تک کے تمام واقعات تفصیل سے سنائے۔
''میں تو اس لڑکی کا نام تک نہیں جانتا اب تم بتاؤ میری جگہ تم ہوتی تو کیا کرتی؟'' اس نے شامین سے رسانیت سے پوچھا۔
''شاید ایسا ہی کرتی جو تم نے کیا ہے، لیکن ہر کسی کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے، آئندہ احتیاط کرنا ہر لڑکی وفا جیسی نہیں ہوتی۔''
''اب یہ محترمہ وفا صاحبہ کون ہے؟'' وہ چونک کر بولا۔
''میں نے پوچھا تھا اس کا نام اسی نے بتایا ہے۔'' شامین مسکرا کر بولی۔
''بس نام کی وفا ہے اور تو کچھ بتاتی نہیں۔'' وہ چڑ کر بولا۔
''سمیر! میرا خیال ہے کہ ہمیں مل کر وفا کی ہیلپ کرنی چاہیے۔'' تو سمیر کندھے اچکا کر رہ گیا۔

☆☆☆

فراز صاحب لان کے وسط میں کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، چاچو کو لان میں بیٹھا دیکھ کر سمیر وہی چلا آیا۔
''چاچو! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ رسانیت سے بولا۔
''برخوردار! لیکن مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' فراز صاحب نے قطعیت سے کہتے ہوئے اخبار منہ کے آگے پھیلا لیا۔
''چاچو! آپ کے رویے سے میں بہت ہرٹ ہو رہا ہوں، آپ مجھے صفائی کا موقع دیں گے کیا؟'' سمیر نے مدھم لہجے میں کہا۔
''صفائی کرنی ہے تو اندر جا کر کمروں کی کرو یہاں کیا کر رہے ہو۔'' فراز صاحب نے اخبار کے پیچھے سے جواب دیتے ہوئے کہا۔
''چاچو! پلیز'' اس نے جھنجھلا کر اخبار چاچو کے ہاتھ سے اچک لیا۔
''یہ کیا بدتمیزی ہے سمیر؟'' فراز صاحب نے بمشکل مسکراہٹ روکتے ہوئے کہا۔
''چاچو! آپ مجھ سے خفا ہیں؟'' تو فراز صاحب نے سر کو نفی میں جنبش دی۔
''تو پھر تنگ کیوں کر رہے ہیں؟''
''سمیر! تم نے مجھے اس وقت کیوں نہ آگاہ

کیا۔'' فراز صاحب مصنوعی خفگی سے گھور کر بولے۔

''میں نے سوچا بعد میں بتا دوں گا سچوائیشن ہی کچھ ایسی تھی جو میں آپ کو خبر نہ کر سکا اور کل تو آپ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔'' وہ خفگی سے بولا، تو فراز صاحب نے زوردار قہقہہ لگایا اور اٹھ کر اپنے بھتیجے کو گلے سے لگایا۔

''اب خوش ہو۔'' انہوں نے الگ ہو کر شرارت سے سمیر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''چاچو! آپ بھی ناں۔'' سمیر مسکرا کر رہ گیا۔

''اینی ویز! تم ایک کام کرو۔''

''جی چاچو کون سا۔'' وہ سوالیہ نظروں سے فراز صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم شاہین سے کہو وفا سے سچ اگلوائے، میں نے ایس پی صاحب سے بات کر لی ہے، مجھے یقین ہے وفا کی ہیلپ کریں گے وہ، ویسے بھی مجھے لگتا ہے کچھ برا ضرور ہوا ہے وفا کے ساتھ۔''

''آپ کو کیسے پتا؟'' سمیر حیران ہوا۔

''یار یہ سر میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیا اتنا تو تجربہ ہے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔'' فراز صاحب مسکرا کر بولے۔

''اچھا میں ضروری کام کے سلسلے میں باہر جا رہا ہوں۔'' اچانک فراز صاحب اٹھے اور گیراج میں کھڑی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

''سمیر! یہاں کیا کر رہے ہو؟'' شاہین اندر سے نکلتے ہوئے بولی، اس سے پہلے کہ وہ اسے کوئی جواب دیتا، مین گیٹ کھلا اور اسد اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔

''سمیر...... سمیر میں نے سنا ہے کہ تم نے کسی لڑکی کو پناہ دی ہوئی ہے کہاں ہے؟ کیسی ہے؟''

وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے نان اسٹاپ بولے جا رہا تھا، تو سمیر نے خشمگیں نظروں سے شاہین کو دیکھا جو مسکرا کر لان میں چلی آئی۔

وہ تینوں بچپن کے ساتھی تھے زیادہ دیر تک ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپا سکتے تھے، اسد چاچو کے بیسٹ فرینڈ کا بیٹا تھا۔

''میں نے سوچا ایسے موقعوں پر اچھے دوستوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے اس لئے میں نے اسد کو بلا لیا۔'' شاہین مسکرا کر کرسی سے ٹیک لگا کر بولی۔

''اسد! خبردار جو تم نے کوئی فضول حرکت کی۔'' سمیر نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا کیونکہ وہ اس کی فلرٹی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔

''اسد!'' مسکرا کر شاہین کی طرف متوجہ ہوا۔

''شاہین! تم دیکھ رہی ہو مجھے تو اس کی نیت ٹھیک نہیں لگتی تم ذرا ہوشیار رہنا جبھی تو اس نے مجھ سے چھپایا۔'' اسد نے آنکھیں پٹپٹا کر سمیر کو چھیڑا، تو حسب معمول وہ فوراً ہی آگ بگولہ ہو گیا اور آگے بڑھ کر اس نے اسد کی گردن دبوچ لی، اسد ایکدم بوکھلا کر رہ گیا کیونکہ وہ اس ڈرون حملے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا اس لئے زور زور سے چلانے لگا، شاہین ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئے جا رہی تھی۔

''ہائے میں مر گیا کوئی بچائے مجھے، اس خبیث سے شاہین! کی بچی تم ہنسے جا رہی ہو تمہارا منہ بولا بھائی معصوم سا ڈریکولے کے چنگلمیں پھنسا ہوا ہے۔'' اسد منہ ٹیڑھا کر کے بیچارگی سے بولا، تو بالآخر شاہین کو اس کی حالت زار پر ترس آ ہی گیا۔

''اچھا بس کرو سمیر جان لو گے کیا بچے کی۔''

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

شاہین معصومیت سے بولی تو سمیر کو زبردست اچھو لگا۔

''بچہ۔'' وہ ہونقوں کی طرح دیکھ کر پوچھنے لگا ایکدم اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑا تو اسد موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''واہ! بہن ہو تو تمہاری طرح کی۔'' اسد، سمیر کے کندھے پر دھپ رسید کرتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''ہوش کی دنیا میں آجا میرے بھائی ساری زندگی یہی چہرہ دیکھنا ہے۔'' اسد اسے شاہین کی طرف دیکھتا پا کر بولا۔

''تمہیں تو کسی چیز کی بھنک نہیں پڑنی چاہیے گھٹیا انسان پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔'' سمیر نے جوابی دھپ رسید کرتے ہوئے کہا تو اسد مسکرا کر رہ گیا۔

''اچھا میرا تعارف تو کروا دو اس لڑکی سے قسم سے بہت بے چینی ہو رہی ہے۔'' وہ ایک گہری سانس بھر کر بولا، اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا۔

''شاہین بی بی!'' گل خان کی آواز پہ سب نے چونک کر گل خان کو دیکھا۔

''کیا بات ہے؟'' گل خان، شاہین، گل خان کی جانب متوجہ ہو کر بولی۔

''وہ جی...... وہ لڑکی مسلسل روئے جا رہی ہے۔'' گل خان نے اپنی آمد کی وجہ بیان کی۔

''ہائے اللہ! کہیں سیلاب ہی نہ آجائے۔''

''چلو...... چلو بند باندھنے کا کوئی بندوبست کرتے ہیں، ورنہ سب ڈوب جائیں گے۔'' اسد سرعت سے اندر جاتے ہوئے بولا تو سمیر اور شاہین ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا کر رہ گئے اور اس کی تقلید میں اندر کی جانب بڑھ گئے۔

''اے لڑکی! بات سنو۔'' اسد سب سے پہلے اندر جاتے ہی اس کے سر ہوا، وہ جو دوزانوں سر دیے بیٹھی تھی، اس نے ٹھٹک کر سر اٹھایا تو اسد مبہوت سا اسے دیکھتا ہی رہ گیا، وہ کچھ نروس سی ہوگئی، اس نے سوالیہ نظروں سے شاہین کی جانب دیکھا تو شاہین مسکرا کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

''وفا! گھبراؤ نہیں یہ میرا بھائی ہے اسد۔'' شاہین نے اسد کا تعارف کروایا جو ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا، شاہین نے چپکے سے اسے کہنی ماری تو اس نے چونک کر شاہین کی جانب دیکھا، جو بھنوؤں کو اچکا کر سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی، اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے ٹیڑھی نظروں سے سمیر کو دیکھا اور مسکرا کر وفا کی طرف متوجہ ہوا۔

''بے وفا لڑکی! یہاں چھپی بیٹھی ہو، تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر میں پاگل ہو گیا۔'' اس کی بات سن کر وفا ششدر سی رہ گئی، سمیر، اسد کو گھور کر رہ گیا۔

''وفا! پلیز آپ اس کی باتوں کو مائنڈ مت کیجئے گا یہ تھوڑا سا سائیکی کیس ہے۔'' سمیر رسانیت سے بولا۔

''وفا! تم اپنی پرابلم سے ہمیں آگاہ تو کرو ہو سکتا ہے کہ ہم تمہاری مدد کر سکیں۔'' شاہین اس کے ہاتھ تھام کر بولی، وفا نے اسے امید بھری نظروں سے دیکھا اور بولی۔

☆☆☆

یادیں حسین ہوں تب بھی تکلیف دیتی ہیں مگر اس کا سارا ماضی تکلیف دہ یادوں سے بھرا پڑا تھا، خوشیوں کے چند لمحات کا تصور بھی کرب انگیز تھا کہ ان کے ساتھ ہی تلخ یادیں در آئی چلی آتی تھیں، اپنے بچپن کا مختصر سا خوشیوں بھرا دورا سے اچھی طرح یاد تھا، اپنی خوبصورت ماما اور شفیق سے بابا کے ساتھ گزرے ہوئے دن ایک خواب کی

مانند لگتے تھے، کتنا پیار کرتے تھے بابا اس سے اس کی ہر خواہش کو پورا کرتے ہر بات کو فوراً مان لیتے تھے۔

''جایئے بابا میں آپ سے بات نہیں کرتی۔'' وہ بلاوجہ ناراض ہو جاتی اور بابا کو کسی کل چین نہ پڑتا جب تک اسے منا نہ لیتے۔

پھر ماما اور بابا اسے اپنے ساتھ لانگ ڈرائیو پر لے جائے ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے اسے کتنا فخر محسوس ہوتا تھا۔

دن سارے ایک جیسے نکلتے ہیں مگر حالات مختلف ہو جاتے ہیں، جب کافی دیر تک کوئی اسے بیدار کرنے نہیں آیا، تب وہ خود ہی اٹھ بیٹھی۔

رحمو کاکا نے اسے بتایا صاحب کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی بیگم صاحبہ انہیں لے کر ہاسپٹل گئی ہیں۔

پھر وہ ان کے آنے کا انتظار کرتی رہی اور بابا اسے ہمیشہ کے لئے اکیلا چھوڑ کر بہت دور چلے گئے۔

تنہائیاں اس کا مقدر بن گئی ایک بابا ہی اس کے دوست تھے، اس نے خود کو کتابوں میں گم کر لیا تھا پھر ماما نے دوسری شادی کر لی۔

نئے والد سے اس کا سامنا بہت کم ہوتا تھا وہ اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی۔

نئے بابا کبھی اس کے کمرے میں نہیں آئے ہاں البتہ ماما کبھی کبھار ضرور آتیں تھیں اس کی خیریت معلوم کرنے پھر ایک دن ماما کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اس نے اپنی ماما کے لئے ڈھیروں دعائیں مانگ ڈالیں، وہ اس کی کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ تھیں، شاید قدرت کو اس کے لئے یہ واجبی سہارا بھی منظور نہ تھا اور وہ پھر سے بے سہارا ہو گئی۔

وقت دھیرے دھیرے سرکتا ہی گیا، اس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو نئی پریشانیوں نے آ گھیرا، اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بابا کی ساری جائیداد کی وارث ہے، وہ اسے نئے بابا کے ایک کزن نے بتایا اور وہ اس کا بہت احترام کرتا تھا اس سے روا داری اور اپنائیت برتتا اس سے بلا مقصد باتیں کیا کرتا وہ سنتی اور کبھی ان سنی کر دیتی۔

اسے نفرت تھی نئے بابا اور ان کے رشتے داروں سے جائیداد کے جھگڑے شاید ماما کی زندگی میں شروع ہو گئے تھے، جواد صاحب چاہتے تھے کہ وہ اپنے تمام کاروبار کا سرپرست بنا دیں یعنی سارا چارج ان کے حوالے کر دیا جائے اور یوں فیکٹریوں کا تمام کام وہ سنبھالتے تھے، مگر ذرا ذرا سے دستخط کے لئے وفا کے پابند تھے اور یہی بات انہیں ناگوار گزرتی تھی۔

ماما کی وفات کے بعد انہیں ان کی طرف سے جو کھٹکا تھا وہ بھی جاتا رہا اور اب وہ زیادہ دلیری سے اسے قائل کرنے لگے۔

''وفا دیکھو تم ہر وقت آفس نہیں ہوتیں مجھے بار بار دستخط کروانے کے لئے گھر آنا پڑتا ہے، آخر تمہیں مجھ سے کیا ڈر ہے؟ میں تمہاری کوئی چیز کھا نہیں جاؤں گا۔'' انہوں نے آج پھر اسے گھیر لیا۔

''آپ اپنی حد میں رہیں آپ کے لئے یہی کافی ہے۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟'' وہ گرجے۔

''میں آپ کو خبردار کر رہی ہوں اگر آپ اسے دھمکی سمجھتے ہیں تو آپ کی مرضی۔'' وہ شانے اچکا کر بولی۔

''میرا خیال تھا کہ تم شرافت کی زبان سمجھ لو گی، مگر مجھے لگتا ہے اب دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' وہ بل کھاتے ہوئے اٹھے اور باہر نکل

گئے۔

☆☆☆

وہ اندر ہی اندر لرز کر رہ گئی، اگرچہ یہ شخص اسے کبھی بھی قابل اعتبار نہیں لگا تھا، مگر ایسے تیور اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

''وفا بیٹی!'' رحمو کاکا نے آواز دی تو وہ چونک گئی۔

''کیا بات ہے رحمو کاکا؟'' اپنے آپ پر قابو پا کر اس نے استفسار کیا۔

''وفا! بیٹی یہ صاحب حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔''

''رحمو کاکا! آپ جانتے ہیں وہ میرے والد نہیں ہیں۔'' اس نے دکھ سے کہا۔

''ہاں وفا بیٹی! تمہاری ماں نے زندگی کی سب سے بڑی بھول یہی کی تھی، مگر یہ ضروری تو نہیں کہ اس کی سزا تم بھگتو، ان گھٹیا لوگوں سے ہر بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔''

''رحمو کاکا! فکر تو اس بات کی ہے کہ میں بے سہارا ہو گئی ہوں۔'' آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے چھلک پڑے۔

''وفا بیٹا! روتے نہیں ہیں۔'' رحمو کاکا نے اس کے آنسو پونچھ دیے اور سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''جب تک میں زندہ ہوں تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

وہ رات کچھ زیادہ بھیانک تھی یا پھر اسے لگ رہی تھی اس کا دل اندر ہی اندر لرز رہا تھا۔

چھٹی حس کسی خطرے کی نشاندہی کر رہی تھی، وہ بظاہر اپنے بیڈ روم میں لیٹی ماضی اور حال مستقبل کی سوچ میں غرق تھی اس کا ذہن کسی انجانی آہٹ پر لگا ہوا تھا، حال نے اسے بے حال کر دیا اور مستقبل جس کی کوئی خبر نہیں۔

''وفا بی بی!'' اچانک ملازمہ کی آواز پر وہ چونک گئی، اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

''آپ کو جواد صاحب بلا رہے ہیں؟''

''اس وقت کیوں بلا رہے ہیں؟'' وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

''اچھا تم چلو میں آتی ہوں۔'' اس نے ملازمہ کو جواب دے کر دوپٹہ شانوں پر درست کیا اور جواد صاحب کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

جواد صاحب کے کمرے داخل ہو کر اس نے دستک دی کیونکہ دروازہ پہلے ہی کھلا تھا، اچانک اس کی نظر سامنے کرسی پر براجمان جواد صاحب کے بھائی ولید صاحب پر پڑی تو وہ ٹھٹک سی گئی۔

''آؤ وفا اندر آؤ۔'' اجازت ملتے ہی وہ آگے بڑھ آئی۔

''بیٹھو۔'' جواد صاحب نے اشارہ کرتے ہوئے کہا، تو وہ قریب پڑی کرسی پر ٹک سی گئی۔

''جی فرمایئے۔'' وہ جواد صاحب کو متوجہ کر کے بولی۔

''وفا! ہم تم سے دوٹوک بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''دوٹوک بات ہو چکی ہے۔'' وہ ڈرنے کے باوجود خود کو مضبوط بنا کر بولی۔

''تم شاید غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو میں تمہارا باپ ہوں، سوتیلا ہی سہی، مگر اس وقت تمہارا واحد سہارا میں ہوں۔'' جواد صاحب نے تمہید باندھی اور بولنا شروع کیا۔

''میں چاہتا ہوں تم اپنی جائیداد کا مجھے نگران مقرر کر دو۔''

''میرا خیال ہے کہ میں اس قابل ہوں کہ اپنا سب کچھ سنبھال سکتی ہوں۔'' وہ درشتی سے بولی۔

''یہ اس طرح نہیں مانے گی۔'' ولید

صاحب کو فیصلے کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی، دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''میں آخری بار کہہ رہا ہوں وفا تمہیں یہ سودا مہنگا پڑے گا۔'' جواد صاحب نے سختی سے کہا۔

ابھی وہ کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ ولید صاحب ایکدم بھپرے اور آگے بڑھ کر وفا کے بالوں کو جکڑ لیا۔

''اب یا تو تمہارے ہاتھ ہر جگہ دستخط کریں گے یا پھر ہمیشہ کے لئے ساکت ہو جائیں گے۔'' شدت و کرب سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اتنی ذلت سہنی پڑے گی اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''مجھے افسوس ہے جواد صاحب آپ لوگ دولت کی ہوس میں اتنا گر جائیں گے سوچا بھی نہ تھا۔'' وہ اپنے بالوں کو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے دکھ سے بولی۔

''میرا خیال ہے جواد اس کا گلہ دبا دیتے ہیں نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔'' ولید صاحب قہقہہ لگا کر بولے، اسی وقت جواد صاحب نے آگے بڑھ کر وفا کا گلہ دبانے کی کوشش کی ایکدم سے دھڑام سے دروازہ کھلا، رحمو کاکا نے زور سے ڈنڈا ولید صاحب کے سر پر دے مارا وہ کراہتے ہوئے نیچے بیٹھتے چلے گئے۔

''وفا بیٹی! تم بھاگو یہاں سے۔'' تو اس نے بغیر سوچے دوڑ لگا دی اور دروازہ باہر سے لاک کر دیا۔

سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا شاید بجلی چلی گئی تھی، اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اس گھر میں تو وہ محفوظ نہ تھی اس وقت اس نے یہی مناسب سمجھا کہ یہاں سے بھاگ جائے باہر ہر طرف تاریکی تھی ویسے بھی وہ گم گشتہ منزلوں کی مسافر تھی، وہ

آدھی رات کو چلتے چلتے تھک گئی تو تھوڑی دیر کے لئے فٹ پاتھ پر پڑی بینچ پر ٹک گئی تھی لوگ عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے، وہ سرعت سے اٹھ کر دوبارہ چل پڑی ایکدم اس نے محسوس کیا کہ کوئی اور بھی اس کے ساتھ چل رہا ہے تو اس نے اپنے اردگرد نظر اٹھا کر دیکھا تو ساکت رہ گئی۔

وہ تین افراد تھے شکل سے ہی بدمعاش لگ رہے تھے اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر ایک مسکرا دیا اور بڑی ادا سے ہاتھ سر پر لے جا کر سیلوٹ کے انداز میں سلام کیا۔

''آپ شاید راستہ بھول گئی ہیں؟'' ایک نے کہا۔

''چلیے ہم آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دیتے ہیں۔'' دوسرا فوراً بول پڑا وہ خاموش رہی۔

''آپ کہیں گونگی تو نہیں ہیں؟'' وہ پھر بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا، وہ بھلا کب اس قسم کے واقعات کی عادی تھی اس لئے اور پریشان ہوگئی اور بلا سوچے سمجھے دوڑ لگا دی گلی کا موڑ مڑتے ہی جس گھر کا گیٹ تھوڑا سا کھلا نظر آیا وہی گھس گئی۔

☆☆☆

وہ اب بھی بلک بلک کر روئے جا رہی تھی، اسد کا دل دکھ سے کٹ کر رہ گیا اسے خود بھی اپنی کیفیت کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''وفا! تم اکیلی نہیں ہو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔'' شاہین نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔

''ایس پی صاحب پاپا کے دوست ہیں انشا اللہ وہ تمہاری مدد ضرور کریں گے، پلیز تم رو مت۔'' شاہین نے رسانیت سے کہا۔

''بالکل تم فکر مت کرو میں تمہارے ساتھ

ہوں۔'' اسد بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے بولا، وہ بدک کر پیچھے کی جانب کھسک گئی، اسد مسکرا کر رہ گیا۔

''آپ تو ایسے ڈر رہی ہیں جیسے کہ میں نے کرنٹ چھوڑ دیا ہو۔'' اسد مسکراہٹ دبا کر بولا، ایکدم وفا کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔

''اسد!'' سمیر کو اس کا بیہودہ مذاق ناگوار گزر رہا تھا تو اس نے قریب آ کر ٹوک دیا۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' اسد زچ ہو کر بولا۔

سمیر نے آگے بڑھ کر اس کا بازو دبوچا اور باہر کی جانب دھکیل کر لے گیا، ڈرائنگ روم میں لے جا کر سمیر نے اسد کو صوفے پر دھکا دیا، صوفے پر گرتے ہی اسد نے تلملا کر سمیر کو دیکھا۔

''شرم کرو، وہ ایک بے بس لڑکی ہے اور تم اس سے زبردستی فرینک ہونے کی کوشش کر رہے ہو اس کی حالت تو دیکھو۔'' سمیر دانت کچکچا کر بولا، اسد نے کچھ لمحہ توقف اور گویا ہوا۔

''یار سمیر! مجھے لگتا ہے کہ مجھے بے وفا...... میرا مطلب ہے وفا سے محبت ہو گئی ہے۔'' اسد نے رسانیت سے کہا، سمیر نے اسے تعجب سے دیکھا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا، سمیر کو ہنستے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو چپ ہوا۔

''میں بہت سیریس ہوں۔'' اسد کچھ توقف کے بعد گویا ہوا تو سمیر نے ٹھٹک کر اسد کی جانب دیکھا، اسد کے چہرے اور لہجے سے سچائی چھلک رہی تھی، وہ کبھی یقین نہ کرتا اگر اسد کو بچپن سے نہ جانتا ہوتا بے شک وہ فلرٹ کرنے کا ماہر تھا لیکن اس وقت یکسر بدلا ہوا دکھائی دے رہا تھا، سمیر ایکدم خوشگواریت میں گھر گیا۔

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔'' سمیر نے مسکرا کر کہا۔

''وفا کی مرضی بھی پوچھ لے میری جان کیا پتہ وہ تجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دے۔'' سمیر نے اسے آنے والی صورتحال سے ڈرایا تو اس نے رک کر سمیر کو گھورا اور کچھ توقف کے بعد مزید گویا ہوا۔

''اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پہ بجلیاں رونہ مجھے اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے اور میری تم جیسے آستین کے سانپ سے ریکوسٹ ہے کہ اپنا منہ بند رکھنا اور میرا امیج خراب کرنے کی کوشش ہر گز مت کرنا میں با آسانی اپنی منزل تک پہنچ جاؤں گا۔'' سمیر جو اس کی آواز و انداز تحیر کے حجر بکیراں میں غوطہ زن تھا ایکدم اسد پر بل پڑا۔

''سو کمینے مرے ہوں گے ایک تو پیدا ہوا ہو گا، خبیث انسان تو مجھے ایسا سمجھتا ہے آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' ایکدم سمیر نے اسے گھٹنوں کے نیچے دبا لیا پھر وہ صوفے پر ہی گتھم گتھا ہو رہے تھے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اسد، سمیر کے نیچے ہی تھا اور اس کا دم گھٹنے لگا تو وہ خود کو چیخنے سے باز نہ رکھ سکا۔

''ہائے ہائے بچاؤ یہ ابلیس میری جان لے لے گا۔'' اسی اثناء میں وفا اسد کو شامین کی معیت میں وہاں آتی دکھائی دی تو اسد حلق کے بل چلایا۔

''اے وفا! اس وقت تمہاری وفا کی مجھے اشد ضرورت ہے۔'' وفا بیچاری بوکھلا کر شامین کی اوٹ میں ہو گئی، اسی پل سمیر نے اسد کو چھوڑا اور ایک طرف بیٹھ گیا، اسد اٹھ کر اپنا کندھا سہلانے لگا اور دانت پیس کر سمیر کو دیکھا کچھ توقف کے بعد اسد نے سمیر کو کہنی مار کر کہا۔

''بچو! تجھ سے تو میں بعد میں نپٹ لوں گا پہلے اس لڑکی کو تو پٹا لوں۔'' وہ اب بھی سمیر کو زچ کرنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

''ارے مس وفا! آپ ڈریں مت یہ شکل سے خوفناک نظر آتا ہے لیکن دل کا برا نہیں ہے۔''

وہ اٹھ کر وفا کے پاس کھڑا ہو کر بولا وہ بیچاری ایکدم ہی نروس ہو گئی، سمیر نے تلملا کر سرد نظروں سے اسد کو گھورا۔

''ہائے ہائے ٹھنڈ پڑ گئی۔'' اسد سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا کیونکہ وہ سمیر کو تپانے میں کامیاب جو ہو گیا تھا، سمیر نے منہ پر ہاتھ پھیر کر اسے دھمکی دی۔

''افوہ سمیر، اسد کب تم لوگوں کو عقل آئے گی؟ بچپن سے تم لوگوں کا یہی حال ہے اب سدھر جاؤ۔'' شامین نے جھڑک کر کہا۔

''السلام علیکم!'' فراز صاحب کی آواز پر اسد جلدی سے سمیر کے ساتھ صوفے پر سنبھل کر بیٹھ گیا، فراز صاحب نے قریب آ کر وفا کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''کیسی ہو بیٹا؟''

''جی ٹھیک ہوں۔'' وفا رسانیت سے بولی۔

''بیٹا! میں نے اپنے دوست سے بات کر لی ہے تم اپنا بیان لکھوا دینا مجھے یقین ہے تمہیں انصاف ضرور ملے گا۔'' فراز صاحب رسانیت سے بولے وفا نے محض آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆

اگلے دن ایس پی ریحان صاحب نے وفا کے کیس کی تمام تر ڈیٹیل آ کر فراز صاحب کے گوش گزار کی جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔

''تھینکس ریحان! تمہاری وجہ سے ایک مظلوم لڑکی کو انصاف مل گیا۔''

''جناب! یہ میرا فرض تھا۔'' ایس پی ریحان مسکرا کر بولے۔

''اچھا چائے لو گے یا کافی؟'' فراز صاحب مسکرا کر بولے۔

''نہیں یار ڈیوٹی پر ہوں۔'' ایس پی ریحان صوفے سے اٹھتے ہوئے بولے فراز صاحب نے صوفے سے اٹھ کر ایس پی ریحان سے مصافحہ کیا، اور وہ اللہ حافظ کہتے ہی باہر نکل گئے، فراز صاحب کمرے کی جانب بڑھے ہی تھے۔

''پاپا!'' شامین کی آواز پر چونک کر متوجہ ہوئے۔

''جی بیٹا!'' فراز صاحب شامین کے کندھے پر بازو پھیلا کر بولے۔

''پاپا! اسدی، وفا میں انوالو ہو گیا ہے میرا اور سمیر کا خیال ہے کہ ان دونوں کی شادی کروا دیتے ہیں اس طرح وفا کو سیکورٹی بھی مل جائے گی۔'' شامین سنجیدگی سے بولی، بات تو کافی معقول تھی، فراز صاحب کے دل کو بھی لگی۔

''کیا وفا راضی ہے؟'' فراز صاحب نے مسکرا کر استفسار کیا۔

''ہم سب مل کر اسے راضی کر لیں گے۔'' شامین عزم سے بولی۔

''ٹھیک ہے اگر وفا مان جاتی ہے تو یہ اچھی بات ہے۔'' فراز صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے اور کچھ لمحہ توقف کیا اور مزید گویا ہوئے۔

''بلکہ ان دونوں کے ساتھ تمہاری اور سمیر کی شادی کی ڈیٹ فکس بھی اسی دن طے کر لیں گے۔''

''کیسا......؟''

''مجھے نہیں پتا۔'' شامین شرماتے ہوئے بولی تو فراز صاحب مسکراتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

شام کے وقت آسمان پر پرندوں کی

قطاریں گزر رہی تھیں پودوں سے ٹکرائی ہوا میں ناموس لیکن بھلی سی خوشبو کا احساس رچا بسا تھا۔
وفا لان کے وسط میں کرسی پر بیٹھی آسمان کو دیکھے جا رہی تھی۔
مین گیٹ کو کراس کرتے ہوئے اسد کی نظر اس پر پڑی تو وہ وہی چلا آیا، ارد گرد سے بے خبر وہ ہنوز اسی کیفیت میں بیٹھی تھی، اسد نے گلہ کھنکار کر اسے متوجہ کیا۔
''ہیلو کیسی ہو؟'' اسد نے مسکرا کر استفسار کیا، وفا نے چونک کر اسد کی طرف دیکھا اور ایکدم گھبرا کر وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ اسد نے لپک کر اس کا راستہ روک دیا اور گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
''میں صاف گو بندہ ہوں اور صاف بات کرتا ہوں، مجھ سے شادی کرو گی؟'' وفا ایکدم بوکھلا کر رہ گئی۔
''دیکھیں پلیز مجھے جانے دیں۔'' وہ رو دینے کو ہوئی۔
''اپنی بات کا جواب لئے بغیر تو نہیں جانے دوں گا۔'' اسد مسکرا کر بولا، اس کے پرتپش لہجے میں بلا کی حدت تھی، وفا سمٹ کر رہ گئی۔
''آپ کسی اور سے شادی کر لیں۔'' وہ گھبرا کر بولی۔
''مفت مشورے کا شکریہ۔'' اسد جھنجلا کر بولا۔
''یار! تم میرا اعتبار کر سکتی ہو۔'' اسد کے لہجے میں سنجیدگی در آئی۔
''میرا اعتبار متزلزل ہو گیا ہے، دنیا کی ہر چیز سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔''
''محبت پر سے بھی؟'' اسد نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، وہ ایکدم ہی رو پڑی اسد کی تو جیسے دل کی دھڑکن تھم سی گئی۔

''دیکھو...... دیکھو پلیز رونا نہیں ہے، ورنہ میں یہی فوت ہو جاؤں گا اور تم یقیناً اتنی کم عمری میں بیوہ ہونا نہیں چاہو گی۔'' اسد نے جس قدر معصومیت سے کہا، نا چاہتے ہوئے بھی وفا کو ہنسی آ گئی۔
''لگتا ہے لڑکی مان گئی ہے، یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' وفا کو مسکراتے دیکھ کر وہ بولا، وفا نے ایکدم ہونٹ بھینچ لئے۔
پھر اسد نے ایکدم اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تو وفا اس حرکت پر جھینپ سی گئی۔
''اب چلو گی میرے ساتھ؟''
''اس طرح۔'' وفا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
''نہیں پورے اہتمام سے آئیں گے میڈم بینڈ باجے کے ہمراہ۔'' اسد شوخی سے بولا، وفا ایکدم ہی شرما کر رہ گئی۔

☆☆☆

الحان کے دامن میں

مبشرہ انصاری

''ہائے الحان!'' سحر نے الحان کو چوب محل کے دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ، میگزین فولڈ کرتے ہی شیریں لہجے میں مخاطب کیا، الحان اس کی جانب دیکھتے ہی بے ساختہ اثبات میں سر ہلانے لگا، اسے یاد آ گیا تھا کہ کل رات، سحر کس قدر حقارت بھری نگاہوں سے مانہ کی جانب دیکھ رہی تھی اور اس کا لہجہ بھی اس کے ساتھ کس قدر تلخ تھا، اسے اگنور کرتا وہ دھڑام سے کاؤچ پر براجمان ہو گیا۔

''I have a news ladies!''۔

الحان کی مسحور کن بارعب آواز سماعت سے ٹکراتے ہی وہاں پر موجود تمام لڑکیاں ایک ساتھ سر اٹھائے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ سجائے الحان کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

☆☆☆

''فائنلی! آشلے کو الحان کے ساتھ رسنل

ناولٹ

ڈیٹ کا موقع مل ہی گیا۔'' تیکھے نین نقش کی (برٹش مسلم) اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھماتی لمبے سلکی تراشیدہ بالوں کو جھٹکا دیتی ایک انداز سے گویا ہوئی تھی۔

''اس کے نام کا اعلان ہونے کے بعد سے وہ پھولے نہیں سما رہی تھی، خوشی کے مارے پاگل ہوئی چلی جا رہی تھی۔''

اس بار مسکان نے لقمہ دیا، مانہ دلچسپی سے ان دونوں کی باتیں سنتی، اپنا لنچ بنانے میں مصروف رہی۔

''تم نے اس کا ڈریس دیکھا تھا؟ یار! کس قدر شاندار ڈریس تھا، اتنی تیاری کے ساتھ ڈیٹ پر گئی ہیں میڈم کہ بس۔'' مسکان بات مکمل کرتے ہی لمبی ٹھنڈی سانس کھینچ کر رہ گئی۔

''اچھا...... کہاں پر ہے ڈیٹ؟'' غیر دلچسپی کا مظاہرہ کرتی مانہ لاپرواہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

''سمندر کے بیچ و بیچ، یاٹ پر ڈیٹ ہے ان دونوں کی اور جس طرح سے وہ میڈم تیار ہو کر گئی

ہیں، آئی بیٹ الحان آج فل فدا ہونے والا ہے آشلے پر۔''

بسکٹ کا مزہ لیتی فارا بھی اب کے میدان میں کود پڑی تھی، مانہ اثبات میں سر ہلانے لگی، اسے ان سب کی پرواہ نہ تھی کہ الحان کس کے ساتھ ڈیٹ پر جاتا ہے اور کس پر فدا ہوتا ہے، وہ ان سب کی باتیں اگنور کرتی اپنے کام میں مصروف رہی۔

☆☆☆

''اس دن پارٹی کے بعد میں نے تمہیں کانٹیکٹ کرنے کی بہت کوشش کی الحان! لیکن تم تک پہنچنا، تم سے رابطہ کرنا کوئی آسان کام تو نہ تھا، میری بیڈ لک چلتی رہی، پھر جب مجھے معلوم پڑا کہ تم اس ریلٹی شو کے BACHELOR ہو تو یقین جانو، میں ایک دم خوشی سے اچھل پڑی اور پہلی فرصت میں عاشر زمان کے آفس پہنچ گئی، مجھے اس شو میں آنا تھا، صرف تمہارے لئے، قسمت نے میرا ساتھ دیا اور آج دیکھو، ہم تم دونوں ایک ساتھ ہیں۔''

یاٹ پر آمنے سامنے رکھی گئی کرسیوں پر وہ دونوں براجمان تھے آشلے اپنے کرل کیے گئے بالوں کی لٹوں سے کھیلتی مسحور کن انداز میں محو گفتگو تھی، الحان لبوں پر ہاتھ رکھے بغور اس کی جانب دیکھتا اس کی گفتگو پر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

موسم بہت خوشگوار تھا، ابر کا سا ساماں تھا، بادل اُمڈ اُمڈ کر گھرے چلے آرہے تھے، خنک ہوا بھی ادھر سے ادھر کھیلتی پھر رہی تھی، یاٹ فل سپیڈ سے سمندر کا سینہ چیرتی انجانی منزل کی طرف رواں دواں تھی، آشلے مارون سلک میکسی میں ملبوس، لائٹ سا میک اپ اور بالوں کو کرل کیئے بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی، الحان بغور دلچسپی سے اس کا جائزہ لیتا دکھائی دیا تھا، آشلے واقعی بے انتہا خوبصورت تھی لیکن اس کے پاس مانہ جیسی آنکھیں نہ تھیں، مانہ جیسی خوبصورت مسکراہٹ، مانیہ جیسی پرسنالٹی اور نہ ہی وہ مانہ جیسی سوچ کی مالکہ تھی، الحان نے ہر انداز سے آشلے کو مانہ کے ساتھ تشبیہ دینے کی کوشش کی تھی، نتیجتاً مانہ اسے ہر انداز ہر زاویہ سے بالکل مختلف، بالکل الگ اور بارعب دکھائی دی تھی۔

''لڑکی کمال کی ہے، لیکن مانو سے بڑھ کر نہیں، اس کی آنکھیں بھی خوبصورت ہیں، مگر مانو کی آنکھوں کی بات ہی الگ ہے، اس کی آنکھوں میں ڈوب جانے کو دل چاہتا ہے۔'' وہ اپنی ہی سوچ پر دھیمے سے مسکرا دیا، اگلے ہی پل وہ اپنے ذہن میں ابھرتی تمام سوچوں کو جھٹکتا، مکمل طور پر آشلے کی جانب متوجہ ہو بیٹھا تھا، وہ دونوں تقریباً ایک آدھ گھنٹے تک یونہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

''میں شو کے پہلے دن سے انتظار میں تھی اور میری خواہش تھی کہ ہم تم کسی ایسی ہی ڈیٹ پر جائیں، سہانہ موسم ہو، میرے اور تمہارے سوا دور دور تک اور کوئی نہ ہو۔'' وہ مسحور کن انداز میں بولتی اٹھ کھڑی ہوئی اور دھیرے دھیرے چلتی یاٹ کی گرل تھامے وسیع خوبصورت آسمان کی جانب دیکھنے لگی، الحان بھی اس کے تعاقب میں چلتا اس کے برابر میں جا کھڑا ہوا، الحان کی نظروں کا محور وسیع خوبصورت آسمان تھا، آشلے نظریں گھما کر دلکش نگاہوں سے الحان کی جانب دیکھتی اس کے شولڈر پر اپنا سر ٹکائے کھڑی تھی، الحان اس کی اس حرکت پر یکایک چونک اٹھا۔

''کیمراز لگے ہیں میڈم! بی کیئر فل۔'' وہ اسے محتاط کرنے لگا۔

''جانتی ہوں، لیکن مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔'' وہ اپنے انگلش لہجہ میں مسحور کن انداز میں بولتی آنکھیں موندے اس کے لمس کو محسوس کرنے لگی۔

''دیکھو آشلے! میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتا ہوں، لیکن پلیز ٹرائے تو انڈرسٹینڈ، فی الحال ہم دونوں کا اتنا بے تکلف ہونا ٹھیک بات نہیں، پوری

دنیا دیکھے گی یہ شو، آئی ہوپ یو انڈرسٹینڈ۔'' وہ تحمل بھرے انداز میں بڑی مہارت سے اسے خود سے جدا کرتے ہوئے بولا، آشلے اب براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''تمہیں واقعی پوری دنیا کی پرواہ ہے، یا مانہ کی؟''

''مطلب؟'' مانہ کے نام پر وہ اچنبھے سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''تمہیں معلوم ہے؟ جزیرہ پر موجود تمام لوگ ایک ہی افواہ پھیلائے چلے جا رہے ہیں۔''

''کیسی افواہ؟'' الحان نے پوچھا۔

''یہی کہ تم ہم سب لڑکیوں میں مانہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہو؟'' وہ جیلسی کا مظاہرہ کرتی اپنی آنکھیں گھما کر رہ گئی، الحان کو اس کا انداز پسند نہ آیا تھا، تبھی وہ تیوری چڑھائے اس کی جانب دیکھتا زیرلب بڑبڑایا۔

''مانو......؟''

''اوہ تو اس کے لئے سپیشل نام بھی منتخب کیا ہوا ہے آپ جناب نے۔'' وہ جل بھن کر رہ گئی، الحان جواباً کچھ نہ بولا۔

''تم اسے پسند کرتے ہو؟'' جیلسی اس کے لہجے اور چہرے سے ٹپکتی دکھائی دی تھی۔

''مجھے تمہارے سمیت جزیرے پر موجود تمام لڑکیاں پسند ہیں۔'' وہ برجستہ بولا۔

''لیکن تم یہ بتاؤ کہ تمہیں مانو کیوں پسند نہیں؟'' وہ بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتا پوچھ رہا تھا، آشلے نخوت سے ناک چڑھا کر رہ گئی۔

''وہ بہت عجیب لڑکی ہے؟''

''ہاں...... عجیب تو ہے وہ۔'' وہ سوچتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دیا۔

''اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ اس شو میں رہنا بھی نہیں چاہتی۔''

''ہوں۔'' وہ اس سے زیادہ کچھ کہہ بھی نہ پایا۔

''مجھے لگتا ہے، یہ سب اس کا پلان ہے۔'' وہ اپنے نیلز کا جائزہ لیتی لاپروائی سے گویا ہوئی۔

''پلان؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''تمہاری مکمل توجہ حاصل کرنے کے لئے اس نے خود کو ہم سب سے الگ اور مختلف ظاہر کیا، تاکہ تم اسے نوٹس کر سکو۔''

''میری توجہ تم سب پر ہے، میں تم سب کو نوٹس کرتا ہوں۔'' وہ چلتا ہوا واپس ٹیبل کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''خیر چھوڑو ان سب باتوں کو، یہ ہماری ڈیٹ ہے اور ہمیں صرف اپنے ہی بارے میں بات کرنا چاہیے۔'' گلاس میں جوس انڈیلتا وہ خوشگوار لہجے میں گویا ہوا، آشلے مسکرا دی اور ایک بار پھر سے اپنی ذات کے متعلق بات کرنے لگی۔

الحان چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کی گفتگو سنتا رہا، لیکن اندر ہی اندر وہ مانہ کے لئے خاصا پریشان تھا۔

''مانو صرف مجھے ہی نہیں، بلکہ اس جزیرہ پر موجود ان تمام لڑکیوں کے تلخ رویوں کو بھی برداشت کر رہی ہے۔'' من ہی من میں سوچتا وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

''ہم عجب لوگ ہیں، موقع ضائع کر دیتے ہیں، پھر ان کی تلاش شروع کر دیتے ہیں، جانے کے بعد کون واپس آتا ہے؟ موقع تو کبھی واپس نہیں آیا، جو گیا، وہ واپس نہیں آیا، اور جو واپس آیا، وہ...... وہ نہیں تھا جو گیا تھا، وہ کچھ اور ہی تھا، دھاگہ ٹوٹ جائے تو اسے جوڑا جا سکتا ہے، لیکن گرہ ضرور لگ جاتی ہے، ہم ہمیشہ حسرت سے سوچتے رہ جاتے ہیں، کیونکہ ہم خوابوں میں رہتے ہیں اور وقت سے پیچھے رہ جاتے ہیں، ہم وقت کے ساتھ کیوں نہیں چلتے؟ ہم کیا کرتے ہیں؟''

مانہ تمام لڑکیوں سے دور اپنے من پسند

درخت کے سائے تلے بیٹھی، ڈائری تھامے پین کی سیاہی سے لفظوں کی برسات کیے چلی جارہی تھی، کہ یکا یک پیچھے سے آتی یاٹ کے انجن کی آواز پر چونکی پلٹ کر یاٹ کی جانب دیکھنے لگی، الحان اور آشلے کسی بات پر کھلکھلا کر مسکراتے، یاٹ سے نیچے اترتے دکھائی دیئے تھے، ایک اچٹتی سے نگاہ ان دونوں پر دوڑاتی وہ ایک بار پھر سے اپنے کام میں جت گئی، قدم بہ قدم آگے بڑھتی آشلے کے قہقہے بڑھتے ہی چلے جارہے تھے، جس کی بدولت مانہ کی، اپنے ناول کی طرف مبذول توجہ بٹ کر رہ گئی تھی، وہ تحمل کا مظاہرہ کرتی لمبی سانس کھینچتی، ان دونوں کے نزدیک پہنچنے سے پہلے ہی ایک جھٹکے سے اٹھی اور انا فاناً چوب محل کی جانب بڑھنے لگی، مین دروازے پر پہنچتے ہی خرم سمیت تمام لڑکیوں کو لاؤنج میں اکٹھا دیکھا، وہ ٹھٹکا کر رہ گئی، ان سب کو نظروں کا محور بنائے وہ دھیرے دھیرے چلتی مسکان کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

''کیا چل رہا ہے؟'' اس نے سرگوشی کی تھی۔

''تم کہاں تھیں؟ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی، خرم نے کچھ ضروری اناؤنسمینٹ کرنا تھی، اب معلوم نہیں کہ یہ کون سا ضروری اعلان ہے؟'' مسکان کی بات پر وہ خاموش ہو رہی، اتنے میں چوب محل کا دروازہ ایک بار پھر سے کھلا، آشلے قہقہہ لگاتی اندر داخل ہوئی، الحان اس کے تعاقب میں تھا۔

''کیسی رہی تم دونوں کی ڈیٹ؟'' خرم نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''گریٹ!'' آشلے خاصی خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''اچھی رہی، یہاں پر کیا ہو رہا ہے؟'' الحان سب کی جانب اچنبھے سے دیکھتا، خرم سے پوچھنے لگا۔

''ایک اہم اعلان کرنا ہے۔'' خرم آشلے کی جانب دیکھتا شیریں لہجے میں گویا تھا، آشلے اس کی آنکھوں کا اشارہ سمجھتی ایک بار پھر سے قہقہہ لگاتی، تمام لڑکیوں کے نزدیک جا کھڑی ہوئی، جاتے جاتے وہ الحان کو فلائنگ کس دیتی گئی تھی، مانہ اس کی بے باکی پر تیوری چڑھا کر رہ گئی، الحان مکمل طور پر خرم کی جانب متوجہ تھا۔

''سو لیڈیز! اپنے اپنے دل تھام لیجیے، کیونکہ سرپرائز ایلیمنیشن کی گھڑی آن پہنچی ہے۔'' خرم کا اعلان سنتے ہی مانہ کے سوا تمام لڑکیوں کے چہروں پر اک خوف کی لہر دوڑتی دکھائی دی تھی، وہ تمام کی تمام اک دوجے کو دیکھنے کے بعد عالم مضطرب میں اب خرم کی جانب دیکھتی چلی جارہی تھیں، الحان بھی اس اچانک کی ایلیمنیشن پر خاصا حیران ہوا تھا۔

''سرپرائز؟'' خرم معنی خیز نگاہوں سے مسکراتا ہاتھ کے اشارے سے روز باسکٹ منگوانے لگا، مس فاطمہ روز باسکٹ سمیت الحان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھیں ہر طرف گہری خاموشی چھائی تھی، روز باسکٹ ٹیبل پر الحان کے قریب رکھتی مس فاطمہ واپسی کے لئے مڑ چکیں تھیں۔

''الحان! ایک خوشگوار ڈیٹ کے بعد تمہیں اب اس مشکل ٹاسک کو پورا کرنا ہے، پچھلی ایلیمنیشن سے پہلے کر اب تک تم تمام لڑکیوں کو کافی اچھے سے جان چکے ہو، رائٹ؟'' خرم کے پوچھنے پر الحان اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''اگر الحان کو میرے پلان کی کان و کان خبر نہیں ہوتی، تو آج میں واپس گھر جا سکتی تھی، آہ میری بیڈ لک۔'' مانہ اپنا چشمہ اتارے اسے اپنی شرٹ سے صاف کرتی دل ہی دل میں کڑھ کر رہ گئی تھی۔

''اور کل رات کی گروپ ڈیٹ ہم نے اسی لئے ارینج کی تھی تاکہ الحان آپ تمام لیڈیز کو مزید

جان سکے۔'' خرم لیڈیز سے مخاطب ہوتا اب اپنے برابر میں کھڑے الحان کی جانب دیکھنے لگا جو سپاٹ نگاہوں سے، ٹیبل پر رکھے گلابوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''الحان! مجھے معلوم ہے کہ تمہیں ان تمام لیڈیز کو مزید جاننے کی ضرورت باقی ہے، لیکن...... یہ اس شو کا حصہ ہے، تمہیں آج دس لیڈیز کو یہ پھول دے کر سلیکٹ کرنا ہے اور سلیکٹ نہ کی جانے والی پانچ لیڈیز کو گھر واپسی کے لئے ایلیمینیٹ کرنا ہے سو آر یو ریڈی؟''

''آئی گیس سو؟'' الحان دھیمے لہجے میں بولتا اپنی مخصوص مسکراہٹ مسکرا دیا تھا۔

''آل دی بیسٹ۔'' خرم واپس جا چکا تھا، خوفزدہ کھڑی تمام لیڈیز پر نظر دوڑاتا الحان، ایک لمبی سانس کھینچتا، ٹیبل پر سے گلاب اٹھا کھڑا ہوا۔

''مانہ!'' وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوا، مانہ کو مانو کہہ کر پکارنے کا فیصلہ کرنے کے بعد آج اسنے پہلی بار اسے اس کے پورے نام سے پکارا تھا، سب سے پہلے اپنا نام سماعت سے ٹکراتے ہی وہ آنکھیں میچتی، عجلت سے چلتی الحان کے سامنے جا کھڑی ہوئی، ہکا بکا کھڑیں تمام لڑکیاں مانہ کا نام سب سے پہلے پکارے جانے پر نفرت سے اسے گھورتی دیکھائی دی تھیں۔

''کیا آپ مزید ایک ہفتہ یہاں رہ کر مجھے برداشت کرنا پسند کریں گی؟'' وہ سرگوشی میں بولا، چہرے پر شریر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، مانہ اسے گھورتی، گلاب پکڑتی، لڑکیوں کی قطار کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی۔

دوسرا پکارے جانے والا نام آسکلے کا تھا، وہ خوشگوار انداز میں گلاب تھامتی، مانہ سے کچھ فاصلے پر آ کھڑی ہوئی، تیسرا نام مسکان کا تھا، گلاب اسے تھماتے ہی وہ شریر مسکراہٹ لئے ایک بار پھر سے سرگوشی کرنے لگا۔

''اس ہفتے کہیں کھونا نہیں۔'' مسکان دھیمی مسکراہٹ لبوں پر سجاتی اثبات میں سر ہلاتی آشلے کے برابر میں جا کھڑی ہوئی، ایک کے بعد ایک گلاب کا سلسلہ چلتا رہا، منتخب کی جانے والی دس لڑکیاں مکمل ہوتے ہی ایلیمینیٹ کی گئی پانچ لڑکیاں افسردگی سے منہ لٹکائے منتخب کی گئی لڑکیوں سے گلے مل کر، اپنا اپنا سامان پیک کرنے کی غرض سے اپنے اپنے رومز کی جانب بڑھنے لگیں، ایلیمینیٹ کی جانے والی پانچ لڑکیوں میں سر فہرست سحر تھی، جو بے یقینی کے عالم میں اپنی جگہ کھڑی آنسو بہاتی الحان کو گھور رہی تھی، آشلے سحر کی ایلیمینیٹ ہونے پر خاصی افسردہ دیکھائی دی تھی، سحر کے ساتھ ساتھ ایلیمینیٹ کی جانے والی لڑکیوں میں ایک بیوقوف کورئین جوڑی، غیوری، میراں، برٹش مسلم فارا اور ایک انڈین لڑکی پوجا شامل تھی۔

مانہ کی نگاہ اچانک الحان پر جا ٹکی، جو سب کی موجودگی کے باوجود ٹکٹکی باندھے شریر مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کی جانب دیکھتا دیکھائی دیا تھا، مانہ جلدی سے نظروں کا زاویہ بدلتی، لب بھینچتی، لمبی سانس کھینچ کر رہ گئی۔

''سارا پلان چوپٹ ہو کر رہ گیا، اب پھر سے وہی سب برداشت کرنا ہوگا۔''

☆☆☆

پل لمحوں، منٹوں، گھنٹوں اور گھنٹے دنوں میں بدلتے چلے گئے، مانہ، الحان کو اپنے قریب بھٹکنے کا موقع تک نہ دے رہی تھی، الحان مکمل طور پر بیزار ہو کر رہ گیا تھا۔

''میں نے سوچا تھا کہ ڈھیروں خوبصورت لڑکیوں کی موجودگی میں بے انتہا مزے کرنے والا ہوں میں، لیکن آئی واز رونگ۔'' وہ بن پانی مچھلی کی طرح اپنے کمرے میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک چکر کاٹتا پھر رہا تھا۔

''نہیں چاہیے ان سب کی موجودگی مجھے اور جس کی موجودگی کا میں طلبگار ہوں، وہ محترمہ،

گھاس تک نہیں ڈالتیں مجھے، اپنے دل کا دروازہ ہی نہیں کھول رہی میڈم! انا پرست لڑکی ہونہہ۔‘‘ وہ اپنے بالوں کو مٹھیوں میں دبوچے لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

’’سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤں گا میں۔‘‘ وہ پھر سے ارد گرد چکر لگانے لگا۔

’’او کے!‘‘ فیصلہ کن انداز میں آئینہ میں اپنا عکس دیکھتا وہ کمرے سے باہر کی جانب بڑھ گیا، تیز تیز قدم سمندر کی جانب بڑھاتا وہ غصے کے عالم میں اپنی شرٹ کے بٹن کھولتا، قدم بہ قدم سمندر کی لہروں کی جانب بڑھتا رہا، موسم ہمیشہ کی طرح بے حد خوشگوار تھا، نیلے وسیع آسمان پر کالے کالے بادل گھر گھر کر بھاگے چلے آرہے تھے، اس وقت چوب محل کے باہر کوئی بھی نہ تھا، شاید تمام لڑکیاں ابھی تک اپنی اپنی خواب گاہ سے باہر نہ نکلی تھیں، یا پھر شاید ناشتہ کا دور اپنے عروج پر تھا، الحان چوب محل پر نظر دوڑاتا اپنی شیرٹ کھینچ کر اتاری اور دور اچھال دی اور اٹھلاتی، کھلکھلاتی لہروں کے بیچ و بیچ سوئمنگ کرنے لگا۔

☆☆☆

’’گڈ مارننگ!‘‘

اپنے من پسند درخت کے سائے تلے بیٹھی ڈائری لکھتی مانہ اس وقت یکا یک چونک اٹھی، جب عاشر نے اس کے دو قدم کے فاصلے پر رک کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

’’گڈ مارننگ ٹو!‘‘ وہ اپنی ڈائری بند کرتے ہی شیریں لہجہ میں گویا ہوئی۔

’’کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟‘‘ وہ پوچھ رہا تھا۔

’’ہاں...... بالکل۔‘‘ وہ برجستہ بولی، عاشر لب بھینچتا، مانہ کے برابر میں بیٹھ گیا۔

’’شو کا فیڈ بیک کیسا ہے؟‘‘ وہ متانت سے پوچھنے لگی۔

’’بہت اچھا لوگ بہت پسند کر رہے ہیں۔‘‘ وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

’’ہوں...... گڈ!‘‘ وہ اپنی ڈائری کو دیکھتی بولی۔

’’ڈیٹ کے انتظامات اور ایلیمینیشن کی گھڑیاں تھکا کر رکھ دیتی ہیں اور پھر ایڈیٹینگ از آ رئیلی ٹف جاب۔‘‘ وہ دور کہیں غیر مرئی نقطہ پر نظریں ٹکا تا سنجیدگی سے گویا تھا، مانہ اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گئی۔

’’تم کیا کر رہی تھیں؟‘‘ اس نے مانہ کی ڈائری پر نظر دوڑائی۔

’’آں...... اپنے ناول کے لئے، یہاں پر گزارے گئے کچھ پوائنٹس نوٹ کر رہی تھی۔‘‘ وہ دھیمے لہجے میں جواباً بولی۔

’’او کے...... گڈ۔‘‘

’’کبھی کبھی مجھے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کاش، آپ نے مجھے وہ کانٹریکٹ نہیں دیا ہوتا۔‘‘ وہ نظریں جھکائے افسردگی سے گویا ہوئی، عاشر اس کی جانب دیکھتا ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔

’’اوہ آئی ایم رئیلی ویری سوری مانہ! مجھے بالکل اندازہ نہ تھا کہ الحان تمہیں ایلیمینیٹ نہیں کرے گا۔‘‘

’’الحان میری سمجھ سے باہر ہیں۔‘‘

’’پہلے دن سے لے کر اب تک، میں نے بھی Observe کیا ہے مانہ اور مجھے لگتا ہے، بلکہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ الحان تم میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہا ہے، وہ تمہیں ایلیمینیٹ کیوں نہیں کر رہا۔‘‘ چند ثانیے کی خاموشی کے بعد عاشر گہری متانت سے گویا ہوا تھا، مانہ آنکھوں میں بے پناہ حیرت سموئے براہ راست عاشر کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

’’شاید الحان سے یہ بات برداشت نہیں ہو رہی کہ یہاں پر موجود ہر لڑکی کی طرح میں ان میں کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔‘‘ وہ بولی۔

’’نہیں...... بلکہ اس لئے کہ تم واقعی ایک

دلچسپ پرسنالٹی کی مالکہ ہو۔'' وہ ایمانداری سے بولا، مانہ مسکرا کر رہ گئی۔

''تھینک یو۔''

''ویلکم!'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔

''یہاں پر موجود سبھی لوگوں نے محسوس کیا ہے بلکہ دیکھا ہے کہ الحان باقی تمام لڑکیوں کی نسبت، تمہیں زیادہ اہمیت دیتا ہے، تمہارے ساتھ زیادہ ٹائم گزارنا چاہتا ہے۔'' عاشر کی باتوں کو سنتی وہ چند ثانیے خاموش رہی، پھر بولی۔

''الحان صرف مجھے تنگ کرنے کے نت نئے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں بس اور کوئی بات نہیں۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''کوئی بات ہے یا نہیں، اس سے میں مکمل طور پر واقف نہیں، ہاں البتہ تمہارا خیر خواہ ہونے کے ناطے، میں تمہیں خبردار ضرور کرنا چاہوں گا، کہ الحان کی کسی بھی بات پر ٹرسٹ ہرگز نہ کرنا، وہ ایک پلے بوائے ہے، یونیورسٹی کے زمانے سے جانتا ہوں اسے، اس کی رگ رگ سے واقف ہوں، نہ وہ تمہارے ساتھ سنجیدہ ہے، نہ کبھی ہوگا، بہت چالاک انسان ہے الحان ابراہیم، سو بی کیئر فل۔'' وہ گہری سنجیدگی سے مانہ کے پریشان چہرے کی جانب دیکھتا اسے خبردار کر رہا تھا۔

''آئی نو، مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا عاشر! میں واپس جانا چاہتی ہوں، مجھے یہاں نہیں رہنا پلیز۔'' وہ خاصی خوفزدہ دیکھائی دے رہی تھی۔

''آئی ایم سوری مانہ! شو کی کئی اقساط آن ائیر جا چکی ہیں اور پھر ان کی خاص توجہ کے باعث تم اس شو میں خاصی واضح دیکھائی دے رہی ہو، کانٹریکٹ والی بات بہت دور رہ گئی ہے، اب سب الحان کے ہاتھ میں ہے، وہ تمہیں ایلیمینیٹ کرے، تبھی تم واپس جا سکتی ہو۔''

''اور وہ ایسا نہیں کرے گا، وہ بہت ضدی انسان ہے۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوئی۔

''دیکھو میرا مقصد تمہیں ڈرانے کا نہیں تھا، میں صرف تمہیں خبردار کرنا چاہتا تھا، باقی تم خود خاصی میچور اور سمجھدار لڑکی ہو، بہادری سے اس کا سامنا کرو اور اسے شکست دو اور پلیز ڈونٹ وری، ریلیکس۔'' مانہ اثبات میں سر ہلاتی پر سوچ انداز میں منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

☆☆☆

تیس منٹ کی سوئمنگ کے بعد ساحل کی جانب بڑھتے الحان کی نظر یکایک درخت کے سائے تلے بیٹھے عاشر اور مانہ پر جا ٹکی۔

''ان دونوں کے بیچ آخر چل کیا رہا ہے؟'' وہ من ہی من میں سوچتا مشکوک انداز میں ان دونوں کی جانب دیکھتا رہا۔

''اور یہ محترمہ! مانو نے آج تک میری باتوں کو تو اتنی توجہ سے نہیں سنا۔'' تیوری چڑھائے آگ بگولہ نگاہوں سے ان دونوں کی جانب دیکھتا وہ دھیرے دھیرے قدم بہ قدم ساحل کی جانب بڑھنے لگا، ان دونوں کو نظروں کا محور بنائے وہ اندر ہی اندر جل بھن سا گیا۔

''الحان!'' مس فاطمہ ہاتھوں میں سفید انویلیپ تھامے الحان کی جانب بڑھتی دیکھائی دی تھیں، ان دونوں پر سے نظر ہٹاتا وہ نظریں گھما کر مس فاطمہ کی جانب دیکھنے لگا۔

''یہ آج کا ڈیٹ شیڈول ہے۔'' انہوں نے وہ لفافہ الحان کی جانب بڑھا دیا۔

''کہاں؟'' وہ لفافہ ہاتھ میں تھامتا بے زاری سے گویا ہوا۔

''یہیں جزیرہ پر، پچھلی جانب ڈیکوریشن کے انتظامات کیے جا رہے ہیں، آپ اگر دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو، سب ٹھیک ہے یا کچھ چینج کرنا ہے۔'' مس فاطمہ ڈیٹیل بتاتیں اپنے گلے میں پہنے اپنے نام کے کلپ بورڈ کی جانب دیکھنے لگیں، الحان نے جھک کر اپنی شرٹ اٹھائی تھی۔

''ڈیٹ کس کے ساتھ ہے؟''

''گروپ ڈیٹ ہے، برینڈا اور نیہا کے

ساتھ۔"

"گروپ ڈیٹ ہے تو مانہ کو بھی ایڈ کر دیں گروپ میں۔" وہ لہجے کو لاپرواہ بناتے بولا۔

"اور کون کون جانے والا ہے ساتھ؟"

"دو کیمرہ مین ہیں اور کچھ کریو کے لوگ ہیں، آپ دیکھ لیں یہ لسٹ ایک بار۔" مس فاطمہ نے لفافہ کی جانب اشارہ کیا۔

"میں یہ ڈیٹ یہاں پر نہیں کرنا چاہتا، تھک گیا ہوں یہاں پر رہ رہ کر، مجھے تھوڑے چینج کی ضرورت ہے اس لئے آپ پلیز عاشر سے کہہ دیجئے کہ میں یہ ملاقات اس جزیرہ کے کہیں باہر جا کر کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بیزاریت سے گویا ہوا تھا، مس فاطمہ آئی برو اچکا کر رہ گئیں۔

"مثلاً کہاں؟"

"لندن!"

"لندن؟ پھر تو پوری رات لگ سکتی ہے اور کل صبح سے پہلے کی واپسی ممکن نہیں۔" وہ اچنبھے سے گویا ہوئیں۔

"ہوں۔"

"پھر کریو کے زیادہ لوگوں کو ساتھ لے کر جانا پڑے گا اور شاید عاشر بھی۔"

"عاشر ہمارے ساتھ نہیں جائے گا، ناں؟" نجانے وہ پوچھ رہا تھا یا باور کرا رہا تھا، مس فاطمہ سمجھ نہ پائیں۔

"معلوم نہیں، یہاں ایڈیٹنگ کا کافی کام ہے جو ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے۔"

"گڈ میں ان تینوں کو لندن لے کر جاؤں گا یہاں انتظامات رکوا دیں۔" وہ قطعیت بھرے انداز میں بولتا آگ بگولہ نگاہوں سے ان دونوں کی جانب دیکھتا انہی کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

"اپنی ایڈیٹنگ کا کام ادھورا چھوڑ کر، مانو کے ساتھ گپیں ہانکنے کی اس کی ہمت کیسے ہوئی۔" وہ من ہی من میں کڑھتا ان دونوں کے قریب جا رکا، عاشر جو ابھی ابھی مانہ کی کسی بات پر مسکراتا

واپسی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا، الحان کے اچانک وارد ہونے پر یکا یک چونک اٹھا، الحان بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کرتا، چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کی جانب دیکھتا تحمل سے گویا ہوا تھا۔

"ہائے۔"

"الحان تمہیں ڈیٹ شیڈول مل گیا؟"

"ہاں...... مل گیا...... لیکن میں نے کچھ چینجنگ کی ہے۔"

"چینجنگ؟" عاشر اب کے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"گروپ ڈیٹ دو لڑکیوں کے بجائے تین لڑکیوں کے ساتھ ہو گی مانہ بھی شامل ہے آج کے ڈیٹ گروپ میں اور یہ گروپ ڈیٹ لندن میں ہو گی۔"

"لندن میں؟ اچانک سے؟ کوئی انتظامات نہیں، آؤٹ آف بجٹ ہو جائے گا یار۔" عاشر خاصا حیران دکھائی دینے لگا تھا۔

"ان سب کی تم فکر نہیں کرو، بجٹ اور انتظامات سب میں اچھے سے سنبھال لوں گا، میں کچھ دیر کے لئے یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں یار۔" اس کے لہجے میں بیزاریت واضح طور پر عیاں تھی، اس کی نظریں عاشر سے پھسلتی درخت کے سائے تلے پریشان بیٹھی مانہ پر جا رکیں۔

"یہ اتنی پریشان کیوں ہے؟" وہ من ہی من میں ہم کلام ہوا۔

"ہمیں جلدی نکلنا ہو گا۔" عاشر سے کہتا وہ اپنے برابر رکتی مس فاطمہ کی جانب دیکھنے لگا۔

"مس فاطمہ آپ نیہا اور بریندا کو تیار رہنے کا کہہ دیں اور یاٹ بھی ریڈی کروا دیں۔" مس فاطمہ اثبات میں سر ہلاتیں اندر کی جانب بڑھنے لگیں جبکہ عاشر سراسیمہ حیران کھڑا الحان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"What?" الحان اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجائے عاشر کی جانب مخاطب

ہوا، جواباً عاشر بنا کچھ بولے ہاتھ کے اشارے سے گڈ لک بولتا پلٹ گیا۔

''مانو! ہماری ڈیٹ کے لئے تم خوش ہو؟''

وہ دور جاتے عاشر کی جانب دیکھتا اونچی آواز میں گویا ہوا، تاکہ عاشر اس کا کہا گیا جملہ اچھے سے سن سکے، عاشر نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔

''ڈیٹ؟'' غالباً مانہ کے سر پر ایک بلاسٹ سا ہوا، وہ حیران کن نگاہوں سے الحان کی جانب دیکھنے لگی۔

''ہم لوگ لندن جارہے ہیں۔'' وہ گرمجوشی کا مظاہرہ کرتا براہ راست مانہ کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''لندن؟'' اسے اچنبھا ہوا، الحان مسکراتے ہوئے ایک آنکھ دباتا، ہاتھ بڑھا کر مانہ کا ہاتھ تھامتے ہی اسے کھینچ کر اٹھانے لگا۔

''کم آن مانو! تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں، جلدی سے جا کر اپنا کچھ سامان پیک کر لو۔''

''سامان؟'' مانہ کی کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا، وہ الحان کے آناً فاناً برساتی حملوں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

''ہم آج کی رات لندن میں ہی رکیں گے، کل صبح ہماری واپسی ہوگی، اس لئے جاؤ اور اپنا ضروری سامان پیک کرلو۔'' الحان نے ڈیٹیل بتاتے ہی اسے اپنی جانب کھینچا، الحان کے کھینچنے پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھتی اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی۔

''اور کون کون جارہا ہے؟'' وہ حواس باختہ حیران کھڑی الحان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''برینڈا اور نیہا، اب جاؤ اور جا کر تیار ہو جاؤ، چلو شاباش، اچھی بچی۔'' وہ ہاتھ کے اشارے سے اندر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوا، مانہ تاسف بھرے انداز میں سر ہلاتی، نڈھال قدموں کے چلتی اندر کی جانب بڑھنے لگی۔

الحان شریر مسکراہٹ لبوں پر سجائے مانہ کو چوب محل کی جانب بڑھتا دیکھتا رہا، اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی الحان لمبی سانس کھینچتا اپنے کیبن کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

یاٹ پر بیتائے گئے آدھے گھنٹہ کے سفر کے بعد تمام سلیکٹڈ ٹیم الحان کے پرائیویٹ طیارے پر سوار لندن کے لئے روانہ ہو چکی تھی، نیہا اور برینڈا الحان کو گھیرے نجانے کہاں کہاں کی باتیں کیے چلی جارہی تھیں، تین کیمرہ مین اپنے اپنے کیمراز سنبھالے کبھی ریکارڈنگ کرنے لگتے تو کبھی کیمراز سائیڈ پر رکھے آرام کرنے لگتے، مانہ ان سب سے دور اپنی سیٹ پر بیٹھی، کھڑکی سے باہر جھانکتی نجانے کیا کیا سوچے چلی جارہی تھی، الحان اپنا سارا ٹائم مانہ کے ساتھ گزارنے کا خواہش مند تھا مگر وہ دو لڑکیاں تھیں کہ موقع نہ دے رہی تھیں، پٹر پٹر بولے ہی چلی جارہی تھیں۔

''ایک تو عاشر نے کیمرا مین کی پوری ٹیم میرے ساتھ روانہ کردی ہے، آخر ضرورت کیا تھی تین تین کیمرہ مین کو ساتھ بھیجنے کی، ہاں میں نے کہا تھا کہ بجٹ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ ایک انسان آپ کو ہاتھ دے اور آپ اس کی بازوں ہی کھینچ لیں۔'' من ہی من میں کڑھتا کیمرہ مین پر نظر دوڑاتا اب وہ مانہ پر اپنی نظریں ٹکا بیٹھا تھا۔

''اور یہ محترمہ...... مجال ہے...... جو تھوڑی سی لچک لے آئیں اپنے رویہ میں، اب دیکھو، اتنی دور بیٹھی، کھڑکی سے باہر نجانے کون سا خزانہ تلاشنے میں مصروف ہے۔'' وہ جل بھن کر رہ گیا، اب اس کی بیزار نگاہیں نیہا اور برینڈا پر مرکوز تھیں، جو باری باری منہ کھولے مسلسل کچھ نہ کچھ بولے چلی جارہی تھیں۔

''اور یہ...... بن سیل کے دو ریڈیو، پچھلے دو گھنٹوں سے ایک ہی بیزار ترین خبرنامہ نشر کیئے چلی جا رہی ہیں، اف۔'' وہ بظاہر تحمل کا مظاہرہ کرتا اندر ہی اندر خود سے جنگ لڑنے چلا جا رہا تھا۔

''اینی ویز! آج کا یہ موقع میں اتنی آسانی سے گنوانے نہیں دوں گا، آج میں مانہ سے دو ٹوک بات کروں گا، اسے آخر مجھ سے مسئلہ کیا ہے؟ کیوں وہ مجھ سے اس قدر اکھڑی اکھڑی رہتی ہے؟'' وہ مانہ کو نظروں کا محور بنائے من ہی من میں پلان کرنے لگا۔

''آئی نو، نیہا اور برینڈا سے جان چھڑانا تھوڑا مشکل کام ہے اور پھر یہ تین تین کیمرہ مین...... ہوں ان سب کی موجودگی میں مانو سے بات کرنا امپوسبل...... خیر کب تک جاگتے رہیں گے یہ سب ان سب کے سونے کے بعد ہی میں مانو سے کوئی بھی بات کر سکتا ہوں، یہ محترمہ اتنی جلدی سونے کی عادی نہیں اس بات کا مجھے اچھے سے اندازہ ہے۔'' من ہی من سارا پلان تصور کرتا اب وہ پرسکون انداز میں سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

ائیر پورٹ پہنچتے ہی ایک بلیک مرسیڈیز اس تمام ٹیم کو پک کرنے کے لئے پہلے سے موجود تھی، الحان تینوں لڑکیوں سمیت گاڑی میں ہوٹل کے لئے روانہ ہو چکا تھا، کیمرہ مین الگ کار میں ہوٹل کے لئے روانہ ہوئے تھے، تقریباً آدھا گھنٹہ کی ڈرائیو کے بعد الحان کی گاڑی لندن کے ایک خوبصورت نہایت ہی مصروف عمدہ اور مہنگے ترین ہوٹل کے سامنے جا رکی، نیہا اور برینڈا منہ کھولے ساکت کھڑیں، پھٹی نگاہوں سے ٹکر ٹکر ہوٹل کی جانب دیکھے چلی جا رہی تھیں۔

مانہ نے بھی (The Dorchester Hotel) کا نام بہت سنا تھا لیکن اس نے شاید کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی اس عالیشان اور لندن کے مہنگے ترین ہوٹل میں رہنے کے لئے آئے گی، اسے اس پل یہ سب ایک خواب سا لگ رہا تھا، ستائش بھری نگاہوں سے ہوٹل کی جانب دیکھتی، ناک پر ٹکی عینک دو دو درست کرتی وہ دم بخود چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوٹل کے مین دروازے کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

☆☆☆

''ٹوٹل تھری رومز ہیں، ایک روم میرا اور باقی کے دو رومز آپ تینوں لیڈیز آپس میں شیئر کریں گی اور یہ تینوں کیمرہ مین باہر چینل کی گاڑی میں رہیں گے، ناشتہ کے بعد ہم لوگ واپس آئس لینڈ کے لئے روانہ ہو جائیں گے، گرلز! گو اینڈ سلیکٹ یور رومز۔'' الحان لابی میں داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا تھا۔

نیہا اور برینڈا الحان کی بات سنتے ہی جمپ لگاتیں، تقریباً دوڑتی ہوئیں سیڑھیوں کی جانب بڑھیں تھیں، تینوں کیمرہ مین اپنے اپنے کیمرے سنبھالے ہوٹل کی ریکارڈنگ میں مصروف تھے، مانہ نظریں گھما گھما کر ہوٹل کا کونہ کونہ ذہن نشین کرتی دیکھائی دی تھی، آخر اسے اپنے ناول میں جو لکھنا تھا، الحان بغور مانہ کے چہرے کا جائزہ لیتا اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''مانو؟''

''لیں؟''

وہ ہوٹل کی چار دیواری سے بنا نظر ہٹائے مشغول انداز میں گویا ہوئی، وہ کافی حیران دیکھائی دے رہی تھی۔

''تم بھی جا کر اپنا روم دیکھ لو۔''

''نیہا اور برینڈا میرے ساتھ روم شیئر کرنا پسند نہیں کریں گی۔'' وہ مگن سے انداز میں بولی۔

''کوئی بات نہیں، تم چاہو تو میرے ساتھ روم شیئر کر سکتی ہو۔'' وہ معنی خیز انداز میں گویا ہوا،

ہوٹل کا جائزہ لیتی مانہ یکا یک چونک اٹھی، وہ اب شعلہ برساتی نگاہوں سے بغور الحان کی جانب دیکھنے لگی۔

''ویری فنی!''

''اوہ یس! اٹ از فنی...... خیر خواہ مخواہ غصہ میں اپنی انرجی ضائع کرنے کی ضرورت نہیں، میں مذاق کر رہا تھا۔''

''آپ مذاق نہیں کر رہے تھے، بہت اچھے سے جان چکی ہوں آپ کو الحان ابراہیم صاحب!'' وہ غصہ میں پھنکاری۔

''اچھا...... کیا جانتی ہیں آپ میرے بارے میں؟'' وہ تحمل سے گویا ہوا۔

''فالتو میں بحث نہیں کرنی مجھے۔'' وہ غصہ میں پھنکارتی اپنا بیگ اٹھانے لگی۔

''ہاں سب جانتی ہیں آپ...... بہت سمجھدار جو ہیں، ایک میں ہی بے وقوف ہوں اس پوری دنیا میں۔'' مانہ بیگ اٹھائے سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگی تھی، الحان نے جلدی سے دیوار بنتے ہی اس کا راستہ روک لیا تھا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں، اپنے بارے میں آپ خود بہتر جانتے ہیں۔'' وہ براہ راست الحان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پھنکاری، الحان لاجواب ہو کر رہ گیا۔

''اور ہاں...... میں آپ لوگوں کے ساتھ مزید ٹائم نہیں گزار سکتی، آپ لوگوں کو باہر کہیں بھی جانا ہو یا اسی ہوٹل میں کہیں بھی ٹائم سپینڈ کرنا ہو تو پلیز مجھے بلانے کی ضرورت نہیں، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، مجھے آرام کرنا ہے۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولتی سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگی، الحان نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے روکنے کی غرض سے اس کا بیگ چھین لیا تھا۔

''کم آن مانو! ایسا نہیں کرو پلیز، یہ سب میں نے تمہارے لئے کیا ہے۔'' الحان خاصا آرزدہ دیکھائی دیا تھا۔

''میرے لئے؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''ہاں، تمہارے لئے۔'' وہ اپنی بات دہراتا ایک بار پھر سے شرارت پر آمادہ تھا۔

''دیکھو تمہیں آنا ہی ہوگا، نہیں تو تمہیں لینے میں تمہارے روم میں آجاؤں گا اور تمہیں یہ بات یقیناً ناپسند ہوگی۔'' وہ شرارت بھرے انداز میں اسے دھمکانے لگا تھا، مانہ آتش پا نگاہوں سے اسے گھورتی، غصہ میں پھنکارتی، اپنا بیگ کھینچتی، تیزی سے چلتی سیڑھیوں کی جانب بڑھتی گئی، جواباً الحان شریر مسکراہٹ لبوں پر سجائے جینز کی پوکٹ سے موبائل نکالتا، نمبر ڈائل کرتے ہی موبائل کان سے لگا کھڑا ہوا تھا، دوسری ہی بیل پر کال رسیو کی جا چکی تھی۔

''ہیلو کبیر! کیسا ہو یار؟'' وہ فون پر اپنے اسی بیسٹ فرینڈ سے مخاطب تھا جس کے ساتھ شرط لگائے وہ اس شو کا اہم حصہ بنا تھا۔

''اچھا یار ایک کام کر، فوراً سے پہلے دی ڈورچیسٹر ہوٹل پہنچ، فوراً جلدی۔'' کہہ کر الحان نے فون بند کر دیا اور ویسلنگ کرتے ہوئے اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

''سین کیا ہے باس؟ اس کے آس پاس ہونے پر تو بہت عجیب فیل ہو کرتا ہے۔''

وہ سب لوگ چینج کیے اس وقت ہوٹل کے لاؤنج میں موجود تھے، نیہا اور برینڈا گھوم گھوم کر لاؤنج کا چپا چپا دیکھ رہی تھیں، تینوں کیمرہ مین الگ الگ جگہیں سنبھالے اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے، مانہ، الحان اور کبیر سے خاصے فاصلے پر بیٹھی تھی، اسی پل مانہ پر نظر دوڑاتا کبیر

جوس کا سیپ لیتا شریر انداز میں گویا ہوا تھا، جواباً الحان انجان بن کر بولا۔

''کس کے بارے میں بات کر رہے ہو؟''

''تم اچھے سے جانتے ہو کہ میں کیا بات کر رہا ہوں اور کس کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔'' اس بار کبیر سرگوشی کرنے لگا۔

''صاف صاف دکھائی دیتا ہے میرے بھائی، جب جب وہ تمہارے آس پاس ہوتی ہے، تمہاری نظریں اس پر سے ہٹتی ہی نہیں سچ میں، ٹی وی پر سب دیکھا گیا الحان صاحب۔'' وہ اس بار معنی خیز انداز میں گویا ہوا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''ایسا کچھ نہ کچھ تو ہے، مجھے لگتا ہے تو اسے پسند کرتا ہے، لیکن وہ تجھے پسند نہیں کرتی، ایسا ہے ناں؟'' الحان کو اچنبھا ہوا، اس کا دوست بالکل درست کہہ رہا تھا، نظروں کا زاویہ گھمائے وہ جوس پینے لگا۔

''وہ مجھے پسند کرتی ہے، اگر نہیں کرتی ہوتی، تو آج یہاں پر موجود نہیں ہوتی، انفیکٹ اس شو میں ہی موجود نہیں ہوتی۔'' اس نے جلدی سے ایک جھوٹ بولا، کبیر معنی خیز نگاہوں سے اسے گھورتا رہا۔

''وہ تجھے پسند نہیں کرتی، ...... اور تم اس میں اتنی دلچسپی لے رہے ہو؟ تجھے یاد ہے ناں اپنی شرط، اس شو کے اینڈ پر تو پلٹ کر کبھی بھی ان میں سے کسی بھی لڑکی کی جانب نہیں دیکھنے والا۔''

''ہاں ہاں یاد ہے سب کچھ، اچھے سے یاد ہے، تجھے میں نے یہاں شرط یاد دلانے کے لئے نہیں بلایا ہے۔''

''پھر کس لئے بلایا ہے؟''

''یار یہ نیہا اور برینڈا نان سٹاپ ریڈیو ہیں، بہت سر کھاتی ہیں قسم سے، بالکل تیرے ٹائپ کی ہیں دونوں، میں چاہتا ہوں کہ تو ان دونوں کو کمپنی دے، تاکہ یہ مجھ سے دور رہیں۔'' الحان بیزاریت سے گویا ہوا۔

''اچھا یعنی تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے میدان صاف کروں؟ میں ان دو چڑیلوں کو سنبھالوں اور پیچھے تم اس فیری کو۔'' الحان نے آنکھیں دکھائی۔

''اوہ سوری مانو؟''

''خبردار جو تو نے اسے مانو بولنے کی جرأت بھی کی، منہ توڑ دوں گا سالے تیرا۔''

''ابے تو بھی تو......''

''ہاں میں، صرف میں اس مانو کہہ کر پکار سکتا ہوں بس۔''

''اوئے ہوئے، کیا بات ہے، لو بھیا، تو مجھے صاف صاف شرط ہارتا دکھائی دے رہا ہے۔'' کبیر نے جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہی فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''ایمپوسبل۔'' وہ زور دے کر بولا۔

''ایمپوسبل کا اصل مطلب ہوتا ہے، آئی ایم پوسبل! سمجھے میرے بھائی۔''

''کبیر!'' وہ اسے آنکھیں دکھانے لگا۔

''مان لے میری بات، تو یہ شرط ہار رہا ہے اور میں جیت رہا ہوں، مان لے اپنی ہار، کوئی بات نہیں، ایسے بڑے بڑے شہروں میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔''

''پکچر ابھی باقی ہے میرے دوست، جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔''

''اوکے اوکے ہم تو دیکھ ہی رہے ہیں، پر آپ جناب دیکھ نہیں پا رہے۔''

اسی پل کبیر، مانو کو لاؤنج سے باہر نکلتے دیکھ یکا یک اچھل کر رہ گیا۔

''ابے وہ دیکھ، تیرے والی باہر جا رہی

ہے۔'' الحان جوس کا گلاس ٹیبل پر پٹختا تیزی سے کھڑا ہوتے ہی پلٹ کر لاؤنج سے باہر نکلتی مانہ کی جانب دیکھنے لگا۔

''کبیر! تو یہاں سنبھال، میں ابھی آیا۔''

''کہاں جا رہا ہے؟''

''بس ابھی آیا، دو منٹ میں۔'' وہ جمپ لگاتا ٹیبل پھلانگتا، تیز تیز قدم دروازے کی جانب بڑھانے لگا، کبیر اپنا سر کھجا کر رہ گیا۔

☆☆☆

وہ خنک ہوا سے ٹھٹھرتی گارڈن میں چلی آئی تھی، موسم بے حد خوشگوار تھا، تازہ ہوا اسے اپنی روح میں اترتی محسوس ہوئی، وہ لمبی سانس کھینچتی تازہ ہوا کو کھینچ کھینچ اپنے اندر اتارنے لگی کہ یکا یک ایک شناسا آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''مانو...... مانو!'' آواز ہر بڑھتے قدم کے ساتھ اسے نزدیک سے نزدیک تر ہوتی محسوس ہوئی، اس نے پلٹ کر دیکھا، سامنے سے الحان دوڑا چلا آ رہا تھا، مانہ غصے سے بل کھاتی تیز تیز قدم اٹھاتی آگے کی جانب بڑھنے لگی۔

''مانو! رکو کہاں جا رہی ہو؟''

''جہنم میں، چلنا ہے ساتھ؟'' وہ غصے سے پھنکاری۔

''ہاں ضرور، تمہارے ساتھ تو کہیں پر بھی جانے کو تیار ہوں اگر تم ساتھ ہو۔''

''الحان پلیز مجھے کچھ دیر کے لئے اکیلا چھوڑ دو۔''

''ایسے کیسے اکیلا چھوڑ دوں، تم فرار ہو گئی تو؟''

''ڈونٹ وری، ٹاپ فور سے پہلے کہیں فرار نہیں ہونے والی، سو جسٹ ریلیکس۔''

''اوہ واؤ، آئی لائک اٹ۔'' وہ قدم بہ قدم اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''چیپکو۔'' مانہ زیر لب بڑبڑاتی آگے بڑھتی رہی۔

''کیا؟...... کیا کہا تم نے؟''

''الحان! میں تھوڑی دیر کے لئے اکیلے وقت گزارنا چاہتی ہوں۔''

''لیکن میں تھوڑی دیر تمہارے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہوں، تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔''

''پر مجھے کرنی ہے، مجھے یہ پوچھنا ہے تم سے کہ تم مجھے اتنا اگنور کیوں کر رہی ہو؟''

''میں اگنور نہیں کر رہی، میری طبیعت ہی ایسی ہے۔''

''پھر تو بہت ہی فضول طبیعت ہے تمہاری۔''

''شکریہ۔'' وہ ڈھٹائی سے بولتی آگے ہی آگے بڑھتی رہی۔

''دیکھو مانو! تم صرف ٹاپ فور تک ہو میرے ساتھ، اس کے بعد نجانے ہماری ملاقات کبھی ہو نہ ہو۔''

''نہ ہی ہو تو بہتر ہے، شکرانے کے نوافل ادا کروں گی میں۔'' وہ غصہ میں پھنکاری۔

''تم ایک بار پھر سے میرا دل دکھا رہی ہو۔''

''اوہ واؤ تو آپ کا بھی دل دکھتا ہے الحان ابراہیم صاحب؟'' وہ براہ راست اس کی جانب دیکھتی طنز کرنے لگی، الحان اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھا نہیں۔

''انسان ہوں میں، میرے سینے میں بھی دل ہے، جو دھڑکتا ہے، محسوس کرتا ہے اور تمہارے اس بیڈ بی ہیوئیر پر دکھتا بھی ہے۔''

''بہت فلمی ٹائپ کے انسان ہو تم، ایکٹنگ جتنی مرضی کروالو جناب سے۔''

''تم؟'' وہ اس کی نگاہوں میں جھانکنے لگا۔

''کیا بات ہے مانو! تمہارے دل میں کوئی بات ہے میرے خلاف؟''

مانہ بنا جواب دیئے ایک بار پھر سے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے آگے کی جانب بڑھنے لگی۔

''تمہیں معلوم ہے مانو! تم مجھے ''تم'' کس وقت کہتی ہو۔'' وہ چند لمحے خاموشی سے چلتا اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا، پھر بولا۔

''جب تم مجھ سے بے حد خفا ہوتی ہو۔''

''میں تم سے خفا کیوں ہوں گی الحان، میرا تمہارا ایسا رشتہ ہے نہیں کہ میں تم سے کسی پر بات ظاہر کروں۔''

''کچھ تو بات ہے، جو تمہارے دل و دماغ کو جکڑے ہوئے ہے، مجھ سے شیئر کرو مانو، باتیں شیر کرنے سے ہی مسائل حل ہوا کرتے ہیں ورنہ یہ غلط فہمیاں تو ایک پل نہیں لگاتیں ہماری خوشیاں کھاتے میں۔''

''تم اتنے چیپکو کیوں ہو الحان! مجھے نفرت ہے تم جیسے چیپکو لوگوں سے۔'' وہ غصہ کا اظہار کرتی ایک بار پھر سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی، الحان چند ثانیے خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا، پھر دھیمے سے گویا ہوا۔

''میں چیپکو نہیں ہوں، تم سے کچھ سوالوں کے جواب مانگ رہا ہوں بس۔''

''اور مجھے تمہارے کسی بھی سوال کا کوئی بھی جواب دینے میں کوئی دلچسپی نہیں، آئی ایم سوری۔'' وہ آتش پا نگاہوں سے اسے گھورتی واپس ہوٹل کے مین دروازے کی جانب بڑھنے لگی، الحان پیچ و تاب کھاتا وہیں کھڑا رہا، مانہ کے کچھ دور جاتے ہی وہ تیزی سے پلٹتا ایک بار پھر سے اسے پکارتا اس کے تعاقب میں چل نکلا، مانہ اس کی پکار ان سنی کرتی تیز تیز چلتی (Elevator) کا بٹن دبانے لگی، لفٹ کا دروازہ کھلنے تک الحان اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''مانو! میری بات سنو۔''

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔'' دروازہ کھلتے ہی وہ لفٹ میں داخل ہو گئی، الحان بھی پھرتی کا مظاہرہ کرتا تیزی سے لفٹ میں داخل ہوا۔

مانہ اس کی اس حرکت پر کڑھ کر رہ گئی، اس وقت وہ دونوں اس لفٹ میں بالکل تنہا تھے، مانہ کو پاس کھڑے الحان سے بے حد خوف محسوس ہونے لگا تھا، بظاہر وہ خود کو نارمل پوز کرتی اسے اگنور کر کے کھڑی تھی لیکن اندر ہی اندر اس کا دل زوروں سے دھڑکتے چلا جا رہا تھا، الحان چند ثانیے خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا، پھر دو قدم اس کے قریب بڑھتے ہی سرگوشی میں گویا ہوا۔

''دل چاہتا ہے یہ لفٹ یہیں پر رک جائے، تاکہ تم چاہ کر بھی مجھ سے دور بھاگنے کی گستاخی نہ کر سکو۔'' اس کے لہجے میں کچھ چھپا تھا، کچھ الگ سا، مانہ خود میں سمٹتی شیشے کی بنی دیوار سے جا لگی، الحان ایک قدم اور آگے بڑھا۔

''بتاؤ مجھے، کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے؟''

وہ اس کے چند انچز کے فاصلے پر کھڑا اس کے چہرے کا طواف کرتا، اسی سے مخاطب تھا، اسے اس قدر نزدیک کھڑے دیکھ کر اس کا حلق خشک ہونے کو آیا تھا، بمشکل الفاظ جمع کرتی وہ نظریں جھکائے لڑکھڑاتی آواز سے گویا ہوئی۔

''کک...... کوئی بات ہے...... ہی نہیں...... تت...... تو کیا بتاؤں۔'' اس کی پیشانی پر چھوٹے چھوٹے پانی کے قطرے نمودار ہونے

لگے، الحان ان قطروں پر نگاہ دوڑاتا ایک بار پھر سے گویا ہوا۔

''ڈرو نہیں مجھ سے، کھا نہیں جاؤں گا تمہیں۔''

''مم...... میں کسی سے نہیں ڈرتی۔'' وہ اپنے ہٹ دھرم انداز میں گویا ہوئی، الحان ایک قدم اور آگے بڑھا۔

''اچھا۔''

''خبردار، مجھے چھونے کی کوشش بھی کی تو۔'' وہ ایک دم چلا اٹھی۔

''سب سے پہلی بات، میرا ایسا کوئی ارادہ ہے نہیں اور چلو مان لو، میں نے تمہیں چھو بھی لیا، تو کون آئے گا اس لفٹ میں، تمہیں مجھ سے بچانے؟'' وہ اب شرارت پر آمادہ تھا، الحان کے اس قدر قریب کھڑے ہونے پر وہ خوف سے کپکپاتی، پلکوں میں نمی لئے لرزتی آواز سے گویا ہوئی۔

''دیکھو الحان! میں تمہارے ٹائپ کی بالکل نہیں ہوں، پلیز میری جان چھوڑ دو، ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے آگے۔'' وہ بہتی آنکھوں سے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اس کی نگاہوں میں جھانکنے لگی، الحان ایک جھٹکے سے دور جا کھڑا ہوا، اس کے چہرے پر آزردگی واضح طور پر عیاں تھی۔

''اتنا گھٹیا انسان سمجھتی ہو تم مجھے، کہ...... کہ اکیلی لفٹ میں ایک اکیلی لڑکی دیکھ کر......'' وہ تاسف بھرے انداز میں بولا۔

''بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے تمہاری سوچ پر مانو! تم میرے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟ اگر مجھے تمہارے ساتھ ایسا ویسا کرنے کا شوق ہوتا تو اس رات جنگل میں کر گزرتا، وہاں پر بھی تمہیں مجھ سے بچانے والا کوئی نہیں تھا، تم مجھے واقعی اچھی لگی تھیں، تمہاری عزت کرتا رہا میں، اور تم...... ایک ہی پل میں مجھے میری ہی نظروں میں گرا کر رکھ دیا ہے تم نے۔'' رقت انگیز انداز میں وہ اپنی آنکھیں میچ کر رہ گیا۔

''میں آپ کی پسند نہیں، آپ کی ضد بن چکی ہوں اور آپ جیسا انسان جب ضد پر اتر آئے تو کچھ ایسی ہی حرکتیں کرتا ہے جیسی آپ کر رہے ہیں، اینڈ آئی ایم سوری ٹو سے، مجھے آپ کی کہی گئی کسی بھی بات پر رتی برابر یقین نہیں۔'' وہ آنسو صاف کرتی کہنے لگی تھی، الحان ساکت کھڑا اسے دیکھتا رہا، اسی لمحے لفٹ کا دروازہ کھل گیا، مانہ جاتے جاتے پلٹی۔

''ایک اور بات، میں آپ کو گھٹیا انسان سمجھتی نہیں ہوں، آپ گھٹیا انسان ہیں اور یہ میں پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔'' آگ بگولا نگاہوں سے اسے گھورتی وہ زہر اگلتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی، الحان ایک لفظ بھی نہ بول پایا تھا، وہ اپنی ہی نظروں میں ڈھیر ہوتا چلا جا رہا تھا، کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے وہ لمحہ، جب آپ کسی کو اپنی پوری ایمانداری کے ساتھ چاہیں، اسے اپنے سچے ہونے کا یقین دلانے کی بارہا کوشش کریں لیکن وہ ایک شخص آپ پر یقین نہ کرتے ہوئے آپ کو آپ ہی کی نظروں میں گرا کر چلا جائے، اسے آج اس بات کا شدت سے احساس ہوا تھا، اس نے آج سے پہلے نجانے کتنی لڑکیوں کا دل دکھایا تھا، ایک سرور تھا جو اسے ہر دوسری لڑکی کے ساتھ محسوس ہوا کرتا، جو نئی ہوتی اور پھر وہ اپنے پرانے لباس کی طرح جس سے دل بھر جائے وہ سرور اتار پھینکتا اور نئی راہوں میں نئے جال بچھا کر نئے دانے گراتا، مگر آج کچھ بدلا تھا اس میں، وہ پہلے جیسا ہرگز نہ رہا تھا، اسے دل دکھنے کا احساس ہوا تھا، کچھ تھا جو اندر ہی اندر اس پر ضرب لگائے چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

''کہاں رہ گیا تھا بھائی تو، تیری ان دو چڑیلوں نے بول بول کر مجھے پاگل کر دیا ہے۔'' کبیر اسے دیکھتے ہی چلانے لگا۔

''میں اب مزید ان دونوں کی کمپنی برداشت نہیں کر سکتا، تیری دونوں چڑیلیں تجھے ہی مبارک ہوں بھائی، میں چلا۔'' کبیر متلاشی نگاہیں اِدھر اُدھر دوڑاتا بولا، الحان نڈھال قدموں سے چلتا اس کے قریب آیا، الحان پر نظر پڑتے ہی کبیر اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو بغور الحان کا سرخ ہوتا آتش پا چہرہ دیکھتا اب وہ مشتبہ انداز میں گویا ہوا۔

''تجھے کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک ہے ناں؟''

''ہاں ٹھیک ہے، تجھے تھوڑی دیر ان دونوں کے پاس رکنے کو کہا تھا، تو اب تک یہاں کیا کر رہا ہے؟'' وہ بمشکل نارمل پوز کرتے ہوئے بولا۔

''تھوڑی دیر؟ ابے میرے بھائی، آپ کی یہ تھوڑی دیر پورے ایک گھنٹے میں بدل چکی ہے اور تیری وہ دونوں ریڈیو سٹیشن بول بول کر میرے سر کے بال گرا دیں گی، بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہوں قسم سے۔''

''ہوں۔'' الحان مکمل طور پر منتشر دکھائی دے رہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے ناں الحان؟'' کبیر کو اب کے فکر ستانے لگی۔

''ہاں، مجھے کیا ہونا ہے، اچھا چل تو گھر جا۔''

''الحان!'' کبیر براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''کیا بات ہے؟ کچھ ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں یار، پیچھے مت پڑ جایا کر، کچھ نہیں ہوا ہے، سب ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک۔'' وہ ایک دم طیش میں آ گیا، آناً فاناً غصہ کا اظہار کرتا وہ ہوٹل کے مین دروازے کی جانب بڑھنے لگا، کبیر چند ثانیے یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا، پھر زیر لب بڑبڑانے لگا۔

''الحان بیٹا! تم تو گئے کام سے۔'' اپنی ہی بات پر مسکراتا وہ لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

''اتنا گھٹیا انسان سمجھتی ہو تم مجھے؟ کہ..... کہ اکیلی لفٹ میں ایک لڑکی دیکھ کر میں کچھ بھی اف مائی گاڈ۔'' مانہ ہوٹل کے روم کے مخملی خوبصورت آرام دہ بیڈ پر سیدھی لیٹی کمرے کی خوبصورت ڈیکوریٹڈ چھت پر نظریں گاڑھے نجانے کیا تلاش کرنے میں مگن تھی، الحان کی آواز مسلسل اس کی سماعت سے ٹکرائے چلی جا رہی تھی۔

''بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے تمہاری سوچ پر مانو! تم میرے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟''

اگلے ہی پل مانہ کروٹ لئے، سائیڈ ٹیبل پر رکھے بڑے سے خوبصورت لیمپ پر نظریں ٹکائے آنکھیں جھپکانے لگی۔

''تم مجھے واقعی اچھی لگی تھیں، تمہاری عزت کرتا رہا میں، اور تم ایک ہی پل میں مجھے میری ہی نظروں میں گرا کر رکھ دیا ہے تم نے۔'' بے چینی کے عالم میں وہ خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتی ایک بار پھر سے سیدھی ہو لیٹی۔

''میں آپ کو گھٹیا انسان سمجھتی نہیں ہوں، آپ گھٹیا انسان ہیں۔'' اپنی ہی آواز سماعت سے ٹکرائی تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی، پریشانی کے عالم میں وہ لب بھینچتی من ہی من میں ہم کلام ہوئی۔

''مجھے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا، سامنے والا انسان کیسا بھی ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم اس کی

ذات پر انگلی اٹھائیں، یا اللہ کیا کروں اب یہ شرمندگی مجھے سکون کا سانس تک نہیں لینے دے رہی، کیوں میں غصہ میں اتنی پاگل ہو جاتی ہوں؟'' وہ خاصی نادم دکھائی دے رہی تھی، وہ کچھ سوچنے لگی۔

''ایک کام کرتی ہوں، الحان کو جا کر سوری بول دیتی ہوں۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی، پھر سوچنے لگی۔

''اگر الحان نے میرے سوری کا غلط مطلب لے لیا تو؟'' وہ پھر سے لب بھینچ کر رہ گئی۔

''سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے مجھے اس وقت صرف اپنے آپ کو دیکھنا ہے، مجھ سے غلطی ہوئی ہے، سوری بول دوں گی تو سکون میسر ہو جائے گا۔'' فیصلہ کن انداز میں سوچتی وہ سلیپر پاؤں میں اڑستی کمرے کے دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔

☆☆☆

دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی تھی، کھوئے کھوئے انداز میں شرٹ کے آدھ کھلے بٹنوں کو دیکھتا وہ آنکھیں میچ کر رہ گیا۔

نڈھال قدموں سے چلتا وہ دروازے تک آیا، دروازہ کھولتے ہی ایک شناسا چہرہ اس کی نگاہوں سے ٹکرایا، تیوری چڑھائے وہ حیران کن انداز میں گویا ہوا۔

''برینڈا؟'' سامنے برینڈا کھڑی کھلکھلا رہی تھی۔

''کیا بات ہے الحان! تم ڈنر کے بعد سے دکھائی ہی نہیں دیئے، مجھے تمہاری فکر ہو رہی تھی، میں نے سوچا آ کر تم سے ایک بار پوچھ لوں کہ سب ٹھیک تو ہے؟'' وہ انگلش میں گویا تھی، الحان سر ہلا کر رہ گیا۔

''ہاں سب ٹھیک ہے، پوچھنے کے لئے اور فکر کرنے کے لئے شکریہ۔''

''اچھا! ابھی تم سو رہے ہو؟''

''ہاں...... کیوں؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا، برینڈا مسکرا دی۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی، میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ ہم واک کے لئے نیچے جائیں، یا پھر لانگ ڈرائیو۔''

''رات کے دو بج رہے ہیں برینڈا، ہمیں صبح واپسی کے لئے جلدی نکلنا ہے، اس لئے ایم سوری، ہم نہ واک پر جا سکتے ہیں نہ ہی لانگ ڈرائیو پر۔''

''کم آن الحان، یہ ہماری ڈیٹ ہے۔'' وہ بے باکی سے آگے بڑھتی، الحان کے کھلے گریبان پر نظر دوڑاتی ایک ادا سے اس کی شرٹ کے بٹنوں کو چھیڑنے لگی، الحان نے اسے خود سے دور کرنے کی غرض سے اس کی دونوں کلائیاں تھام لی تھیں۔

''برینڈا رات بہت ہو گئی ہے، تم اپنے روم میں واپس جاؤ۔'' اسی پل الحان کی نگاہ برینڈا کے پیچھے ساکت کھڑی مانہ پر جا ٹکی، وہ آنکھوں میں بے پناہ حیرت سموئے، سراسیمہ حیران کھڑی پھٹی نگاہوں سے الحان کے کھلے گریبان اور برینڈا کی الحان کے ہاتھ میں پکڑی نازک کلائیاں گھورتے چلی جا رہی تھی۔

''مانو!'' ایک جھٹکے سے برینڈا کی کلائیاں جھٹکتا وہ حواس باختہ مانہ کی جانب دیکھنے لگا، برینڈا پلٹ کر مانہ کی جانب دیکھتی، خباثت سے مسکرا کر رہ گئی۔

اس کا اس وقت سانس لینا عذاب ہو رہا تھا، پیٹ سے ایک گولہ اٹھتا اس کے حلق میں آن پھنسا تھا، حقارت بھری نگاہ سے الحان کو دیکھتی وہ دوڑتی ہوئی واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھتی چلی گئی۔

''شٹ۔'' الحان اس ساری صورت حال سے پریشان حواس باختہ کھڑا مانہ کو پکار کر رہ گیا۔
''مانو!''
''الحان!'' اس بار برینڈا نے اپنی زبان کھولی، الحان کھا جانے والی نگاہوں سے اس کی جانب گھورنے لگا۔
''شٹ اپ......اینڈ گو بیک ٹو یور روم۔''
''بٹ؟'' وہ ڈھیٹ بنی کھڑی رہی۔
''آئی سیڈ گو بیک ٹو یور روم۔'' کس قدر برفیلہ لہجہ تھا اس کا، برینڈا اس کی آتش بار نگاہوں اور برفیلے لہجے سے خوفزدہ ہوتی، الٹے قدموں اپنے روم کی جانب دوڑنے لگی، الحان وہیں دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا ضبط کے عالم میں اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

☆☆☆

''میں ہی بے وقوف تھی، جو منہ اٹھا کر سوری بولنے چلی گئی۔'' مانہ بند دروازے سے ٹیک لگائے آنسو بہائے چلی جا رہی تھی۔
''یا اللہ! میں رو کیوں رہی ہوں؟ مجھے ان سب سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ الحان کسی کے ساتھ رہے۔'' وہ بے دردی سے اپنے گال رگڑنے لگی، اسی ثانیے دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی الحان کی آواز بھی سنائی دی۔
''مانو! پلیز دروازہ کھولو، مجھے میری صفائی میں کچھ کہنے کا موقع دو پلیز۔'' وہ دروازے سے باہر کھڑا التجاء کر رہا تھا۔
''مانو پلیز میری بات سن لو ایک بار۔''
''الحان! چلے جاؤ یہاں سے، میں تمہاری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی، جسٹ گو۔'' وہ گال رگڑتی غصہ میں پھنکاری۔
''مانو پلیز! ایک بار موقع دے دو، پلیز میری بات سن لو۔'' مانہ لمبے لمبے سانس کھینچ کر خود کو نارمل کرتی جھٹکے سے دروازہ کھولتی سپاٹ چہرے سے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔
''تمہیں مجھے کچھ بھی ایکسپلین کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں، کیونکہ مجھے تمہاری کسی قسم کی کسی بھی ایکٹیوٹی سے کوئی لینا دینا نہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں گویا تھی، الحان خاصا نادم دیکھائی دے رہا تھا۔
''مانو! ایسا کچھ بھی نہیں ہے، جیسا تم سوچ رہی ہو۔''
''میں کچھ بھی نہیں سوچ رہی الحان ابراہیم، سو جسٹ ریلیکس اور جا کر سو جاؤ۔''
''مانو پلیز! ایک بار مجھ پر ٹرسٹ کر کے دیکھو، پلیز۔''
''ٹرسٹ! اور وہ بھی تم پر۔'' وہ ایک دم قہقہہ لگانے لگی۔
''تم اس قابل نہیں الحان کہ میں تم پر ٹرسٹ کر سکوں۔''
''مانو! میں کیسے یقین دلاؤں تم کو، کہ میں بے قصور ہوں، تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو، برینڈا واک پر جانا......''
''مجھے کچھ نہیں سننا الحان۔'' وہ اس کی بات کاٹتی سپاٹ لہجے میں بولی۔
''مانو! میں بہت ہرٹ ہو رہا ہوں۔''
''یو نو واٹ الحان، دماغ میرا خراب تھا جو میں تمہیں سوری بولنے کے لئے چلی آئی، لیکن اچھا ہی ہوا، مجھے سب کلیئر ہو گیا کہ میں تمہارے بارے میں بالکل ٹھیک سوچتی تھی، تم واقعی ایک گھٹیا ترین انسان ہو۔'' مانہ کی آواز میں لرزش واضح طور پر عیاں تھی، وہ نم نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی پٹاخ سے دروازہ بند کرتی، تیزی سے اپنے بیڈ پر آ لیٹی، الحان کافی دیر بند دروازے کے سامنے کھڑا اندر ہی اندر گھلتا رہا،

اس کی نگاہوں میں شکستگی واضح طور پر عیاں تھی۔

''کیوں ہو رہا ہے یہ سب کچھ میرے ساتھ؟ کیوں سب کچھ اس قدر امپوسبل ہوتا چلا جا رہا ہے، کیوں؟'' من ہی من میں الجھتا وہ شکستہ نگاہوں سے بند دروازے کی جانب دیکھتا لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

محبت اشتہائے نفس اور تسکین وجود کا نام نہیں، اہل ہوس کی سائیکی اور ہے اور اہل دل کا انداز فکر اور، محبت دو روحوں کی نہ ختم ہونے والی باہمی پرواز ہے۔

بہت پہلے کہیں پڑھا تھا کہ محبت کوشش یا محنت سے حاصل نہیں ہوتی، یہ عطا ہے، یہ نصیب ہے، بلکہ یہ بڑے ہی نصیب کی بات ہے، زمین کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہی ہے، محبت کی تعریف بے حد مشکل ہے، اس پر کتابیں لکھی گئیں، افسانے رقم ہوئے، شعراء نے محبت کے قصیدے لکھے، مرثیے لکھے، محبت کی کیفیات کا ذکر ہوا، وضاحتیں ہوئیں، لیکن محبت کی جامع تعریف نہ ہو سکی، واقعہ کچھ اور ہے، روایت کچھ اور بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک چہرہ جب انسان کی نظر میں آتا ہے تو اس کا انداز بدل جاتا ہے، کائنات بدلی بدلی سی لگتی ہے، بلکہ ظاہر و باطن کا جہاں ہی بدل جاتا ہے۔

محبت سے آشنا ہونے والا انسان، ہر طرف حسن ہی حسن دیکھتا ہے، اس کی زندگی نثر سے نکل کر شعر میں داخل ہو جاتی ہے، اندیشہ ہائے سود و زیاں سے نکل کر جلوہ جاناں میں گم ہو جاتا ہے، اس کی تنہائی میں میلے ہوتے ہیں، وہ ہنستا ہے بے سبب، روتا ہے بے جواز، محبت کی کائنات جلوہ محبوب کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

محبت وحدت سے کثرت اور کثرت سے وحدت کا سفر طے کراتی ہے، محبت آسمانوں کی بے کراں وسعتوں کو ایک جست میں طے کر سکتی ہے، محبت قطرے کو قلزم آشنا کر دیتی ہے، محبت زمین پر پاؤں رکھے تو آسمانوں سے آہٹ سنائی دیتی ہے، محبت کرنے والے کسی اور ہی مٹی سے بنے ہوتے ہیں، یہ خلوص کے پیکر دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے الگ ہوتے ہیں، دراصل محبت زندگی اور کائنات کی انوکھی تشریح ہے۔

محبت کرنے والا اپنی ہستی کے نئے معنی تلاش کرتا ہے، وہ باطنی سفر پر گامزن ہوتا ہے، زندگی کے تپتے ہوئے ریگزار میں محبت گویا ایک نخلستان سے کم نہیں، محبت کے سامنے ناممکن و محال کچھ بھی نہیں، محبت پھیلے تو پوری کائنات اور سمٹے تو ایک قطرہ خوں، درحقیقت محبت آرزوئے قرب حسن کا نام ہے، ہم ہمہ وقت جس کے قریب رہنا چاہتے ہیں، وہی محبوب ہے، محبوب ہر حال میں حسین ہوتا ہے کیونکہ حسن تو دیکھنے والے کا اپنا انداز نظر ہے، ہم جس ذات کی بقاء کے لئے اپنی ذات کی فنا تک بھی گوارا کرتے ہیں، وہی محبوب ہے، محبت کو محبوب میں کجی یا خامی نظر نہیں آتی، اگر نظر آئے بھی تو محسوس نہیں ہوتی، محسوس ہو بھی تو ناگوار نہیں گزرتی، محبوب کی ہے، محبت کرنے والے جدائی کے علاوہ کسی اور قیامت کے قائل نہیں ہوتے۔

ہر انسان کے ساتھ محبت ایک الگ تاثر رکھتی ہے، دو انسانوں کی محبت کبھی بھی یکساں نہیں ہوتی، اس لئے محبت کا بیان مشکل ہے، دراصل محبت ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان اپنی اصل شکل باطنی شکل، حقیقی شکل دیکھتا ہے، محبت ہی قدرت کا سب سے بڑا کرشمہ ہے، محبت ہی کے ذریعہ انسان پر زندگی کے معنی منکشف ہوتے ہیں، کائنات کا حسن اسی آئینے میں نظر آتا ہے۔

الحان پورا ہفتہ اذیت کا شکار رہا، بظاہر وہ سب کے سامنے نارمل بی ہیو کرتا تھا لیکن کمرے میں آتے ہی سوچ سوچ کر اس کا ذہن پھٹنے والا ہوتا، عدوات، اشتیاق، خواہش اور اداسی، الگ الگ جذبات ایک ساتھ اس کے اندر رش کرتے محسوس ہوتے، وہ خود کی اپنی حالت سمجھنے سے قاصر تھا، وہ اس کے قریب جانا چاہتا تھا، اس سے بات کرنا چاہتا تھا، اسے تنگ کرنا چاہتا تھا، پر وہ ایسا کر نہیں پا رہا تھا۔

آج رات ایلیمینیشن کی رات تھی، بلاوا ملتے ہی وہ اپنے کیبن سے نکلتا چوب محل کے لاؤنج میں چلا آیا جہاں سب لوگ اسی کے منتظر دکھائی دے رہے تھے، عاشر ہمیشہ کی طرح کیمراز کے پیچھے سکرین کے سامنے مصروف دکھائی دیا تھا، تمام لیڈیز ایک سائیڈ پر قطار بنائے کھڑیں افسردہ دکھائی دی تھیں، الحان سب پر ایک اچٹتی سی نگاہ دوڑاتا، خرم کے برابر میں جا کھڑا ہوا۔

''لیڈیز! ہمارے اس شو کی تیسرے ایلیمینیشن کی گھڑیاں آن پہنچی ہیں۔'' خرم مہذب لہجے میں گویا ہوا۔

''آج رات جو لیڈیز ایلیمیٹ ہونگی وہ کل صبح ناشتہ کے بعد اپنے اپنے گھروں کے لئے روانہ کر دی جائیں گیں اور باقی سلیکٹ کی جانے والی تمام آٹھ لیڈیز کو الحان کی من پسند جگہ، پر جانے کا موقع فراہم کیا جائے گا اور وہ جگہ کونسی ہے، یہ آپ تمام لیڈیز کے لئے ایک سرپرائز ہے۔''

جوش اور خوشی کی لہر ایک ساتھ تمام لیڈیز کے چہروں پر دوڑتی دکھائی دی تھی، سوائے مانہ کے، جو وقتاً فوقتاً نظر اٹھا کر الحان کی جانب دیکھ رہی تھی جبکہ الحان اسے مکمل طور پر اگنور کیے باقی تمام لیڈیز کی جانب متوجہ دکھائی دے رہا تھا، وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔

''کاش کے الحان اس بار مجھے ایلیمینیٹ کر دے، تاکہ میری ان تمام الجھنوں سے ہمیشہ کے لئے جان چھوٹ جائے۔'' وہ من ہی من میں ہم کلام ہوئی۔

''الحان! آر یو ریڈی؟''

پھولوں کی ٹیبل الحان کے سامنے آتے ہی خرم نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی پوچھا، الحان اثبات میں سر ہلاتا، ایک گلاب ہاتھ میں اٹھائے گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''مانہ!'' اپنا نام سماعت سے ٹکراتے ہی لمبی سانس کھینچتی، چلتے ہوئے الحان کے سامنے جا کھڑی ہوئی، الحان نے اس بار بھی اس کی جانب نہ دیکھا، تمام لیڈیز پر نظریں جمائے وہ گلاب مانہ کی جانب بڑھائے کھڑا تھا، مانہ گلاب تھامتی، جلدی سے چلتی دوسری سائیڈ پر کھڑیں مس فاطمہ کے نزدیک جا کھڑی ہوئی، اک ٹیس سی اٹھی تھی اس کے دل میں، گلاب کی ٹہنی دبوچتی وہ آنکھیں بند کر کے کھڑی تھی۔

''آشلے!'' اگلا نام آشلے کا پکارا گیا، پھر مسکان، حانہ، تابہ، آمانده، صاحبہ اور پھر جینی، تمام سلیکٹ کی جانے والی لیڈیز ایک الگ قطار بنا کھڑی ہوئیں، نیہا اور برینڈا دھواں دار چہرہ لئے سر جھکائے کھڑی رہیں، آشلے ان دونوں کے ایلیمینیٹ ہو جانے پر کافی افسردہ دکھائی دے رہی تھی، سحر کے بعد یہ دونوں اس کی بیسٹ فرینڈز اور پارٹنران کرائم بن چکی تھیں، لیکن الحان نے ایک لمحے میں اس گروپ کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔

''نیہا اینڈ برینڈا آپ دونوں کا سفر یہیں پر ختم ہوا چاہتا ہے، آئی ایم سوری۔'' خرم نیہا اور برینڈا سے سوری کہتا اب کے باقی تمام سلیکٹ

کی جانے والی لیڈیز کی جانب مڑا۔

''آپ تمام لیڈیز بھی اپنا اپنا سامان پیک کر لیجئے کیونکہ کل صبح پہلی فرصت میں ہمیں اس آئس لینڈ سے نکلنا ہے، کہاں...... یہ ایک سیکرٹ ہے، ہے ناں الحان؟'' وہ شریر مسکراہٹ لبوں پر سجائے الحان کی جانب دیکھنے لگا، جواباً الحان اپنی مخصوص مسکراہٹ لئے سر ہلا کر رہ گیا۔

☆☆☆

پہلے یاٹ پھر الحان کے پرائیوٹ طیارے اور پھر وین کے لمبے سفر کے بعد وہ لوگ دوپہر تقریباً تین بجے کے ٹائم Ranch میں پہنچ گئے، موسم ہمیشہ کی طرح آج بھی خوشگوار تھا، زمین کی ابھرتی ڈھلکتی سرسبز و شاداب سطح پرسکون دکھائی دے رہی تھی، آئس لینڈ کی طرح یہاں پر بھی ایک چوب محل موجود تھا، جس کے اردگرد دیکر کے درخت موجود تھے جو اپنا سایہ چوب محل پر کیے صاف دکھائی دے رہے تھے، چوب محل سے خاصے فاصلے پر غلہ گودام اور اصطبل بھی موجود دکھائی دیئے تھے، کچھ نوجوان (CowBoy) بوٹس اور ہیٹ میں ملبوس پہلے سے وہاں موجود اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے، الحان نے وہاں پہنچتے ہی ایک لمبی گہری سانس کھینچی تھی، وہ اس وقت بہت پرسکون اور خوش دکھائی دے رہا تھا، (Crew) اپنے کام کی دیکھ بھال کرنے لگا تھا، عاشر Crew کے لوگوں کے سر پر کھڑا تمام کام کی دیکھ بھال کرنے لگا تھا، باقی تمام لیڈیز بڑی دلچسپی سے باڑا کا نظارہ کرتی دکھائی دی تھیں، دور درختوں کے ایک جھنڈ میں پرندوں کے پھڑ پھڑانے کا شور صاف سنائی دیتا تھا اور اس جھنڈ سے پرے درختوں کی ٹیڑھی میڑھی قطاریں بڑھتی ہوئی افق میں کھو رہی تھیں، اردگرد کے کھیتوں میں کھڑی فصل سو رہی تھی، دور شمال کی طرف سے مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے گہری دھند میں چمکتی ہوئی برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ ان کو اپنی طرف بڑھنے کی دعوت دے رہے تھے، ان نزدیکی کھیتوں سے بھی پرے ایک بہت بڑا جھیل نما جوہڑ تھا، جس کے کنارے فضا میں اڑتے ہوئے اجلے اجلے لگے اور دوسرے ننھے ننھے پرندے شور کر رہے تھے۔

''Well come to the ranch! کیسا لگا سرپرائز؟'' الحان ازحد شاداں دکھائی دے رہا تھا۔

''پرفیکٹ!'' سبھی لیڈیز نے مسکراتے ہوئے ایک ساتھ جواب دیا۔

''اوکے آپ سبھی لیڈیز جا کر اپنا اپنا روم سلیکٹ کر لیجئے اور مزے کی بات یہ ہے کہ آپ س کو یہاں پر الگ الگ روم دیا جا رہا ہے، سو ہیپی؟''

وہ دونوں ہاتھ ہوا کے زور پر اٹھائے شیریں لہجہ میں بولا، جواباً سبھی لڑکیاں خوشی کا اظہار کرتیں اپنا اپنا بیگ سنبھالتیں باڑا کے چوب محل کی جانب قدم بڑھانے لگیں، مس فاطمہ نے سبھی لڑکیوں کو ان کے کمروں تک رسائی ممکن قرار دی۔

تقریباً آدھ گھنٹہ کے وقفہ کے بعد تمام لڑکیوں کو اس نئے چوب محل کے لاؤنج میں اکٹھا ہونے کا حکم صادر ہوا، حکم صادر ہوتے ہی تمام لاؤنج میں اکٹھی ہو بیٹھیں، الحان اسی پل مین دروازہ سے اندر داخل ہوا تھا۔

''گڈ ایوننگ لیڈیز!'' سبھی لیڈیز ایک ساتھ الحان کی جانب توجہ ہوئی تھیں، وہ دروازہ کے پاس کھڑا شیریں لہجہ میں مخاطب تھا۔

''آج آپ میں سے کوئی ایک لیڈی میرے ساتھ ڈیٹ پر چلنے والی ہے۔''

خبر ملتے ہی خوشی کی ایک لہر تمام چہروں پر دوڑتی دکھائی دی، مانہ اس کی موجودگی سے انجان کیمرازکے پیچھے ہوتی حرکات کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

"اور اس ایک لیڈی کا نام ہے، مسکان!"

نام پکارتے ہی وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجائے کھڑا ہوا جبکہ مسکان اپنا نام سنتے ہی خوشی سے اچھل پڑی، اس کے اچھلنے اور چیخنے پر مانہ یکا یک چونک اٹھی، مسکان خاصی ایکسائیٹڈ دکھائی دے رہی تھی، وہ لمبی سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"کین یو رائیڈ؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نو!" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی، الحان مسکرا دیا۔

"نو پرابلم! میں سکھا دوں گا، تم جا کر تیار ہو جاؤ۔" الحان اپنے مخصوص انداز میں مسکراتا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ کی تیاری کے بعد مسکان خوشی خوشی الحان کے ساتھ ڈیٹ کے لئے روانہ ہو گئی، باقی تمام لیڈیز مسکان کے الحان کے ساتھ جانے پر زیادہ خوش دکھائی نہ دے رہی تھیں، سبھی ایک ساتھ بیٹھی نجانے کہاں کہاں کی داستاں ایک دوجے کی گوش گزار کرنے لگی تھیں، مانہ ان سب پر نگاہ دوڑاتی چوب محل سے باہر نکل آئی، وہ یہاں بھی ایک درخت کی متلاشی تھی، جس کے سائے تلے بیٹھ کر وہ کچھ تنہا اور پرسکون وقت گزارنے کی خواہش مند تھی، لیکن باہر نکلتے ہی ایک بار پھر سے Ranch کا خوبصورت نظارہ دیکھتی اسے ذہن نشین کرتی آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔

☆☆☆

"مجھے یقین نہیں آ رہا الحان کہ میں واقعی یہ کر پا رہی ہوں۔"

تقریباً آدھا گھنٹہ کے ٹرائی اور کلاس کے بعد وہ گھوڑا پر بیٹھی اسے کسی کی مدد کے بغیر آہستہ آہستہ چلاتے ہوئے ہینڈل کیے ہوئے تھی، وہ خاصی خوش دکھائی دے رہی تھی، الحان ایک الگ گھوڑے پر سوار اس کے برابر میں چل رہا تھا۔

"کوئی بھی چیز ناممکن نہیں ہوتی ہے، بس تھوڑی سی لگن اور محنت...... باقی کام اپنے آپ آسان ہو جاتا ہے۔" وہ اپنے گھوڑے کو سنبھالتا اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا تھا۔

"ہوں۔" مسکان سر ہلا کر رہ گئی۔

"سو؟" الحان نے اپنا گلہ کھنکارا، وہ شاید کچھ پوچھنے کو بے چین تھا۔

"اس دن کے سانحہ کے بعد سے تمام لڑکیوں کا ری ایکشن کیسا تھا؟"

"تم برینڈا کے الزام کی بات کر رہے ہو؟" وہ سواری کرتے دوران الحان کی جانب دیکھنے لگی۔

"یس!" وہ مختصر بولا۔

"کچھ خاص نہیں...... سب لڑکیاں نارمل ہو گئیں۔"

"اور مانہ؟"

"مانہ کیا؟" مسکان تیوری چڑھائے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"مانہ کے مصنفہ ہونے کی خبر سب کو ہو چکی ہے، وہ اس سب کو کیسے فیس کر رہی ہے، میرا مطلب اینی پرابلم؟"

"مجھے نہیں معلوم، وہ لڑکی تو بات تک نہیں کرتی، اپنا زیادہ وقت اس عجیب سے درخت کے سائے تلے بیٹھ کر گزار دیتی ہے، وہ بہت پراسرار اور عجیب ٹائپ کی لڑکی ہے۔" مسکان کے لہجے

میں کچھ الگ سا تھا، کچھ روکھا روکھا، اکتایا ہوا سا، الحان کو اس کا لہجہ بہت عجیب لگا، تبھی وہ براہ راست گردن گھما کر اس کی جانب دیکھنے لگا، وہ اس کا لہجہ سمجھ نہیں پایا تھا، مزید اسے اگلوانے کے لئے وہ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

''ہاں عجیب تو وہ ہے، میں جانتا ہوں۔''

''میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے اپنی فرینڈ کنسیڈر کرتی ہے، لیکن...... وہ...... واقعی بہت عجیب ہے۔'' مسکان نے اپنے شولڈر اچکائے۔

''میں سمجھا تھا کہ شاید تم دونوں بہت کلوز ہو ایک دوسرے کے۔'' وہ سادگی سے پوچھنے لگا۔

''ہاں......'' وہ تیوری چڑھانے لگی۔

''سوری الحان تم شاید مجھے غلط سمجھ رہے ہو یا بیڈ؟''

''نہیں...... اٹس اوکے، میں تمہاری رائے کی عزت کرتا ہوں اور میں تمام لیڈیز کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ مصنوعی مسکرایا، وہ اس لڑکی کی باتوں کے ذریعے اسے جاننا چاہتا تھا اور شاید وہ جان چکا تھا۔

مسکان نے اپنے شائنگ تراشیدہ بالوں کو ہلکے سے جھٹکا دیا اور بال ہوا میں لہراتے اس کے شولڈر کے پیچھے جا گرے۔

''خیر! میں تمام لیڈیز کے بارے میں کچھ خاص رائے بیان نہیں کر سکتی، کیونکہ سبھی لیڈیز مانہ کی وجہ سے مجھ سے بھی بدظن رہتی ہیں، مانہ نے سب کے سامنے یہی شو کیا ہے کہ ہم دونوں بیسٹ فرینڈز اور ایک دوسرے کے بہت کلوز ہیں، جبکہ ہم دونوں تو زیادہ بات تک نہیں کرتی ہیں۔'' وہ اپنے ترنگ میں بولتی چلی جا رہی تھی۔

''میں واقعی یہی سمجھتا رہا کہ تم دونوں ایک دوسرے کے بہت کلوز ہو۔'' الحان کے چہرے کے ہر ہر نقش پر غصہ نمودار تھا، لیکن وہ بمشکل خود پر کنٹرول کیے، مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولا۔

''میرے پاس اور کوئی چوائس نہیں بھی الحان!'' اس نے ایک آہ بھری اور پھر سے بولی۔

''اس کی یہاں کوئی دوست نہیں تھی، سبھی اسے حقارت بھری نگاہوں سے دیکھتی تھیں، مجھے اس کے لئے اچھا نہیں لگتا تھا، اس لئے میں نے سوچا کہ چلو بات چیت کر لی جائے تاکہ وہ خود کو تنہا فیل نہیں کرے، دیکھو الحان! شاید تمہیں یہ سن کر اچھا نہ لگے، لیکن تم نے میری رائے مانگی ہے اور تم سچ جاننا چاہتے ہو، اسی لئے بتا رہی ہوں، مجھے یقیناً ایسا لگتا ہے اور میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ مانہ واقعی تمہاری توجہ چاہتی ہے، اس نے خود کو خاموش اور ہم سے الگ بی ہیو کر کے تمہیں بے وقوف بنایا ہے، وہ صرف تمہاری توجہ حاصل کرنا چاہتی ہے بس!'' الحان نے آہستگی سے اپنا سر ہلایا، اس نے خود پر کنٹرول رکھا، وہ فی الحال کچھ بولنا یا کرنا ہرگز نہ چاہتا تھا۔

''اچھا...... تعجب ہوا سن کر، کہ اس نے یہ سب میری توجہ حاصل کرنے کے لئے کیا......'' وہ بمشکل بول پایا۔

''اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ مسئلہ ضرور ہے الحان، ورنہ کوئی بھی نارمل لڑکی اس طرح سے بی ہیو ہرگز نہیں کرتی جس طرح سے مانہ بی ہیو کرتی ہے، میں سمجھ نہیں پا رہی اس لڑکی کو۔'' وہ متانت سے بولتی مسکرا دی، الحان کو اس پل وہ مسکراتی ہوئی زہر لگ رہی تھی۔

''آئی تھنک ہمیں اب واپس چلنا چاہیے، شام گہری ہوتی جا رہی ہے۔'' الحان نے مہارت سے بات بدل دی، وہ جلد از جلد اس جگہ سے نکل کر چوب محل واپس جانا چاہتا تھا، اسے لگا تھا کہ شاید وہ مانہ کی دوست کے ساتھ رائیڈنگ پر آیا

ہے لیکن وہ غلط تھا، وہ اس کی دوست نہیں بلکہ چوب محل میں موجود باقی تمام لیڈیز میں سے ایک تھی، جو دوستی کا لبادہ پہنے اسے ڈس لینے کو تیار تھی، الحان جلد سے جلد مانہ تک پہنچا چاہتا تھا، اسے مسکان کی اصلیت کے بارے میں بتانا چاہتا تھا، گھوڑے اب تقریباً دوڑتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔

☆☆☆

''کیا مطلب کہ مانو مسنگ ہے؟''

الحان کے واپس آتے ہی عاشر نے اس کے سر پر بم بلاسٹ کیا، عاشر بے حد پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

''یہاں کے لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے اسے جنوب کی طرف جاتے دیکھا تھا، ان سب نے اسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کہیں نہیں ملی؟''

الحان اپنا سر تھام کر رہ گیا، اس نے سر اٹھا کر وسیع آسمان پر نگاہ دوڑائی، موسلا دھار طوفان اپنی آمد کا سندیس بڑی تیزی سے لئے چلا آرہا تھا، اس نے جلدی سے وہاں پر موجود اپنے تمام نوجوانوں کا ایک بار پھر سے اکٹھا کیا اور ایک ٹیم بنا کر مانہ کو ڈھونڈنے کا ارادہ کیا، سبھی لوگ اپنے اپنے گھوڑے سنبھالے مانہ کو ڈھونڈنے کے لئے تیار ہو کھڑے ہوئے۔

''میں کریو کے کچھ لوگوں کو تمہارے ساتھ بھیج دوں؟'' عاشر نے آفر دی۔

''نہیں عاشر، یہ لوگ یہاں کی جگہوں سے واقف ہیں، کریو کی ضرورت نہیں اور اس بگڑتے موسم میں تو ریڈیو بھی کام نہیں کرنے والے، بس تم میرے اور ان تمام لوگوں کے واپس آنے تک کسی کو باہر نہیں نکلنے دینا، میں مزید کسی کے کھو جانے کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتا۔'' الحان منتشر لہجے میں گویا ہوا، عاشر سر ہلا کر رہ گیا، الحان جلدی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ٹیم سمیت جنوب کی جانب بڑھنے لگا۔

''یہ لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہیں، پلک جھپکتے ہی گم ہو جاتی ہیں۔'' بادلوں کی گھن گرج کے ساتھ ہی پانی کی بوندیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں۔

''سر بارش کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے، مجھے لگتا ہے کہ ہمیں الگ الگ راستے پر جا کر ان میڈم کو ڈھونڈنا چاہیے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ وہ میڈم اس بارش سے بچنے کے لئے راستے میں موجود کیبنز میں سے کسی ایک کیبن میں لازمی پناہ لے کھڑی ہوئی ہوں گی۔''

الحان کی دائیں جانب والے ساتھی نے ہوا کی تیز رفتار اور بارش کے شور کا سینہ چیرتے ہوئے اونچی آواز میں چیخ کر کہا۔

الحان سر ہلاتے ہوئے دور نظر آتے کیبنز کی جانب دیکھنے لگا، Ranch میں جگہ جگہ پر بہت سے کیبنز موجود تھے، جو کہ خاص اسی موسم کے لئے بنائے گئے تھے، یہاں کا موسم ایسا ہی تھا، اچانک خراب ہو جایا کرتا تھا اور پھر یہ موسلا دھار مینہ گھنٹوں جاری رہا کرتا تھا اور اگر کوئی اچانک اس موسم کا شکار ہو جایا کرتا، تو وہ راستے میں بنے کسی نزدیکی کیبن میں پناہ لے لیا کرتا، خنک ہوا زور و شور سے آگے بڑھی الحان کے چہرے سے ٹکرائے چلی جا رہی تھی۔

''اوکے! تم سب لوگ اپنی اپنی راہ لو، میں سامنے سے جاؤں گا اور ہاں، اگر طوفان مزید بڑھ جائے تو تم لوگ کیبنز میں چلے جانا اور طوفان رکنے تک وہیں پر رہنا، مزید کسی قسم کے نقصان کی گنجائش ہرگز نہیں رکھتا۔'' سب لوگ اثبات میں سر ہلاتے الگ الگ راستے پر چل نکلے، الحان

نے اپنا گھوڑا سامنے کی اور دوڑانا شروع کیا۔
بادلوں کی گھن گرج، ہوا کی سائیں سائیں، بارش کی آوازیں الحان کو مزید بے چین کیے دے رہی تھیں، الحان کا سفید گھوڑا اپنی اگلی ٹانگوں کو فضا میں نیم دائرہ بنا رہا تھا اور اس قابلیت پر داد کا خواہاں تھا، بارش کے فرش پر گھوڑے کی پر یقین ٹاپوں، بارش کے پانی میں پڑتے ہی ایک الگ قسم کی موسیقی پیدا کیے دے رہی تھی، موسلا دھار طوفانی بارش کی بنا پر اب الحان کو سامنے کچھ بھی دیکھائی نہ دے رہا تھا، سردی سے ٹھٹھرتا وہ اپنی آنکھوں سے بارش کی برسات صاف کرتا زیر لب بڑبڑانے لگا۔

''آئی ہوپ کہ وہ ٹھیک ہو، آئی ہوپ کہ اس نے کسی کیبن میں پناہ لے لی ہو۔'' پریشانی چہرے پر سجائے وہ ایک بار پھر سے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگاتا دھیرے دھیرے آگے کی جانب بڑھنے لگا۔

☆☆☆

''یا اللہ! کہاں پھنس گئی میں؟''
فل بارش میں بھیگی وہ سردی سے ٹھٹھرتی کیبن کی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی، تیز ہوا اور طوفانی بارش اس قدر تھی کہ اسے کچھ دیکھائی نہ دیا، اسی پل ایک درخت کی ٹہنی تیز ہوا سے اڑتی اس کی کھڑکی سے آن ٹکرائی، مانہ خوف سے چیختی فرش پر جا گری، اس کی بازوؤں پر گہری چوٹ آئی تھی، درد سے کراہتی وہ سی سی کرتی ایک بار پھر سے اٹھ کھڑی ہوئی، چشمہ اتار کر اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، پاس ہی کرسی پر اسے ایک ٹاول پڑا دیکھائی دیا، جلدی سے ٹاول سے چشمہ آنکھوں پر لگا کھڑی ہوئی، اس نے پھر سے اردگرد نگاہ دوڑائی، پاس ہی ایک چھوٹا سا فائر پیس دیکھائی دیا، بیڈ کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیبنٹ بھی موجود تھا، وہ جلدی سے چلتی فائر پیس کے پاس گئی، اس پر رکھی ماچس اٹھاتے ہی وہ سردی سے ٹھٹھرتے ہاتھوں سے ماچس جلانے کی ناکام کوشش کرنے لگی، سردی اس قدر تھی کہ اس کے ہاتھ حرکت میں ہی نہ آ رہے تھے، وہ کیبنٹ میں جھانکنے لگی، کیبنٹ میں بہت سے کمبل ایک ساتھ رکھے دیکھائی دیئے، وہ جلدی سے آگے بڑھی، کمبل اٹھاتے ہی وہ خود کو لپیٹنے کو تیار تھی کہ یکایک بارش اور ہوا کے زور و شور کے ساتھ دروازہ پورا کا پورا کھلتا، لکڑی کی دیوار سے جا ٹکرایا، اس اچانک کی افتادہ پر وہ خوف کے مارے چیخ اٹھی، اک لمحے کو اس کا سانس رکتا محسوس ہوا، دل کی دھڑکنیں ایف سولہ کی سی تیزی سے دوڑتی محسوس ہوئیں، وہ پھٹی نگاہوں سے بنا پلکیں جھپکائے دروازے کی جانب دیکھے چلی گئی، اسے لگا کہ شاید یہ اس کی آنکھوں کا دھوکہ ہے، اس کے لب کپکپانے لگے۔

''الحان!'' اس کی آواز دور اندر سے کہیں ابھری تھی۔

الحان! سر سے پاؤں تک بھیگا، بے تاب نگاہیں مانہ پر ٹکائے لمبی لمبی سانس کھینچ رہا تھا، اس کے چہرے اور سر سے ٹپکتا پانی اس کے بھیگے کپڑوں میں جذب ہوتا چلا جا رہا تھا۔

''مانو!'' اس نے سرگوشی میں اس کا نام پکارا، دروازہ بند کرتا وہ تیزی سے چلتا اس کے قریب چلا آیا۔

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ تم بالکل ٹھیک ہو، میں بہت ڈر گیا تھا مانو! کہ کہیں تم......'' وہ لمبی لمبی سانس کھینچتا اپنا سانس بحال کرنے لگا۔

''کیا فضول حرکت ہے یہ؟ کیا ضرورت تھی تمہیں اتنا دور چلے آنے کی؟'' اس کے تفکرانہ انداز پر مانہ سر جھکائے دھیرج سے گویا ہوئی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ موسم اچانک سے خراب ہو جائے گا۔''

''تم اتنی دور آئی ہی کیوں؟''

''مجھے نہیں پتا چلا، میں چلتے چلتے اتنی دور نکل آئی، میں واپسی کے لئے مڑی ہی تھی کہ موسم اچانک سے خراب ہو گیا، اس سے پہلے کہ میں واپس پہنچتی، اتنی تیز بارش شروع ہو گئی، یہ تو شکر ہے کہ یہ کیبن یہاں پر موجود تھا۔''

''جی ہاں، شکر ہے کہ یہ کیبن موجود تھا، ورنہ آج آپ گئی تھیں، اوپر اللہ تعالیٰ کے پاس۔'' الحان کے کہنے پر وہ شرمندہ ہوئی، نادم انداز میں وہ اپنا سر جھکا کھڑی تھی، اس نے دیکھا کہ الحان دو قدم پیچھے ہٹا تھا، وہ متلاشی نگاہوں سے کیبنٹ میں جھانکتا دکھائی دیا۔

''یہ مجھے ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک چلا آیا، یعنی اسے ابھی بھی میری پرواہ ہے۔'' اس کی جانب دیکھتی وہ دل ہی دل میں ہم کلام ہوئی۔

''نہیں...... یہ اس کا ایریا ہے اور یہاں پر ہم سب اس کی ذمہ داری ہیں، اگر یہاں کچھ ہو جائے کسی کے ساتھ تو اس کا ذمہ دار الحان کو ٹھہرایا جا سکتا ہے، ہاں...... یہ صرف اپنے لئے آیا ہے یہاں۔'' وہ من ہی من میں جنگ لڑنے لگی تھی۔

''لیکن جو بھی ہے...... وہ آیا تو ہے، مجھے الحان کو سوری بول دینا چاہیے۔'' وہ اس کی جانب دیکھتی لب بھینچنے لگی۔

''الحان؟'' اس نے دھیرج سے اس کا نام پکارا، الحان نے شاید سنا نہیں تبھی وہ کیبنٹ میں سے فوڈ کین اٹھائے کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''یہاں پر ہم لوگ زیادہ تر ڈرائے فروٹ اور یہ کین فوڈ ہی رکھتے ہیں، یہ چیزیں دیرپا ٹھیک رہتی ہیں ناں...... اس لئے۔'' وہ کین کھولنے میں مصروف تھا۔

''الحان!'' اس بار اس نے تھوڑی اونچی آواز میں اسے پکارا۔

''مانہ! تم اندر جا کر چینج کر لو، یہاں کا موسم ایسے ہی اچانک خراب ہو جاتا ہے، اسی لئے ہم نے یہاں کے تمام کیبنز میں ضرورت کی ہر چیز مہیا رکھی ہے، کہ کبھی کوئی اچانک اس طوفان میں پھنس جائے تو اسے زیادہ پرابلم نہیں ہو۔'' وہ اس کی پکار ان سنی کرتا اپنے ہی ترنگ میں بولے چلا جا رہا تھا۔

''مانہ؟ یعنی یہ ابھی بھی مجھ سے خفا ہے، اس نے اکیلے میں کبھی بھی مانہ کہہ کر نہیں پکارا۔'' وہ من ہی من میں بولتی ایک بار پھر سے اس کی جانب دیکھتی اسے مخاطب کرنے لگی۔

''الحان میں......''

''ہمیں آگ جلا لینی چاہیے۔'' وہ اس کی بات کاٹتا اپنے آپ کو مصروف ظاہر کرنے لگا۔

''تم اندر جا کر چینج کر لو، اور ان کپڑوں کو وہیں پر ٹانگ دو، سوکھ جائیں گے تو واپس یہی پہن لینا۔''

ایک ٹیس سی اٹھی اور اس کی آنکھیں بھیگ بھیگ سی گئیں، وہ اسے پھر سے اگنور کر رہا تھا، حلق میں اٹکا گولہ اسے مسلسل اذیت دیئے چلا جا رہا تھا، اس کی ناک سردی سے سرخ ٹماٹر ہو چلی تھی، وہ دھیرے دھیرے چلتی کیبنٹ کے پاس چلی آئی، وہاں ایک ٹوکری رکھی تھی، مانہ نے کانپتے کمزور، ہاتھوں سے وہ ٹوکری اپنی جانب کھینچی، ٹوکری میں بہت سے کپڑے رکھے دکھائی دیئے مگر وہ سب کے سب مردانہ کپڑے تھے، اس نے اس پل ان کپڑوں کو بھی مال غنیمت سمجھا، وہ ایک جوڑا اٹھائی اس چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو گئی، الحان پلٹ کر بند دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

''مجھے معلوم ہے، یہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے، مگر کیا؟ اگر یہ سوری بولنا چاہتی ہے، تو یقیناً مجھے خوشی ہو گی کہ اسے آخر کار میرا احساس ہوا، مجھ پر اعتبار ہوا اور اگر یہ پھر سے واپس اپنے گھر جانے کی رٹ لگانا چاہتی ہے، تو میں اس سے کیا کہوں؟ سوری بولے، تو بھی کیا کہوں؟ میں اس سے بات ہی نہیں کروں گا، بس!'' وہ دل ہی دل میں فیصلہ کرتا کھڑا ہوا۔

جیسے ہی وہ آگ جلا کر فارغ ہوا، مانہ کھلے ڈھلے کپڑوں میں ملبوس، ٹاول سے اپنے بال خشک کرتی اس چھوٹے کمرے سے باہر نکل آئی، الحان نے اس کی جانب دیکھنا ضروری نہ سمجھا تھا، اس کے نکلتے ہی وہ تیزی سے چلتا اندر داخل ہو گیا، دروازہ بند ہوتے ہی مانہ، پاس رکھے بیڈ پر بیٹھتی، بال خشک کرتی بند دروازے کی جانب دیکھنے لگی، جب بال اچھے سے خشک کر چکی تو تولیہ رکھ کر خود کین اٹھاتی اسے کھولنے کی ناکام کوشش کرنے لگی، اسی پل الحان بھی چینج کیے باہر نکل آیا، مانہ کو کین کے ساتھ زور آزمائی کرتے دیکھ وہ آگے بڑھا، اس کے ہاتھوں سے کین پکڑا اور سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا۔

''تم سے نہیں ہو گا یہ، تم وہاں جا کر بیٹھو آرام سے، میں کھول کر دیتا ہوں تمہیں۔''

''الحان!''

''میں نے کہا ناں کہ وہاں جا کر بیٹھو۔'' وہ بنا اس کی جانب دیکھے مصروف انداز میں گویا ہوا، مانہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی، پھر رندھی آواز سے گویا ہوئی۔

''الحان سٹوپ اٹ...... میں آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہوں اور آپ......'' آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق آن اٹکا، اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''کیا بات کرنا چاہتی ہو؟'' اس نے بنا پلٹے پوچھا، لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

''کیا آپ میری طرف دیکھ کر بات کر سکتے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''جو کہنا ہے...... کہو...... میں سن رہا ہوں۔'' مانہ خاموش رہی، کافی دیر وہ خاموش کھڑی اس کے پلٹنے کا انتظار کرتی رہی، الحان سے وہ کین کھل نہیں رہا تھا، وہ مسلسل اس کین کو کھولنے کی کوشش میں لگا رہا۔

''آئی ایم سوری، میں نے آپ کو غلط سمجھا، آپ پر شک کیا، آپ پر اعتبار نہیں کیا، اس سب کے لئے آئی ایم ریئلی ویری سوری۔'' وہ دھیمے سے گویا ہوئی، اگلے ہی پل الحان نے کین کی مصروفیت چھوڑ، ایک لمبی سانس کھینچی، وہ آہستگی سے پلٹا۔

''تھینک گاڈ...... کہ تم نے کہہ دیا۔''

''کیا؟'' وہ حیرانگی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''میں تو ڈر رہا تھا، کہ کہیں تم پھر سے اپلیمینٹ کی رٹ لگا کر اپنے گھر واپس جانے کی ضد نہ کرنے لگو۔''

''میں نے سوری بولا ہے الحان!''

''میں نے بھی تمہیں معاف کیا مانو!'' وہ دو قدم آگے بڑھا۔

''میں چاہتا تھا کہ تمہیں احساس ہو، کہ جو کچھ بھی تم میرے ساتھ کر رہی ہو، وہ بہت غلط ہے، میں چاہتا تھا کہ تم سوری بولو...... اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں مانو! کہ میں زندگی بھر تمہارا مجھ پر ٹرسٹ کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گا، آئی پرامس۔'' وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا، مانہ اثبات میں سر ہلاتی رہ گئی۔

''مجھے بھوک لگی ہے۔'' وہ بات بدلتی، فائر

پیس کے پاس جا بیٹھی، الحان بھی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے سامنے، فائر پیس کے پاس جا بیٹھا۔

''سردی ہڈیوں میں اتر چکی ہے، ہاتھ کام ہی نہیں کر رہے۔'' وہ کین کھولنے کی کوشش میں مصروف رہا، مانہ نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر دوڑائی اور پھر ہاتھ آگے بڑھا کر ہاتھ گرم کرنے لگی۔

''کچھ باتیں زبان تک نہیں آتیں اور کچھ کان سن نہیں پاتے اور حقیقت میں وہی باتیں بہت اہم ہوتی ہیں۔'' کین کھولتے ہی وہ کین اس کی جانب بڑھاتا بے حد دھیمے لہجے میں گویا ہوا، مانہ کین تھامتی، حیرانگی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''مطلب؟''

''مطلب کہ آپ مصنفہ ہیں اور میں نے سنا ہے کہ لکھاری لوگ تو خاموشی کی خاموشی کو بھی بہت باریک بینی سے جانچ لیا کرتے ہیں۔'' وہ چمکتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، مانہ اس سے نظریں نہ ملا پائی، نہ سمجھی کا اظہار کرتی بولی۔

''اگر کان لگا کر اپنے دل کی گہرائیوں سے سن سکو، تو تمہیں میری باتوں پر یقین آجائے۔''

''مجھے آپ پر یقین ہے الحان؟''

''تھینک یو۔'' وہ ٹکٹکی باندھے اس کی جانب دیکھنے لگا، مانہ اس کی نظروں کی تپش کی تاب نہ لاتی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''آپ ایسے نہیں دیکھیں مجھے پلیز، مجھے آپ کی نظروں سے خوف آتا ہے۔'' وہ نظریں جھکائے بولی، الحان اپنی مخصوص مسکراہٹ مسکرا دیا۔

''اتنا ڈراؤنا تو نہیں ہوں یار!''

''کچھ زیادہ ہی خوفناک ہیں۔'' مانہ بھی دھیمے سے مسکرادی۔

''اف یہ مسکراہٹ۔'' الحان لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

''کتنا بے چین تھا یہ مسکراہٹ دیکھنے کو۔''

''ایک نمبر کے ڈرامے باز ہیں آپ۔''

''ہرگز نہیں، آپ بس ہمارے دل کی باتیں نہیں سمجھتیں۔'' وہ ایک انداز سے بولا۔

''اچھا خیر، مسکان کے ساتھ ڈیٹ کیسی رہی؟'' وہ پوچھ رہی تھی، الحان یکایک چونک اٹھا۔

''ارے ہاں، یاد آیا، میں نے فیصلہ کیا ہے، کہ اس بار کی ایلیمینیشن میں، میں مسکان کو ایلیمینیٹ کرنے والا ہوں۔''

''کیوں؟'' مانہ کو اچنبھا ہوا، وہ پھٹی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''تمہیں معلوم ہے کہ وہ لڑکی تم سے کتنی نفرت کرتی ہے۔'' الحان ایمانداری سے بولا۔

''مانو! تم یقین نہیں کرو گی کہ اس نے تمہارے خلاف کیا کیا بولا ہے، میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا نہ ہی ہرٹ ہوتے دیکھ سکتا ہوں، اس لئے بتا رہا ہوں کہ اس لڑکی سے دور رہو۔''

''مسکان؟...... نہیں...... وہ ایسا نہیں کر سکتی۔'' مانہ پر سکتے نے وار کیا۔

''وہ تم سے، تمہاری قابلیت سے، تمہاری کامیابی سے نفرت کرتی ہے مانو! جب تک وہ اس شو میں موجود ہے، اس سے بچ کر رہنا، اس سے دور رہنا، پلیز۔'' مانہ عالم مضطرب میں لب کاٹنے لگی، الحان خاموش ہوا۔

''میں یقین نہیں کر پا رہی۔'' وہ بہت ہرٹ دکھائی دے رہی تھی، الحان اٹھ کر اس کے نزدیک جا بیٹھا۔

''جس پر تمہیں یقین کرنا چاہیے، اس پر تم یقین نہیں کرتیں اور جس پر نہیں کرنا چاہیے، اس پر اندھا یقین رکھتی ہو۔'' مانہ نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی، اس کی آنکھیں نم تھیں، الحان نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اس کے گالوں پر اٹکے آنسوؤں کو صاف کیا تھا، وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''ایسا نہیں کرو، تمہیں ہرٹ دیکھ کر میرا دل دکھتا ہے۔'' آنسو پونچھتے ہی وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''اور یہ آنکھیں مجھے بہت پسند ہیں، میں ان آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہتا۔'' اتنا سننا تھا کہ اس کے آنسو بند توڑ کر تواتر سے بہہ نکلے، الحان بری طرح سے گھبرا گیا۔

وہ اس کے شولڈر پر سر رکھے دل کھول کر رو دی، الحان اس صورت حال سے پریشان ہو بیٹھا تھا، اس کے آنسوؤں سے اس شولڈر بھیگ سا گیا، وہ کافی دیر روتی رہی، نجانے کتنے عرصہ کا دکھ آج وہ آنسوؤں کی صورت بہائے چلی جا رہی تھی، الحان ہلکے سے اس کا سر سہلانے لگا، جب وہ رو رو کر تھک چکی تو ایک دم ہوش میں آتے ہی جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھی، اس کی آنکھیں رو رو کر سوجھ چکی تھیں، وہ سوں سوں کرتی اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''آئی ایم سوری؟'' وہ رندھی آواز میں گویا ہوئی۔

الحان خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا، پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ اس کے کان کے پیچھے اڑستا دھیمی آواز میں گویا ہوا۔

''آج تمہیں جتنا رونا تھا تم رو چکیں، آج کے بعد میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہتا، پرامس می کہ تم آج کے بعد کبھی نہیں روؤ گی۔''

''یہ آنسو تو زندگی کا حصہ ہیں الحان، زندگی بھر کے ساتھی، جب کوئی نہیں ہوتا، تب یہی تو ہوتے ہیں ہمارے ساتھ زندگی بھر کا ساتھ نبھانے کے لئے۔'' ٹپ ٹپ برستے آنسوؤں کے ساتھ وہ رندھی آواز میں گویا ہوئی۔

''میری عام سی زندگی میں بہت خاص ہو گئی ہو تم، ایک دم اچانک سے، مجھے کان و کان خبر تک نہیں ہوئی اور تم دبے قدموں میرے دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئیں، میں نے بہت کوشش کی کہ تمہیں نہ سوچوں لیکن، میں ہار گیا اس دل سے۔'' مانہ بے یقینی کے عالم میں الحان کی جانب دیکھے چلی جا رہی تھی، اسے لگا شاید وہ کسی حسین خواب میں گم ہے جو آنکھ کھلتے ہی ٹوٹ جایا کرتا ہے۔

''میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں مانو! پلیز مجھے غلط مت سمجھنا۔'' وہ رک رک کر بولا، شاید اسے مانہ کے روٹھ جانے کا ڈر تھا، مانہ ہنوز بے یقینی کے عالم میں براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی، الحان نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر رکا، کچھ سوچنے لگا، خشک ہوتے لبوں کو تر کرتا وہ ایک بار پھر سے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''I Love You۔'' اس نے سرگوشی کی، اک سرد سی لہر مانہ کے پورے جسم میں دوڑتی چلی گئی، وہ ساکت بیٹھی، بے یقین نگاہوں سے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

''اور یہ بات میں پورے ہوش و حواس میں تم سے کہہ رہا ہوں مانو I,m in love with you۔''

(باقی اگلے ماہ)

نایاب جیلانی

اٹھائیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام واپس آتا ہے تو نومی سے ٹھکراؤ ہوتا ہے جہاں دونوں میں دلچسپ نوک جھونک چلتی ہے، عینی ہیام کو دیکھ ایک بار پھر نشرہ کے نصیب سے خار کھانے لگتی ہے۔

کومے کے مرنے کی اطلاع پر پلوشہ اپنے ہوش وحواس کھو دیتی ہے وہ ہوسپٹل میں ہے اور شانزے اس کے پاس تھی۔

لاہور سے آئے اسامہ اور اس کی والدہ نے امام کے گھر اور مہمانوں کو سنبھال لیا تھا ہر کوئی کومے کی موت کی خبر پر افسردہ تھا۔

صندیر ابھی تک حیرانگی میں تھا، وہ شاہوار کے بدلے ہوئے اطوار سے چونکتا ہے اور پھر اپنے خاص ملازم کو اس کا کھوج لگانے کو کہتا ہے اور خود بی جاناں کو آکر بتاتا ہے کہ صندیر خان نے قبیلہ کے باہر کی لڑکی سے نکاح کر رکھا ہے اس بات کے سچ ثابت ہونے کی صورت میں اسے خاندانی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا۔

نیل بر کی سالگرہ کے دن جہاندار اسے سرپرائز سالگرہ وش کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

انتیسویں قسط

واپسی کا سفر عام دنوں سے ہٹ کر بہت بوجھل تھا۔
ایک تو نئے رشتے داروں سے ملاقات، پھر نوتنگی کی تھکا دینے والی مصروفیات، مہمانوں کو نمٹانا، ہسپتال کے پھیرے، گو کہ اس نے کسی پر احسان نہیں کیا تھا مگر پھر بھی، ایک تھکاوٹ ضرور گھیراؤ کر رہی تھی، اوپر سے جاتے سمے شانزے کا اظہار تشکر، اس کا میٹھا مدہم اور اپنائیت بھرا لہجہ۔
اسامہ کا نا چاہتے ہوئے بھی دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا، اسے لگ رہا تھا، محبت میں چوٹ کھائی لگتی ہے، آہ محبت کرنے والے اپنے عشوؤں سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔
اس کے اردگرد ایک احساس کروٹ لینے لگا۔
وہ لاہور جانے کی بجائے واپس دیامر کی طرف محو سفر تھا، ایک نئی مہم پر، مگر اس دفع وہ جذبہ وہ جوش وخروش نجانے کیوں مفقود تھا جو اس کے پیشے کی اصل ڈیمانڈ تھی۔
اور اب کوچ میں بیٹھنے کے بعد ساری الجھی سوچوں کی ڈوریں ہلنے لگی تھیں، دھیان کا پنچھی اڑ اڑ کر عشیہ کی طرف ہی بھاگتا۔
اسے کیوں عشیہ کے انداز بدلے بدلے لگ رہے تھے؟
وہ پہلے جیسی تازگی وتراوٹ کیوں مفقود تھی؟
کیا اس کے پیچھے کچھ ہو گیا تھا؟ کیا آخر کیا؟
اس کا بے قرار دل اتنا غیر مطمئن ہوا کہ نمبر اچانک ہی ہیام کے موبائل کا ذہن جگمگانے لگا، دوسرے ہی پل وہ ہیام کو کال کر رہا تھا، مگر یہ کیا؟ فون پر جس کی آواز غیر متوقع سماعتوں میں اتری، اس گھڑی بھر کی لمحاتی خوشی نے اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری کر دی تھی۔
''کیا ہیام پھر سے گھر پہنچا ہوا تھا؟ الو کا پٹھا، زن مرید۔'' اسامہ نے زیر لب ہیام کو کوسا اور نہایت موذب انداز میں حال احوال دریافت کیا، اس کے استفسار پر عشیہ نے اطمینان سے جواب دیا تھا۔
''ہیام کا یہ نمبر اب گھر میں ہی استعمال ہوتا ہے، بہتر ہے دوسرے نمبر پہ رابطہ کریں۔'' اسامہ تو اس شائستگی میں لپٹی رکھائی پر بھونچکا ہو کر رہ گیا تھا۔
عشیہ اور اتنا رکھائی کا مظاہرہ کرے؟ یہ اجنبیت اس کے لہجے میں کس کی مرہون منت تھی؟
''بتانے کا شکریہ، ہیام کے سارے نمبر میرے پاس محفوظ ہیں۔'' اسامہ کو بھی سنبھلتے ہوئے جواب دینا پڑا تھا۔
''کیا مجھے آپ کے مزاج کی تبدیلی کا سبب معلوم کرنا چاہیے تھا؟'' اور اس سے زیادہ دیر تلک صبر ہی نہ ہو سکا، اس کے لہجے میں آپوں آپ چبھن در آئی تھی، دوسری طرف سے ایک لمبا سانس کھینچنے کی آواز آئی۔
''کچھ باتیں ان کہی ہی رہنے دیجیے، کریدنے سے سوائے راکھ کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔'' عشیہ کے دھیمے لہجے میں تندی یا رکھائی نہیں تھی، ایک نا معلوم سی اداسی تھی، اسامہ کو لمبی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا، جانے عیشہ کو کیا ہوا تھا؟
پچھلے کچھ ہی عرصے میں وہ واضح طور پر پرانی عشیہ سے مختلف لگ رہی تھی۔

تو اس کا مطلب تھا، آگے بڑھتے قدموں کو کہیں نہ کہیں بیڑی ڈالنے کا کوئی تجسس لمحہ اس کی زندگی میں در آنے والا تھا، اسامہ نے گہرا سانس بھرا اور اچانک ہی بات بدل دی۔

''نشرہ کی خیریت پوچھ سکتا ہوں۔'' عشیہ نے بھی اندر کے بوجھل پن سے تنگ آکر برجستہ کہا۔

''ضرور، بلکہ بات بھی کروا دیتی ہوں۔'' عشیہ بولتے ہوئے نشرہ کو آواز بھی دے چکی تھی، کچھ ہی دیر بعد نشرہ کی چہکتی آواز نے اسامہ کو سرشار کر دیا تھا، اسے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

وہ خوش تھی، ہیام کے دیس میں بہت خوش تھی، اس کی غیر موجودگی میں بھی خوش تھی۔

''میں یہاں آئی ہوں تو آپ لاہور کو ہی پیارے ہو گئے، اب کہاں گئی آپ کی پرانی مہم جوئی؟'' اس کے شکوے پہ اسامہ پھیکی سی ہنسی کو لبوں پہ لا کر مسکرا دیا۔

''آرہا ہوں تمہارے پاس۔''

''ارے کیا سچ؟ یہاں آئیں گے نا؟'' نشرہ کی بے ساختہ چیخ پر عشیہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر لب بھینچ لئے تھے۔

''ریسٹ ہاؤس میں اسٹے ہے، مگر تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔'' وہ محبت سے بولا۔

''ہاں، ضرور آنا، عشیہ کی عیادت بھی آپ پہ ادھار ہے۔'' نشرہ نے بے ساختہ مسکرا کر کہا تھا، اسامہ نے گہرا سانس بھرا اور دھیمی آواز میں بولا۔

''عشیہ پر تو بہت کچھ ادھار ہے۔'' اس کے الفاظ بس ایک سرگوشی کی طرح نمودار ہوئے تھے اور وہ دھیمی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔

حجرہ چشم تو اوروں کے لئے بند کیا
آپ تو مالک و مختار ہیں آئیں جائیں

''آں ہاں، یہ کسے سنایا ہے؟'' نشرہ اچانک ہی چونکی اور بے ساختہ بولی تھی۔

''یہ کسے آنے اور جانے کی دعوت دے رہے ہیں؟'' اسپیکر کھلا تھا اور یہ دھیمی بوجھل آواز با آسانی عشیہ کے کانوں تک رسائی حاصل کر رہی تھی۔

اچانک ہی اسامہ کے ہونٹوں پہ چند الفاظ گنگنائے تھے، شاید وہ بھی سمجھ چکا تھا کہ اسپیکر کھلا ہے، اپنے جذبات اس سنگ دل تک پہنچانے کا بڑا ہی مناسب موقع تھا۔

اس نے شہزاد نیر کی

مرا نہیں تو وہ اپنا ہی کچھ خیال کرے
اسے کہو کہ تعلق کو پھر بحال کرے
ملے تو اتنی رعایت عطا کرے مجھ کو
مرے جواب کو سن کر کوئی سوال کرے
کلام کر! کہ مرے لفظ کو سہولت ہو
ترا سکوت مری گفتگو محال کرے

نہ گزرے وقت کا پوچھے نہ آنے والے کا
کوئی سوال کرے بھی تو حسب حال کرے
وہ ہونٹ ہوں کہ تبسم، سکوت ہو کہ سخن
ترا جمال ہر اک رنگ میں کمال کرے
بلندیوں میں کہاں تک تجھے تلاش کروں
ہر ایک سانس پہ عمر رواں زوال کرے
نگاہ یار نہ ہو تو نکھر نہیں پاتا
کوئی جمال کی جتنی بھی دیکھ بھال کرے
میں اس کے پھول ہوں نیر! سو اس پہ چھوڑ دیا
وہ گیسوؤں میں سجائے کہ پامال کرے

اور عشیہ کو لگا ان لفظوں نے اسے اندر تک زخم خوردہ کر دیا ہے، اس کا جھکا سر پھر اٹھا ہی نہیں، دل میں ایک پھانس سی چبھی تھی، جیسے ایک ٹیس سے اٹھی تھی اور پھر لمحوں میں معدوم ہو گئی، ہر اٹھتی ٹیس کے پیچھے اس کا ارادہ کھڑا تھا، سر تان کر، سر کو بلند کر کے۔

ہیام کو اس کے حصے کی زمین چھین کر دینے کا فیصلہ، اک اٹل ارادہ، کون تھا جو عشیہ کو اس فیصلے سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹا دیتا، کون تھا جو اس کے ارادوں میں دراڑیں ڈال دیتا؟ اور جب اس شب شاہوار بٹو اس کی خیریت معلوم کرنے بنفس نفیس خودان کے غریب خانے میں تشریف لے آیا تو مورے کے سارے لفظ، سارا طیش، سارا زہر نجانے کیوں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا، شاہوار خان کی شخصیت کا اثر تھا جو وہ کچھ بول ہی نہیں پائی تھیں، یا انہوں نے عشیہ کے چٹانوں جیسے ارادوں سے ٹکرانے اور اس کے ارادوں کی راہ میں دیوار بننے سے خود کو روک لیا تھا، جو بھی تھا، آج کی شب اس گھر کی تاریخ بدلنے والی تھی۔

معزز مہمان کو مہمان خانے میں نہایت عقیدت واحترام سے بٹھا دیا گیا تھا۔

حیران پریشان سی قدرے شاکڈ نشرہ مہمان کی تواضع میں مصروف عمل تھی، ابھی تو اتنے عالیشان سے خانزادے کو قریب سے دیکھنے کے بعد حیرت کم نہیں ہوئی تھی، جب اچانک ہی عروفہ کسی بم کی طرح نشرہ کے سر پہ آ پھٹی۔

''دیکھا تم نے، میری عزت مآب بہن کی چلتر بازیاں، یہ ہیں شریف زادیوں کے کرتوت، عاشق زادے گھروں تک پہنچ گئے اور میری ماں کی غیرت دیکھ کہاں جا سوئی ہے؟ مہمان کے چرنوں میں جا بیٹھیں، اب کہاں گیا ان کا جلال؟ بٹو خاندان کے سپوت لے کو اپنی کٹیا میں لا بٹھایا۔'' عروفہ کسی تیز گام کی طرح تیز تیز دھونکنی کی مانند چلتی سانسوں میں بول رہی تھی۔

اور ادھر نشرہ کے پلے اس کی کوئی بات نہیں پڑ رہی تھی، وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے عروفہ کو دیکھتی رہی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ ساری ڈرامے بازی سمجھ لو گی، سرداروں کا امیر کبیر لڑکا پھانس رکھا ہے میری بہن نے۔'' عروفہ کے منہ میں انگارے بھر گئے تھے اور ادھر نشرہ کا سانس گھٹنے لگا۔

''اللہ اللہ۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی رہ گئی تھی۔

''یہ چکر بازیاں ہیں اس کی، خود تو محلوں میں چلی جائے گی اور ہم یہاں ساری عمر سڑتے رہیں گے۔''

''اب کیا گونگی ہو چکی تم، بولتی کیوں نہیں۔'' عروفہ ایک دم تڑخ کر چیخی تھی، شاید اپنی گفتگو کا کوئی رسپانس نہ پا کر اسے غصہ آ گیا تھا، نشرہ بے چاری کپکپا سی گئی، بھلا اب وہ ان بے سروپا فضول باتوں کا کیا جواب دیتی؟ ادھر عروفہ جواب لینے پہ کمر بستہ تھی، شاید اپنی بھڑاس نکالنا چاہتی تھی۔

''مجھے کیا پتہ عروفہ۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''پتہ نہیں تو جلدی ہی لگ جائے گا، دیکھتی رہو تم، اس گھر میں ہوتا کیا ہے، دیکھنا میں بھی اسے چین سے رہنے نہیں دوں گی۔'' عروفہ زہر خندسی اپنے خطرناک ارادوں سے اسے ڈرا کر اور بھی خوفزدہ کر رہی تھی۔

''مورے سے بات کرتی ہوں، اب ہمارے دشمن ہم سے مہمان نوازی کروائیں گے۔'' اس کا چہرہ نفرت اور حقارت سے بگڑ گیا تھا، نشرہ تو ایک دم ہی گم صم ہو گئی، سگی بہن سے اتنی نفرت؟ اتنی نفرت تو عینی اور تائی بھی نشرہ سے نہیں کرتی تھیں۔

جانے اب کیا ہونے والا تھا؟

نشرہ کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا۔

لڑائی بھڑائی سے اسے ویسے بھی بہت خوف آتا تھا۔

اور یہاں تو ہیام بھی نہیں تھا، کون انہیں روکتا؟ اور صلح صفائی کرواتا؟

مہمان تو ایک اچھی شام گزار کے اچھی امید کے ساتھ رخصت ہو گیا تھا، عشیہ کی آنکھوں کی چمک بہت سے راز افشاں کر رہی تھی، اوپر سے مورے کا حوصلہ افزا انداز۔

انہوں نے اپنے دشمن کے بھتیجے کو ''خوش آمدید'' کہا تھا، شاید انہوں نے نفرتوں کی تاریخ بھی بدل ڈالی تھی، یا پھر بیٹی کی آنکھ میں اتری جوت نے ان کو اندرونی طور پر کمزور کر دیا تھا، جو بھی تھا، مورے کا حوصلہ افزا رویہ اس گھر میں آج کی رات ایک قیامت لے آیا تھا، عروفہ سارے مورچے سنبھالے توپیں تیار کیے مہمان کے جانے تک کا انتظار کر رہی تھی، مورے کو اندر آتے دیکھ کر ہی پھٹ پڑی۔

''انسان کے قول و فعل میں اتنا تضاد نہیں ہونا چاہیے، یہی تھے نا آپ کے دشمن؟ جن کو سر آنکھوں پہ بیٹھا لیا۔'' مورے اس کے خونخوار تیور دیکھ کر گہری سانس بھرتی نڈھال سی تخت پہ بیٹھ گئی تھیں۔

''میرا دشمن یہ نہیں، تیرا باپ تھا اور اسے کوئی معاف نہیں، نہ اس جہاں میں نہ اس جہاں میں، وہ اپنے سارے مظالم کے ساتھ رہتی دنیا تک میرے دشمنوں میں سرفہرست رہے گا۔'' مورے کی آواز میں بیال کے جنگلوں کی وحشت بول رہی تھی، عروفہ ان کی بات سن کر چیخ اٹھی۔

''بس کر دیں یہ ڈرامے بازی، وہ بھی سامنے آئے تو کہہ دینا، میرا یہ دشمن نہیں، اس کا باپ

میرا دشمن تھا، سو، اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا تو میرے سارے حقوق ان کو معاف۔'' عروفہ کے چلانے پر عشیہ بھی پیر کی تکلیف بھلا کر اندر آ گئی تھی، وہیں خوفزدہ سی سہمی سہمی نشرہ بھی کونے میں کھڑی تھی، اللہ جانے اب کیا ہونے والا تھا؟ ہیام کی فیملی تو تائی کی فیملی سے بھی بڑا ڈرامہ تھی، اس نے ٹھنڈی سانس باہر نکالی اور خود کو ماحول میں بڑا ہی مس فٹ سمجھا۔

''کیوں آیا تھا وہ یہاں؟'' اب وہ براہ راست زہر اگل رہی تھی۔

''عیادت کے لئے آیا تھا، کوئی رقبہ نہیں زبردستی اپنے نام لگوا کر کاغذ ہم سے چھین کر لے گیا، جو تو اس قدر پھٹ رہی ہے۔'' مورے بھی اپنے ازلی جلالی موڈ میں آ گئی تھیں، عشیہ کا سر ویسے بھی بھاری تھا، اوپر سے عروفہ کی بکواس اور مورے کا غصہ، وہ نشرہ کے سامنے کم از کم کوئی ڈرامہ نہیں چاہتی تھی مگر......؟ ہونی کو کون ٹال سکتا ہے؟ اسے نشرہ کے سامنے عروفہ کی چیپ گفتگو پہ سخت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی، کیا سوچتی ہو گی؟ ہیام کی بہنیں کیسی ہیں؟ جن کے چاہنے والے گھروں تک؟ اور اس سے آگے عشیہ کی سوچ اندھیری کھائی میں الٹ جاتی تھی۔

''اپنی بکواس بند کرو اور زبان کو لگام دو، بولنا مجھے بھی آتا ہے مگر میں تمہاری سطح پہ اترنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔''

''تمہاری کیا ہے؟ آج ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔'' عروفہ نے تالی بجا کر استہزائیہ کہا، عشیہ کا چہرہ مارے رہانت کے سرخ ہو گیا تھا، مگر مورے کے سمجھانے پر وہ خاموش ہو گئی تھی، کیونکہ اسی وقت ہیام کی موبائل فون پہ کال آ گئی تھی۔

عشیہ لب بھینچتی غصے کے عالم میں باہر نکل گئی، اس کے پیچھے نشرہ بھی قدم گھسیٹتی کھسک لی تھی، عروفہ تو پہلے ہی پاؤں پٹخ کر جا چکی تھی، پیچھے مورے سر تھام کر بیٹھی رہ گئیں۔

''اب جانے یہ فسادن ہیام کو کیا بتائے؟'' ان کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگا تھا۔

☆☆☆

اسلام آباد جیسے پرسکون شہر میں آ کر تو عینی لاہور کے ہنگاموں کو بھول ہی گئی تھی۔

پھر جتنی سہولیات خالہ کے اس بنگلے میں تھیں، کس کافر کا دل واپس جانے کو چاہ رہا تھا، یہاں تو نوکر چاکر تھے، آسائشات تھیں اور ہر چیز وافر مقدار میں میسر تھی۔

اس کا چالیسویں کے بعد بھی یہیں رہنے کا لمبا پروگرام تھا، کیونکہ پلوشہ خالہ کی طرف سے کوئی زور زبردستی نہیں تھی بلکہ وہ تو چاہتی تھیں یہ لوگ ابھی واپسی کا پروگرام ہی ملتوی کر دیں مگر امی کو جلد ہی گھر کی یاد واپس کھینچ کر لے گئی تھی، البتہ عینی کو وہ یہیں چھوڑ گئی تھیں، جانے ان کی نیت میں کیا تھا؟

عینی کے یہاں خوب مزے تھے، کون سا کوئی لمبا چوڑا کام کاج تھا، خالہ گھر داری سے سخت بیزار لگتی تھیں، کومے کے غم کو انہوں نے دل سے ہی لگا لیا تھا، عینی نے بھی بخوشی خالہ کے عالیشان گھر کا تھوڑا بہت انتظام سنبھال لیا تھا اور یہاں تو فراغت ہی فراغت تھی، خوب مزے تھے۔

صبح ناشتے کے بعد میڈ آتی تھی اور اس کے بعد لنچ تک وہ مزے سے ٹی وی دیکھتی، گیم کھیلتی یا سوتی رہتی، امام اور خالہ اپنے اپنے کمروں میں زیادہ تر رہتے تھے، کم ہی باہر آتے تھے، کبھی کبھی

برابر والے ولا سے شانزے چکر لگا لیتی تھی، باقی امن ہی امن تھا، عینی اور نومی کا راج پاٹ تھا۔
کتنے پیارے رشتے دار تھے جن سے امی نے ساری زندگی انہیں ملایا ہی نہیں، جانے کس احساس کمتری کے پیش نظر۔
بہر حال ان لوگوں کو اپنے بچھڑے رشتے داروں سے مل کر بہت ہی اچھا لگا تھا۔
اور ابھی عینی ڈھیر سارا تربوز کاٹ کر اوپر نمک ڈال کر باؤل کانٹا اٹھائے لاؤنج میں آئی ہی تھی جب اس کے نمبر پہ کسی کی کال آ گئی، نمبر غیر شناسا سا تھا اور باہر کا ہی لگتا تھا۔
عینی نے کچھ کشمکش میں مبتلا کال اٹینڈ کر لی تھی، مگر دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر اس پہ شادی مرگ والی کیفیت طاری ہو گئی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ دوسری طرف سے آنے والی آواز ولید کی آواز ہو سکتی ہے؟ ولید اسے کال کر سکتا ہے؟
نشرہ کی شادی ختم ہونے کے بعد تو ان لوگوں نے سارے تعلق ہی ختم کر لئے تھے، نیچے والوں سے کوئی رابطہ نہیں تھا، البتہ اوپر والوں سے پھپھو کی ہیلو ہائے ضرور تھی، عینی حیرت کے سمندر سے نکلتے ہوئے بمشکل ''ہیلو'' بول سکی تھی۔
دوسری طرف ولید کا خاصا پر جوش اور حوصلہ افزا رویہ تھا، عینی تو خوشی کے مارے گلاب سی ہو رہی تھی، ولید اس کی اولین خوشی تھا، کبھی عینی کی آنکھوں میں ولید کے نام سے قندیلیں روشن ہوتی تھیں، مگر یہ گئے وقتوں کی بات تھی، اب تو اس نے کبھی ولید کو سوچا ہی نہیں تھا۔
''کیسی ہو عینی!'' ولید کا تمہیدی لہجہ بلا کا ملائم تھا، عینی کو غش آنے لگا، ولید اور اس سے اتنی ملائمت و محبت سے بات کر لیتا؟ آج جانے کون سا مبارک دن طلوع ہوا تھا؟
''میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟ کیسے یاد کر لیا۔'' عینی کے حواس کچھ کام کرنے لگے تو جلدی سے خیریت کی رسم نبھائی تھی۔
''ہم نے کیسے ہونا تھا؟'' ولید نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔
''ممی کی باتوں میں آ کر میں نے تمہیں کھو دیا تھا، اب دل کو کیسے سکون آئے؟'' عینی تو اس دردمند لہجے پر لٹو ہوتی بے ہوش ہونے لگی تھی، دل تو اچانک ہی سرپٹ بھاگنے لگا۔
''تمہیں کھو کر احساس ہوا کہ میں نے اپنا کتنا نقصان کیا ہے۔'' ولید کی بھاری بوجھل آواز میں دکھ کروٹ لیتا نظر آ رہا تھا، عینی کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔
آج ولید کیسی باتیں کر رہا تھا؟ اس کے تو کان ترس گئے تھے ایسی باتیں سننے کے لئے اور اب جب اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا تو اچانک پھر ولید اس پرسکون ندی میں کنکر پھینکنے آ گیا، عینی کا دل بھر بھر آیا۔
''تو تمہیں آخر احساس ہو ہی گیا نا؟''
''کوئی ایسا ویسا؟ اب تو صرف پچھتاوا رہ گیا ہے۔'' ولید نے جیسے ہاتھ ملے تھے، عینی تو اب چاروں شانے چت ہو پڑی تھی، ولید کے سارے ہی نشانے پہ تیر لگے تھے، کوئی ایک بھی خطا نہیں گیا تھا۔
''تم نے خود ہی جو بھی کیا، ورنہ زندگی اتنی مشکل نہیں تھی۔'' عینی کو بھی الٹا سیدھا فلسفہ جھاڑنا

یاد آیا تھا، ولید چونکا اور پھر لہجے میں رقت بھرتا بولا تھا۔
''بگڑی چیزوں کی ترتیب درست کی جاسکتی ہے۔''
''تم نے ہر چیز کو بہت آسان سمجھ رکھا ہے۔'' عینی کو بھی اترانے کا خیال آیا، کچھ نخرہ دکھانے کا خیال آیا۔
''مشکل کچھ نہیں ہوتا، بس انسان کو خود سے ہارنا نہیں چاہیے۔'' ولید کا لب ولہجہ معنی خیز قسم کا تھا، عینی کی دھڑکنوں میں پھر سے طلاطم آیا، آج تو ولید اسے بے ہوش کرنے پہ تلا ہوا تھا۔
''تم کیا سمجھتے ہو، ابو تم لوگوں سے تجدید تعلقات کریں گے؟ وہ نشرہ کے معاملے میں اب بے عزتی کو ابھی تک نہیں بھولے۔'' عینی کو اسے کچھ یاد دلانا پڑا تھا۔
''اگر تم چاہو، تو سب کچھ ٹھیک ہوسکتا ہے۔'' ولید نے معنی خیزی سے جتایا تھا۔
''میں......؟ مگر کیسے؟'' لاپرواہ سی عینی اس کے لہجے کی معنی خیریت کو قطعی طور پر سمجھ نہیں سکی تھی۔
''تم ماموں کو رام کر لینا، آخر سگی اولاد کی خوشی بھتیجی سے زیادہ بڑھ کر انہیں عزیز نہیں ہوگی۔'' ولید نے بالآخر اس چنگاری کو ہوا دے رہی تھی، جو عینی کے اندر اب تک تو راکھ بن چکی تھی۔
''پھر بھی...... یہ سب اتنا آسان نہیں ہوگا۔''
''کچھ مشکل بھی نہیں۔'' ولید کا انداز حوصلہ دیتا ہوا تھا۔
''پھپھو کیا چاہتی ہیں اب؟'' عینی کو اچانک خیال آیا تھا، ولید نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔
''ظاہر سی بات ہے، اپنے بھائیوں سے تعلقات بحال کرنا چاہتی ہیں۔''
''تو پھر پھپھو کو ابو سے رابطہ کرنا چاہیے تھا، کم از کم معذرت ہی کر لیتیں۔'' عینی نے بے ساختہ شکوہ کیا تھا۔
''تم سابقہ ناراضگی بھلا دو، ممی، ماموں سے معذرت بھی کر لیں گی۔'' ولید کے الفاظ نے عینی کو بے ساختہ سرشار کر دیا تھا، تو کیا واقعی ولید کو احساس ہو گیا تھا؟ اور وہ عینی کی طرف لوٹنا چاہتا تھا؟ عینی کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔
''اگر ایسا ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔'' عینی نے اگلے مرحلے خوابوں ہی خوابوں میں تیزی سے طے کر لئے تھے، ولید کا ساتھ، اس کی ہمراہی اور دوبئی کے مزے۔
''ایسا ضرور ہو جائے گا، اگر تم میرا ساتھ دیتی رہی۔'' ولید نے ایک مرتبہ پھر معنی خیزی سے جتایا تھا، عینی اپنی خوشی میں سمجھ ہو نہ سکی تھی۔
''میں تمہارا ساتھ ضرور دوں گی، کیونکہ میں تمہیں پھر سے کھونا نہیں چاہتی۔'' عینی نے بھیگی آواز میں یقین دہانی کرواتے ہوئے ولید کو ایک گونا اطمینان سے نواز دیا تھا، اس نے مسکرا کر اپنی ماں کو وکٹری کا نشان دکھایا اور نہایت لگاوٹ سے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور اب وہ ماں کو مسکراتے ہوئے خوشخبری سنا رہا تھا۔
''ہم جلد پاکستان جائیں گے ممی۔''
''کیوں نہیں۔'' فرح کھل اٹھیں۔

''عینی سے گپ شپ اچھی رہی؟'' وہ نہایت دلچسپی سے پوچھ رہی تھیں۔
''سو فیصد اچھی۔'' ولید نے انہیں کامیابی کی نوید سنائی تھی، فرح کے تاثرات معنی خیز ہو چلے تھے۔
''اب دیکھئے گا، ہوتا کیا ہے؟ ہر چیز پہ قبضہ جما کر بیٹھے ہیں، ہمارا جائز حصہ بھی نہیں دیتے، اب میں ان لوگوں کے ساتھ کیا کرتا؟ آپ دیکھتی رہیے گا، مجھے اپنی بے عزتی بھولتی نہیں۔'' ولید کے لہجے میں زخمی شیر کی سی غراہٹ تھی۔
''تم نے نشرہ کا نمبر تو لیا نہیں۔''
''وہ بھی ضرور لوں گا، آپ فکر کیوں کرتی ہیں، چین کی زندگی تو وہ بھی نہیں جیئے گی۔'' اس کی غراہٹ ایک دم پر اسراریت میں بدل گئی تھی۔
فرح معنی خیزی سے بیٹے کی طرف دیکھتی ذرا عجیب سے تاثرات کا شکار ہو گئی تھیں، ایک دم اپنے اندر اترتی لہر کو وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی تھیں، پھر اچانک ہی ان کے منہ سے برآمد ہوا تھا۔
''کیا ہمیں نشرہ کا چیپٹر کلوز نہیں کر دینا چاہیے؟''
''یہ کیسے ممکن ہے ممی! میں اسامہ اور نشرہ کو ضرور سزا دوں گا، میں ان دونوں کو کبھی معاف نہیں کر سکتا، نہ میں اپنی بے عزتی بھول سکتا ہوں، میں اتنی ہی ذلت ان دونوں کو لوٹا کر رہوں گا، جتنی ذلت میں نے پاکستان سے سمیٹی تھی۔'' وہ زہر خند سا بولتا کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔
فرح کے دل کو عجیب سی گھبراہٹ لگ گئی تھی، شاید یہ گھبراہٹ کسی بڑی خرابی کا پیش خیمہ تھی، ان کا دل چاہا، وہ ولید کو روک دیں، مگر انہیں اندازہ ہو چکا تھا، ولید کو روکنا اب ممکن نہیں رہا۔
وہ اسامہ اور نشرہ سے انتقام لینے کی آگ میں سلگ رہا تھا۔
اور یہ آگ ایک مرتبہ پھر بہت نقصان کرنے والی تھی۔

☆☆☆

نشرہ کی کال آ رہی تھی اور ہیام دھڑا دھڑ مریض بھگتا رہا تھا۔
آج سارا دن اسے فراغت ہی نہیں ملی تھی، وہ گھر فون نہ کر سکا نہ میسج، ویسے اسے بے چینی لاحق ہو رہی تھی کیونکہ گھر سے اس وقت کبھی کال نہیں آئی تھی، کم از کم عیشہ کو اندازہ تھا، اس وقت ہیام مصروف ہوتا ہے اور یہ اندازہ نشرہ کو بھی تھا۔
''جانے کیا معاملہ ہوا؟'' اسے مریض فارغ کرتے یہی پریشانی لگی رہی، اللہ اللہ کر کے دو بجے تک رش چھٹا تھا اس نے پہلی فرصت میں گھر کال کی تھی۔
اتفاقاً فون عشیہ نے نہیں، نشرہ نے اٹھایا تو ہیام کے دل کی مرجھائی کلی کھل اٹھی، نشرہ کی آواز میں جانے کیا جادو ہوتا تھا، کہ اس کی ساری سوئی پڑی چونچالی لوٹ آئی تھی۔
''زہے نصیب، آج تو کچھ اور بھی مانگ لیتا۔'' اس نے زمانے بھر کی تازگی لہجے میں سمو کر کھنکتی آواز میں کہا تھا، دوسری طرف شاید نشرہ کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھل اٹھا تھا، اس نے خاصی بے نیازی سے جتایا۔
''میرے علاوہ اور کیا مانگنا تھا؟ میں تو آل ریڈی مل چکی ہوں۔''

''آں ہاں...... صدقے جاؤں ایسی خوش فہمیوں کے، تم کو کیا لگتا ہے؟ میرے سارے ڈائیلاگ سچے ہوتے ہیں۔'' ہیام نے گلے سے اسٹیتھسکوپ اتار کر ریلیکس انداز میں ٹانگیں پھیلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''تو پھر کیا مانگنا تھا؟'' نشرہ نے تنک کر پوچھا تھا۔

''ایک خوبصورت بیوی مانگ سکتا ہوں۔'' بڑے جذب کے عالم میں کہا گیا تھا۔

''ہونہہ، جیسے یہ دعا تو بڑی پوری ہونے والی تھی۔'' نخوت سے سر جھٹک کر نشرہ نے ہیام کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''کیوں؟ تمہیں الہام ہوا کہ میری دعائیں پوری نہیں ہوتیں؟''

''کم از کم یہ تو نہیں ہونے والی۔'' اس کا اعتماد قابل دید تھا، ہیام کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

نشرہ دن بدن اس کی توقعات پہ پوری اتر رہی تھی، شاید اس کے گھر والوں کا رویہ بھی کافی حوصلہ افزا تھا، ہیام کو عشیہ پہ فخر ہوا، یقیناً یہ سب عشیہ کی ہی بدولت تھا۔

''اگر ہو جائے تو......؟'' ہیام نے اسے جان بوجھ کر ستایا۔

''تو اپنی تمہاری جان ایک کر دوں گی۔'' برجستہ دھمکی نے ہیام کو بے ساختہ ہنسا ڈالا تھا۔

''وہ تو آل ریڈی ایک ہے۔'' ہیام دل و جان سے فریفتہ ہوا۔

''ایک ہونے میں اور کوئی کسر رہ گئی کیا؟''

''اگر کوئی رہ جاتی تو وہ بھی نکل جاتی۔'' نشرہ کا انداز بے نیازی سے بھرپور تھا، ہیام بے ساختہ ہنس پڑا۔

''اے نشرہ! یہ تم ہی ہو یا میرے آنے کے بعد بدل گئی ہو، یا تمہاری زبان کا زنگ عشیہ نے مانجھ کر اتار دیا ہے؟'' کچھ دیر بعد وہ حیرانی کے عالم میں پوچھ رہا تھا۔

''یہ تمہارے یہاں سے جانے کا اثر ہے۔'' نشرہ کے الفاظ نے ہیام کو بری طرح سے گڑبڑا ڈالا تھا، وہ جو بڑے ریلیکس موڈ میں جوس پی رہا تھا، اسے سخت اچھو لگ گیا، کھانس کھانس کر دوہرا ہو گیا تھا، ادھر نشرہ کچھ متفکر ہوئی اور پھر ایک دم مسکرانے لگی تھی، تیر نشانے پہ لگا تھا۔

''ایک مرتبہ پھر بولنا۔'' اس نے کھانسی کا ڈرامہ روک کر پھر سے کہا۔

''تمہارے جانے کا اثر ہے۔'' نشرہ کون سا گھبرا رہی تھی، فوراً ترنت جواب دے کر اسے تپایا، اچھا تھا تپا رہتا، یہاں اس کا ناک میں دم کیا ہوا تھا۔

''دیکھ لو، پھر میں نہیں آنے والا۔'' اس نے بھی نشرہ کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھنا چاہا تھا، مگر وہ بھی نشرہ تھی، اس کے آنے کے بعد خوب پر پرزے نکال لئے تھے۔

''تو نہ آنا۔'' اس نے ہونٹوں کا کونا دبا کر ہیام کو خوب تپا ڈالا تھا، ادھر ہیام کے نتھنے پھولنے لگے، یعنی اس کی اتنی سی اوقات تھی؟

''دیکھ لو، پٹھان ہوں اور ضد میں آ جاؤں گا۔'' اب کہ جناب نے بھی کمال کی دھمکی دی تھی، مگر دوسری طرف پرواہ کسے تھی؟

''تو آ جاؤ ضد میں۔'' نشرہ نے جیسے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی اور ادھر ہیام مصنوعی غصے میں

کھول کر رہ گیا تھا۔

''یہ تم میں عشیہ کی روح کہاں سے آ گئی؟'' ہیام صدمے کے مارے کرسی پر ہی لڑھک گیا تھا۔

''عشیہ باجی نے کہا تھا، میرے بھائی سے ڈرنا مت، سو میں ان سے کیا وعدہ نبھا رہی ہوں۔'' نشرہ نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تو ہیام نے آہ بھری۔

''عشیہ کی بچی میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔'' اس نے غائبانہ بہن کو دھمکی دی تھی، دوسری طرف نشرہ ہنسنے لگی، اس کی بے فکری ہنسی نے ہیام کو سرشار کر ڈالا تھا، وہ جیسے نشرہ سے گفتگو کے بعد تازہ دم ہو گیا۔

''کتنا بدل گئی ہے نشرہ! کہاں تو منہ میں زبان ہی نہیں تھی اور کہاں اب؟ اور یہ سب عشیہ کی کرامات لگتی ہیں، جیو عشیہ! میری بہن۔'' اس کا دل اپنی بہن کی محبت سے لبالب بھر گیا تھا، تاہم اس نے نشرہ پہ کچھ ظاہر نہ ہونے دیا، بلکہ اسے الٹا ڈرایا۔

''مجھے آ لینے دو، میں تمہاری مورے سے کلاس لگواؤں گا۔''

''اچھا، خاطر جمع رکھیئے گا، میری بجائے اپنی کلاس نہ لگ جائے، کیونکہ ابھی آپ کو گئے مہینہ بھی نہیں ہوا۔'' نشرہ کے جتلانے پر ہیام کو غش آنے لگا۔

''اچھا...... تو اتنا حساب کتاب رکھا ہوا ہے؟'' اس کے انداز میں گدگدانے والی معنویت تھی، نشرہ کا دل پہلو میں دھڑکنے لگا تھا، تاہم اس نے خود کو کنٹرول کیا، ورنہ ہیام کا کچھ پتا نہیں تھا، ابھی کے ابھی کوچ کا ڈنڈا پکڑ لیتا۔

''جی نہیں...... وہ تو صبح مورے انگلیوں پہ گن رہی تھیں۔'' نشرہ نے تصحیح کی تھی۔

''ہاں، ناں...... میری ماں جو ہوئیں، حساب نہ رکھیں گی تو کیا دشمن رکھیں گے۔'' ہیام نے منہ بنا کر جتلایا۔

''ابھی ستائیس دن ہو چکے ہیں۔'' نشرہ کے منہ سے بے ساختہ پھسلا تھا، پھر اس نے زبان دانتوں تلے دبالی تھی، مگر اب کیا فائدہ؟ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''ستائیس دن؟'' ہیام نے اس کے الفاظ اچک لئے تھے۔

''اور ستائیس راتیں پلس چون میں آج کی فلائٹ سے منگورہ آ رہا ہوں۔'' ہیام نے تیز تیز بولتے ہوئے ایک پرچے پر چھٹی کی درخواست لکھی اور شان سے مسکراتا ہوا ایم ایس کے دفتر کی طرف بڑھ گیا تھا، دوسری طرف نشرہ ''ارے ارے'' ہی کرتی رہ گئی تھی، جبکہ ہیام نے کچھ سنے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

اور نشرہ سر پکڑ کر بیٹھ چکی تھی، اس کی شرارت مہنگی پڑنے والی تھی، اب بھلا ہیام کو اتنی باتیں سنانا پڑ گئیں، وہ شدید متفکر ہونے لگی، عشیہ کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے۔

''مرد بچہ بن کر کام میں دل لگائے رکھیں، خبردار جو ہر روز کوچ کا ڈنڈا پکڑا، ساری تنخواہ اب کرایوں میں مت پھونک دینا۔''

اور اب جو درگت عشیہ کے ہاتھوں ہیام کی بننے والی تھی، اس کا سوچ سوچ کر نشرہ کو مزہ آنے

لگا تھا، کوئی تو تھا جو اس ''جن'' کو قابو میں کرتا تھا۔

اس نے سنہری کرنوں کو دھرتی کی پیشانی چومتے دیکھا اور مبہوت ہو گئی تھی، اسے اندازہ ہی نہیں تھا، وہ آنکھ کھولنے پر جنت میں کھڑی دکھائی دے گی، اگر یہ جگہ جنت نہیں تھی تو اور کیا تھی۔

اس نے سبز پہاڑوں کے اوپر پھیلے سبزے کو دیکھا، آسمان پہ اڑتی کونجوں کو دیکھا، شاخوں پہ لدے پھلوں کو دیکھا، بہتے جھرنے، ندیاں، آبشاریں، اس کی بے رنگ آنکھیں ان گنت رنگوں سے بھرتی چلی گئی تھیں، اگر وہ زندہ تھی اور زمین کے اوپر تھی تو پھر اس جگہ کو کیا کہتے تھے؟

''شاید جنت الفردوس۔'' اس نے مبہوت ہو کر سوچا اور کھڑکی سے پرے کھلتے منظر میں کھونے لگی، معاً اس کے پیچھے سادہ سی نرم آواز سنائی دی تھی۔

مقامی لہجے میں قدرے اکھڑی اردو کے ساتھ وہ بڑی محبت سے کومے کو دیکھ رہی تھی، دونوں کی عمروں میں خاص فرق نہیں لگتا تھا مگر شکل میں تو انیس بیس کا بھی فرق نہیں تھا، سچ تو یہ تھا، کومے نے اسے دیکھ دیکھ کر حیران ہونا ترک کر دیا تھا، اسے اپنی فلسفے کی ایک ٹیچر کا قول یاد آیا۔

''اس دنیا میں کم از کم پانچ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کی شکل آپس میں مل جاتی ہے اور یہ محض اتفاق ہوتا ہے۔''

فلسفے کی میم جس قدر کھسکی ہوئی تھی، بہت سے ایسے بونگے فلسفے اپنے پاس سے ایجاد کر لیتی تھیں اور اب تو کومے نے حمت نامی اس رحم دل پری کو دیکھ کر حیران ہونا چھوڑ دیا تھا۔

یہ پیاری سی لڑکی جو اس کی خدمت پر مامور تھی اور جس کی مہمان نوازی نے کومے کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

اب تک ان دونوں کے بیچ دوستی اور تعلق کی ایک بنیاد کھڑی ہو گئی تھی، حمت اسے فطری منظر میں کھویا دیکھ کر مسکرا دی تھی، اس نے آہٹ پہ مڑ کر دیکھا اور بے خیالی میں بولی۔

''میں نے اتنی حسین سویر دھرتی پہ اتری آج تک نہیں دیکھی۔''

''ہمارے لئے تو ہر سویر عام سی ہے۔'' اس نے سادہ سے الفاظ میں بولتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا باکس میز پہ رکھ دیا تھا، وہ کومے کے پاؤں کا زخم صاف کرنا اور شاید ڈریسنگ بدلنے آئی تھی۔

''میں نے اتنی خوبصورت سویر دیکھی نہیں اس لئے۔'' کومے اب بھی دم بخود سی تھی، اسے انگور اور لوکاٹ کے درخت اتنے فینسی نیٹ کر رہے تھے، جی چاہ رہا تھا، کھڑکی سے چھلانگ لگا کر انگوروں کی بیلوں تک پہنچ جائے اور انگوروں کے گچھوں سے یہ دوائیوں والی باسکٹ الٹ کر بھر لے۔

مگر ابھی وہ زیادہ چلنے پھرنے سے قاصر تھی۔

حمت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بستر پہ بٹھایا تھا۔

''ابھی تم کو زیادہ چلنا پھرنا نہیں ورنہ زخم خراب ہونے کا خطرہ ہے۔'' وہ اسے نرمی سے تنبیہ کر رہی تھی، کومے نے بیزاری سے سر ہلا دیا۔

''یار! اتنے بڑے سوپر ڈوپر ہٹ میں ایک فون کی سہولت نہیں، مجھے اپنے گھر کال کرنی ہے۔'' کومے نے ایک دم اداس ہو کر مچلتے ہوئے کہا تھا، وہ زیادہ ضد بھی نہیں کر سکتی تھی، ایک تو

ان اجنبی لوگوں کا اس پہ اتنا بڑا احسان تھا، نہ صرف اسے زخمی حالت میں اٹھا کر لائے تھے، اوپر سے اتنے دن ہو چکے تھے بے لوث تیمار داری کرتے ہوئے، سو وہ اپنے عمل سے ان کے دل برے کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''کیا تم کو یہاں کوئی تکلیف ہے؟'' حمت نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا تھا۔

''ارے نہیں تو۔'' وہ بے ساختہ بولی۔

''بلکہ میں تو تم لوگوں کا یہ احسان......''

''ایسے نہیں بولو، کوئی احسان نہیں، یہ ہمارا فرض تھا۔'' حمت نے بے ساختہ اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا، کومے اس کی محبت کے سامنے بے بس ہو گئی تھی۔

''مجھے بس اپنی خیریت کی گھر اطلاع دینی تھی، میرے گھر والے تو جیتے جی مر جائیں گے، اتنے دنوں سے لاپتہ ہوں۔'' کومے نے تڑپ کر اپنی بے قراری کی وجہ بتائی تھی، حمت نے دکھی سی آہ بھری۔

''لالہ کو پیغام دے دیا تھا، کہہ رہے تھے، تمہارے گھر اطلاع کر دیں گے اور جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتی یہیں رہو گی۔''

''ہاں، بس اطلاع تو کر دیں، کم از کم خالہ اور بھائی کو آسرا تو ہو، جانتی ہو نا، میری خالہ بیمار ہیں اور بھائی بستر پہ، کوئی میرے پیچھے نہیں آ سکتا مگر میری خیریت تو ان تک پہنچ جائے نا۔'' کومے نے بے قراری سے کہا تھا۔

''تم فکر نہ کرو، لالہ نے وعدہ کیا ہے تو ضرور پورا کریں گے۔'' حمت نے اسے تسلی دی تھی۔

''میں تم لوگوں کا یہ احسان......؟'' کومے فرط جذبات سے رونے لگی تھی۔

''پھر احسان؟'' حمت نے ناراضگی سے کہا تھا، ڈریسنگ ہو چکی تو وہ ہاتھ دھونے واش روم میں چلی گئی تھی، باہر آئی تو کومے سے نرمی کے ساتھ تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''تمہارا خیال رکھنا، کوئی احسان نہیں، ہمارے لئے اعزاز ہے، اگر سمجھ سکو تو، اب تم لیٹ جاؤ، میں ناشتہ لا رہی ہوں۔'' وہ ملائمت سے بولتی ہوئی گیسٹ روم سے نکل گئی تھی، باہر آئی تو سعادت خان منتظر کھڑا تھا۔

''خاناں بلا رہے ہیں۔'' حمت نے جلدی سے باکس کیبنٹ میں رکھا اور رہائشی حصے کی طرف آ گئی۔

خان اس کا منتظر تھا، اخروٹی رنگ کے لباس میں، بال نفاست سے بنائے، چہرے پہ تازہ شیو کی نیلاہٹیں لئے بے پناہ وجیہہ خان بنو محل کا حقیقی سردار لگتا تھا، وہی کروفر، وہی رعب، وہی دبدبہ، وہی جلال۔

''جی لالہ!'' وہ دل ہی دل میں ماشاء اللہ بولتی اندر آ گئی تھی۔

''آں ہاں، کیسی ہو حمت؟''

وہ مطلب کی بات تک آنے سے پہلے اخلاقاً بولا تھا، حمت تو بس غش کھانے لگی تھی، لالہ اور اس کا حال احوال پوچھیں، مقام حیرت تھی، مگر اب وہ حیرتوں کے ان جھٹکوں سے سنبھلنے لگی تھی،

کیونکہ لالہ دن بدن اس پہ مہربان ہوئے جا رہے تھے، جانے حمت کے نصیب اس بانصیب لڑکی کے طفیل کھلنے والے تھے؟ شاید بدنصیب حمت کے دن پھرنے والے تھے؟

''میں ٹھیک ہوں لالہ!'' اس نے گھبرا کر جواب دیا تھا۔

''کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟''

''نہیں لالہ! سب کچھ میسر ہے۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''مہمان لڑکی کے زخم کیسے ہیں؟''

''پہلے سے بہتر ہیں، وہ وادی میں جانے کو مچلتی ہے۔'' حمت نے اگلے الفاظ نے صندیر خان کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا اور حمت اسے مسکراتا دیکھ کر بے ہوش ہونے والی تھی۔

''اللہ اللہ، اس لڑکی کی کرامات؟ لالہ اور مسکرا رہے؟'' حمت نے دل پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''اس سے کہنا اسے اتنی جلدی کیا ہے؟ یہ پربتوں کی شہزادیاں مہمانوں کو اپنے فسوں میں جکڑ لیتی ہیں ہمیشہ کے لئے اپنا اسیر کر لیتی ہیں، اسے کہو اتنی جلد بازی سے کام نہ لے۔'' اس کا انداز بھرپور معنی خیز تھا، حمت کے کچھ بھی پلے نہیں پڑا تھا، وہ ہونقوں کی طرح بس سر ہلاتی رہی۔

''وہ کہتی ہے، یہ جنت کا کوئی حسین خطہ ہے، یہ وادی اسے قید کر رہی ہے۔'' حمت نے سادگی سے کومے کے تاثرات اور خیالات بتائے تھے۔

''اسے کہو، قیدی بننے کے لئے تیار رہے، پربتوں کی وادیاں اپنے قیدیوں کو رہائی کا کوئی موقع نہیں دیتیں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر قاتلانہ مسکرایا تھا اور حمت نے دل ہی دل میں نظر اتاری۔

''لالہ کی مسکراہٹ کتنی ظالمانہ ہے، تبھی تو لالہ مسکراتے نہیں۔''

''اور تمہیں پریشان تو نہیں کر رہی، الٹے سیدھے سوال کر کے؟'' اسے اچانک کچھ یاد آیا تھا۔

''نہیں لالہ! مگر اسے افسوس ہے، اتنے ڈوپر سوپر ہٹ میں فون کال کی سہولت تک نہیں۔''

حمت نے سادگی سے مہمان لڑکی کا شکوہ ہٹ کے مالک تک پہنچا دیا تھا، صندیر خان کان کھجا تا رہ گیا، اس نے از خود سارے کنکشن ختم کروائے تھے، حمت بے چاری کو کیا معلوم؟

''اس کا شکوہ بجا ہے، کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اس لئے۔''

''لالہ! اس کے گھر والوں کو اطلاع......'' اسے اٹھتا دیکھ کر حمت نے سرعت سے یاد دلانے کی کوشش کرنی چاہی تھی، صندیر خان جاتے جاتے لمحہ بھر کے لئے رک گیا تھا اور پھر پلٹے بنا نرمی سے مسکرایا۔

''یہ اطلاع تو ان پہ ادھار ہے۔''

''جی لالہ، میں سمجھی نہیں۔'' حمت ہونق ہوئی تھی، صندیر خان سابقہ انداز میں ہی مسکرایا تھا۔

''تم نہیں سمجھ سکتی، اس لئے اپنی سمجھ کو کچھ مت کہو۔''

''جی لالہ۔'' اس نے تابعداری سے سر جھکا دیا تھا۔

''گڈ گرل۔'' صندیر خان ذرا دیر کے لئے مڑ کر اس کی طرف آیا تھا، پھر اس کا سر تھپتھپا کر باہر نکل گیا، جبکہ حمت کی ایسی پذیرائی پر آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

وہ صدیوں سے اس عزت، اس محبت کے لئے ترستی آئی تھی۔

بڑمحل والوں کے پاس سب کچھ تھا، مگر حمت کے لئے دو لفظ محبت کے نہیں تھے اور شاید یہ اس لئے کہ وہ ''بھگوڑی'' ماں کی بیٹی تھی، بھگوڑی عورتوں کے لئے بڑمحل میں کوئی جگہ نہیں تھی، آج لگتا تھا، وہ پور پور سیراب ہوگئی ہے، شاید اس خوش نصیب لڑکی کی طفیل اس بدنصیب لڑکی کا نصیبہ بھی چمکنے والا تھا، حمت پہ شاید وقت بدلنے والا تھا۔

☆☆☆

لمحہ بھر کے لئے نیل بر ساکت ہوئی تھی اور پھر جانے اسے کیا ہوا، جہاندار کے کشادہ بازوؤں کی پناہوں میں اچانک بلک اٹھی تھی۔

جہاندار اس افتاد پہ تیار نہیں تھا، اچانک گھبرا اٹھا اور پھر بے ساختہ اس کے بال اور شانہ سہلاتا چپ کروانے لگا اور یہ سب قطعاً غیر ارادتاً تھا۔

شاید اس کے (سرپرائز) نے نیل بر کو ڈرا دیا تھا، وہ یکایک کسی موم کی طرح پگھل کر نرم ہو گیا تھا، شاید ماحول کا اثر تھا، یا لمحات کا فسوں، وہ جذبات کے طلاطم میں بہنے لگا۔

''اے نیل بر! چپ کر جا۔'' اس کی آواز نرم سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

''لگتا ہے سرپرائز کچھ زیادہ ہی خوفناک ہو گیا، مجھے لائٹس آف نہیں کرنا چاہیے تھی، اچھا سوری۔'' اس نے اپنا سر نیل بر کے سر سے ٹکرایا تھا، نیل بر کی سسکاریاں کچھ اور لمبی ہوئیں۔

''ارے، ویسے تو بڑی بہادر اور پھنے خان بنتی ہو، ذرا سے اندھیرے میں ڈر گئیں۔'' جہاندار اس کے رونے پر زچ ہوتے ہوئے بولا تھا۔

''چپ کر جاؤ یار! آئندہ سے میری توبہ، تمہیں کینڈل لائٹ سرپرائز دوں تو۔'' اس نے نیل بر کے دونوں کان پکڑ کر کھینچے تو اس دفعہ نیل بر بے ساختہ مسکرا دی تھی اور پھر موجودہ پوزیشن دیکھتی کتنی ہی دیر شرمندہ رہی، جہاندار کے بازوؤں کا حصار توڑنا چاہا تو ناکامی ہوئی، اب کہ ذرا جھنجلا کر نیل بر نے کہا تھا۔

''تم تو جیسے بہانے کے منتظر تھے، چھوڑو مجھے۔'' وہ تھوڑا زچ ہوتی ہوئی کسمسائی تھی، جہاندار نے گرفت کو ذرا اور کسا تو وہ بلبلا اٹھی۔

''جہاندار!'' نیل بر چلائی تھی۔

''آں ہاں، میں تو بہانے کا ہی منتظر تھا۔'' اس نے نیل بر کو جھٹکا دے کر خود سے قریب کر لیا۔

''اب ذرا سن لو میری بھی کہانی۔'' وہ دھیمی بوجھل آواز میں مسکرایا تھا۔

''مجھے تمہارے قریب آنے کے لئے ''بہانوں'' کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کا انداز گمبھیر تھا، دل میں اترتا ہوا، نیل بر کی دھڑکنوں میں بے ربط قسم کا شور اٹھا تھا، وہ گھبرائی، کسمسائی۔

''اب اس سرپرائز کا خراج لو گے؟''

''عقل مند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔'' اس کا انداز معنی خیز قسم کا ہو گیا۔

''آخر آپ کی سالگرہ کو یاد رکھا اور سیلیبریٹ بھی کر دیا۔'' وہ اسے بازو کے حلقے میں تھام کر باہر لے آیا تھا، اندھیرے میں ڈوبا ہال اب روشن تھا۔

دھول گرد سے اٹے ہال کے بیچ چھوٹی تپائی پہ ایک مزیدار کیک رکھا تھا، کیک پہ بتیاں روشن تھیں، ساتھ کھانے کے لوازمات تھے اور سب سے زیادہ اٹریکٹو گلابوں کا بوکے، نیل بر کی حسین آنکھیں جگمگانے لگی تھیں، اسے خواب کا سا گمان ہوا۔

''یقین نہیں آ رہا نا؟'' اس کے تاثرات نوٹ کرتا جہاندار نرمی سے مسکرایا تھا۔

''مجھے بھی یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب میں کر رہا ہوں، جو میری پلاننگ میں شامل نہیں، میں وہ بھی کر رہا ہوں، جو میرے منصوبے کا حصہ نہیں تھا۔'' وہ دھیمی آواز میں بولتا ہوا اسے تپائی تک لے آیا تھا۔

''تم نے بھی دھول مٹی سے اٹے ہال میں ایسی شاندار سالگرہ نہیں منائی ہو گی، مگر تمہیں یہ سالگرہ ہمیشہ یاد رہے گی۔''

جہاندار نے چھری اس کے ہاتھ میں پکڑائی تھی اور نیل بر نے اسی کھوئے کھوئے غائبانہ انداز میں کیک پہ چھری پھیر دی، جہاندار نے سالگرہ کا اتنا خوبصورت نغمہ پڑھا کہ نیل بر ہکا بکا رہ گئی۔

''تو تم کیا تمہیں سنگنگ بھی آتی ہے؟'' اس نے اپنی حیرت پہ قابو پاتے ہوئے بے ساختہ پوچھا تھا۔

''مجھے تو اور بھی بہت کچھ آتا ہے، میرے جوہر تم پر آہستہ آہستہ کھلیں گے۔'' نیل بر کے ہاتھ سے کیک کا ٹکڑا زبردستی لے کر اپنے منہ میں رکھتے ہوئے وہ اس کی حیران آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔

کیک کٹنے کے بعد جہاندار نے اسے سرخ گلابوں کا گلدستہ دیا تھا، یہ تازہ خوشبو دار گلاب تھے، نہایت مہکتے ہوئے، نیل بر کے اندر باہر گلابوں سا احساس جھلکنے لگا تھا۔

''یہ گلاب تمہیں کچھ احساس دلائیں گے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بالائی منزل کی طرف جا رہا تھا، ڈھیروں وہ سیڑھیاں، خالی راہداریاں، سنسان حویلی، اور خالی کمرے۔

مگر نیل بر کے دل میں اس وقت کوئی خوف نہیں تھا، شاید جہاندار کی موجودگی کا اثر تھا، وہ اپنے دل میں ڈھیروں اطمینان اترتا محسوس کر رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں جہاندار نے زنگ آلود دروازے کی چٹخنی گرا کر ایک بند کمرے کا دروازہ کھولا تھا، یہ کمرہ سامان سے بھرا ہوا تھا اور سالوں سے بند ہونے کی وجہ سے عجیب سی بو ایک دم ناک کے نتھنوں میں گھس آئی تھی، نیل بر کے دل کی عجیب سی حالت ہونے لگی تھی، وہ ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کا گلاس پکڑے ایک ہاتھ میں نیل بر کی کلائی تھامے اندر آ گیا۔

یہ کمرہ کبھی ماسٹر بیڈ روم ہوا کرتا تھا، اپنے وقتوں کا بہترین فرنیچر، جالے اور دھول کی وجہ سے اپنی رنگت کھو رہا تھا، کمرے میں کچھ خاص تو نہیں تھا مگر ان تصویروں کے علاوہ، دیواروں پہ لگی بڑی بڑی تصویریں۔

ایک نہایت ہی خوبصورت جوان، گھوڑے پہ سوار تھا اور گھوڑے کے پاس کھڑا ایک لڑکا جو یقیناً جہاندار تھا، اور اس کے قریب ہی پتھر پہ بیٹھی شہزادیوں جیسی ایک لڑکی، نیل بر کی جمی نگاہیں محسوس کرتے ہوئے جہاندار نے اسے بتایا۔

''یہ ودھا ہے، جانتی ہو ودھا کون تھی؟''

جہاندار کے پوچھنے پر نیل بر نے اثبات میں سر ہلایا تھا، ودھا اور فرخزاد کو اتنا تو وہ جان ہی چکی تھی۔

''تمہاری چچا زاد بہن، گلفام خان کی پہلی بیوی سے اکلوتی اولاد اور صندیر خان کی بچپن کی منگ۔'' وہ اس کی کھلی آنکھوں میں جھانکتا زخمی انداز میں مسکرایا تھا۔

''یہ ایک بے جوڑ رشتہ تھا، کہاں ودھا اور کہاں صندیر، ودھا ایک جوان لڑکی اور صندیر لگ بھگ میری عمر کا تھا، لیکن تب بھی اتنا کم سنی میں ایسے ودھا پر ''حق ملکیت'' جتانے کا علم تھا، شاید اس لئے کہ تمہارے باپ کی جارحانہ برین واشنگ تھی اور ودھا اس وقت اپنی ننھیالی وسیع وعریض جاگیر کی اکلوتی وارث، سردار بٹو کبھی بھی اتنی لمبی جائیداد سے دستبردار ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اسی لئے اس نے صندیر خان اور ودھا کو بے جوڑ رشتے میں باندھ دیا تھا، جس پر اور تو کسی نے اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کی تھی مگر آواز وہاں سے بلند ہوئی جہاں سے تمہارے باپ کو امید ہی نہیں تھی، اس بے جوڑ رشتے پر ودھا کی سوتیلی ماں نے آواز اٹھا کر حویلی والوں کو اپنا دشمن بنالیا

''وہ عورت جانتی ہو کون تھی؟'' جہاندار بولتے ہوئے اپنی خون رنگ نظروں کا زاویہ بدلتا دھیمی آواز میں بولا، نیل بر کا بے ساختہ نفی میں سر ہلا۔

''حمت کی ماں، ودھا کی سوتیلی مگر با اصول ماں، جسے اس فیصلے سے ٹکرانے کے جرم میں روپوش کر دیا گیا۔''

(جاری ہے)

ماہ جولائی کا شمارہ ''عید نمبر'' ہوگا، قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی مصنفین سے ''عید سروے'' کا اہتمام کیا گیا ہے،

عید سروے کے سوالات:۔

۱۔ آپ کی زندگی میں وہ کون سی اہم ہستی ہے جس سے عید کے دن آپ ملنے کو بے قرار رہتے ہیں؟

۲۔ ہر خوشی کے موقع پر انسانی جذبات اپنی روٹین سے ہٹ کر کوئی انوکھی خواہش کرتا ہے، عید کے خوشیوں بھرے تہوار پر آپ کا دل ایسی کون سی خواہش کرتا ہے؟

۳۔ میٹھی عید کے دن آپ کون سی نمکین ڈش بنانا پسند کرتی ہیں؟

۴۔ عید کا چاند دیکھتے ہی کس چیز کا خیال پہلے آتا ہے، شیر خورمہ، بجنا سنورنا، یا کسی اہم ہستی سے ملنے کا خیال؟

۵۔ اگر آپ کو عید کا دن اپنی مرضی سے گزارنے کا کہا جائے، تو آپ یہ دن کیسے گزاریں گی اور کس کے ساتھ؟

۶۔ جو دل کا مکین ہے اس کے لئے کوئی ایک خوبصورت جملہ یا کوئی شعر؟

آپ سے گزارش ہے کہ آپ ان سوالات کے جوابات اٹھارہ جولائی تک بھجوا دیں شکریہ۔

تمثیلہ زاہد
WWW.PAKSOCIETY.COM

"آج کا ڈنر میری طرف سے ہے چل اٹھ اب تیار ہو بھی جا، سات بج رہے ہیں نو بجے سے پہلے گھر واپس پہنچنا ہے ورنہ پتا ہے نہ بڑے ابا کا، راشد اور بلال بھی آنے والے ہوں گے۔" وہ اس کے کمرے میں گھس کر اعلان کر رہا تھا۔

"تم لوگ چلے جاؤ میرا دل نہیں چاہ رہا۔" کتاب پر جھکا سر اس نے دھیرے سے اٹھا کر اکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور پھر جھکا لیا۔

"او...... پڑھا کو...... پڑھ لینا پھر...... مہینہ پڑا ہے تیرے امتحان میں مجھے دیکھ چار دن بعد پیپر ہے میرا لیکن نو ٹینشن، راوی اپنی زندگی میں چین ہی چین لکھتا ہے۔" وہ دونوں ٹانگیں پھیلائے بیڈ پر دراز ہو کر بولا تھا۔

"مجھے نہیں جانا بس۔" وہ اپنا کاغذ پر چلتا قلم روک کر بند کر چکا تھا، کتاب ایک طرف پٹخی تھی، مزید کچھ پڑھا نہیں جا رہا تھا، اس کا لہجہ قطعی تھا۔

"کیا بات ہے ہیرو، اتنا غصہ، کس بات کا ہے؟" وہ اس کی کتاب پٹخنے والی حرکت پر سٹپٹا کر بولا تھا، صبح جب وہ اس کے ساتھ شام کو جانے کا پروگرام طے کر رہا تھا تب تو وہ خاص جوش و خروش میں راضی تھا، اب اچانک اس خراب موڈ کی بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی وہ حیران ہوا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے منہ پھیرا تھا، انداز ٹالنے والا تھا۔

"کچھ تو ہے جو اپنے جگری دوست سے چھپا رہے ہو، دیکھ صرف کزن نہیں ہوں تیرا، دوست بھی ہیں ہم اور دوستوں سے کچھ چھپاتے نہیں۔" وہ اس کو جتلا رہا تھا، جس کی پیشانی پر بے شمار سلوٹیں تھیں وہ مستقل پہلو بدل رہا تھا۔

"اچھا پھر دوستی آزمائی جائے دیکھتے ہیں

مکمل ناول

تمہاری دوستی میں کتنا دم ہے؟''
''ضرور مگر بات تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔
''بس ہے ایک مسئلہ۔'' وہ پھر کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔
''آج تک ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا جس کا حل وقار کے پاس نہ ہو، مسئلہ بتا مسئلہ۔'' اس نے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی۔
''تم یہ بتاؤ شادی کرو گے؟''
''ہائیں...... شادی۔'' وہ حق دق ہو گیا تھا، وہ اسے شادی کرنے کا ایسے مشورہ دے رہا تھا جیسے گلاب جامن کھانے کو کہہ رہا ہو''لو میاں گلاب جامن کھاؤ گے، بہت مزے دار ہے''
''بولو نہ کرو گے شادی۔'' وہ اب اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''مانا کہ تم سے دو برس بڑا ہوں لیکن شادی وادی کی دردسری چھبیس سال کی عمر میں پالنا سراسر حماقت ہے، نہ کام نہ دھندا، پڑھائی تک مکمل نہیں اور یہ بیٹھے بٹھائے تم کو شادی کی کیا سوجھی؟ یہ معملات بڑے ابا تک ہی رہنے دو، اپنی پڑھائی پر توجہ دو، ہمارے خاندان کا تو سب سے لائق اور پڑھا کو لڑکا ہے کن چکروں میں ڈال رہا ہے۔'' وہ ناصحانہ انداز میں بول ہی رہا تھا کہ راشد اور بلال اس کے کمرے میں ایک ساتھ داخل ہوئے۔
''تم لوگ جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔'' وہ دونوں ہی ایک ساتھ بولے۔
''ویسے وقار بھائی کیا بات ہے اپنی پاکٹ منی کس خوشی میں جھونکی جا رہی ہے۔'' راشد کا انداز شریر وقار کو بھنانے کے لئے کافی تھا۔
''دل چاہ رہا تھا بس تم مفت خوروں کو کچھ کھلانے پلانے کا۔'' وقار چل کر بولا تھا۔

''اچھا ہم مفت خور ہیں جو پچھلے ہفتے آئس کریم کھلائی تھی وہ کس شاہ خرچ نے کھلائی تھی۔''
راشد نے برا منہ بنا کر جتلایا تھا۔
''کن مسئلوں میں الجھ رہے ہو بھائی، اب چلو بھی نو بجے سے پہلے بڑے ابا کے حکم کے مطابق گھر نہ پہنچے تو داخلہ ممنوع ہو جائے گا۔''
بلال نے ان سب کو جیسے یاد دلایا تھا۔
''پہلے ان کا مسئلہ تو حل کر دو یہ شادی کر رہے ہیں۔'' وقار نے ایک قہقہہ لگایا تھا۔
''دفع ہو جاؤ یہاں سے تم سب، میرا مسئلہ ہے میں خود ہی حل کر لوں گا سمجھے۔'' وہ زور سے دہاڑا تھا، سبکی کے احساس نے اس کے جذبات کو مجروح کیا تھا، اسے افسوس ہونے لگا کہ وقار کو اسے شریک راز کرنا ہی نہیں چاہیے تھا، وہ کچھ نہ ہی کہتا تو بہتر تھا۔
''معاف کر دے بھائی غلطی ہو گئی، برا نہ مان چل اب چھوڑ نا باہر چلتے ہیں۔'' وہ سچ مچ اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے اپنی نادانستہ ہونے والی حرکت پر شرمندہ ہو رہا تھا، راشد اور بلال بھی یہ سب حیران نظروں سے دیکھ رہے تھے، زیان نے وقار کو زور سے دھکا دے کر پیچھے کی طرف دھکیلا تھا۔
''بند کرو اپنا ڈرامہ میں کہیں نہیں جاؤں گا اور تم سب کے ساتھ تو ہرگز نہیں، اب مجھے اکیلا چھوڑ دو اور جاؤ یہاں سے۔'' وہ ان تینوں کو سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے برس رہا تھا، اس کے لفظوں کی شدت کچھ ہونے کا احساس دلا رہی تھیں، وہ ایسا بدمزاج تو ہرگز نہیں تھا، پھر ایسا کیا مسئلہ تھا جو اس کے وجود کو تلخ بنا رہا تھا، وہ تینوں اس کے جھڑکنے کے باوجود اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے تھے، پورا خاندان ان چاروں کی دوستی کی پختگی اور ایک دوسرے سے دیوانہ وار

محبت کا گواہ تھا، اس حالت میں اس طرح اسے چھوڑ کر جانا ان کے مان میں دراڑ ڈال سکتا تھا، وہ تینوں ایک دوسرے کو پرسوچ نظروں سے دیکھ رہے تھے، زیان نے اپنا رخ پھیرا ہوا تھا، راشد ایک قدم آگے بڑھا تھا۔

''کیا وقار بھائی صحیح کہہ رہے ہیں کہ......''

راشد نے جھجک کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تھا، وہ اب اس کے چہرے کے اترتے چڑھتے سائے دیکھ رہا تھا کچھ لمحے یوں ہی خاموشی کی نظر ہو گئے وہ سب اب بھی خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ زیان نے اپنا جھکا سر اٹھایا پھر بولا۔

''بڑے ابا میری شادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔'' اس کے لہجے میں اداسی تھی، تینوں نے ایک دوسرے کی طرف بے یقینی سے دیکھا تھا۔

☆☆☆

بعض اوقات انسان با اختیار ہوتے ہوئے بھی بے اختیار ہو جاتا ہے، وہ باشعور اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق رکھنے کے باوجود بے بسی کے اس مقام پر اس کا کھڑے ہونا اس کی مجبوری ہی تھی، ہائے یہ مجبوریاں، اپنی زندگی کا مالک ہوتے ہوئے بھی یوں محکوم ہونا، اس نے بھلا ایسا کب سوچا تھا زندگی یوں بدل جائے گی، لوگ بدل جائیں گے، اس کا مقام ہاں مقام بھی تو بدل گیا ہے۔

ایک خالی خالی سی نگاہ اس کی کمرے کے کھلے دروازے پر پڑی، اس کے قدم کمرے کی طرف بڑھنے لگے، کھڑکی پر نیٹ کے گلابی پردے ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے اڑتے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹ رہے تھے، شاید اس کی طرح رو رہے ہوں گے، اس نے نم آنکھوں سے کمرے کی شفاف دیواریں دیکھیں پھر قالین پر بچھی سفید چاندنی پر وہ بیٹھ کر کراہنے لگی، کمرے کی ہر شے گریہ زاری کر رہی تھی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کہ اچانک اپنے پیچھے آہٹ سن کر چپ ہو گئی، اس کے سر پر کسی نے دھیرے سے ہاتھ پھیرا تھا، اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔

''زویا بیٹا!'' لہجے میں شفقت ہی شفقت ٹپک رہی تھی۔

''جی چچا جان!'' وہ کھڑی ہو گئی تھی، گرتے ہوئے آنسوؤں کو اس نے اپنے چہرے سے صاف کیا تھا، ہتھیلیاں اس کے آنسوؤں سے بھیگ گئیں تھیں جسے اس نے مسلا۔

''یوں رو رو کر جان ہلکان مت کرو بیٹا، ہمت سے کام لو مشکل وقت ہے یہ کہنا آسان ہے مگر اللہ کی مصلحت ہم نادان انسان نہیں سمجھ سکتے، اپنے والدین کے درجات بلند کرنے کے لئے بہت دعائیں کیا کرو، تمہارے رونے سے انہیں تکلیف ہو گی، آہ...... اس حادثے نے تو ہمارا سب کچھ چھین لیا، کاش وہ کبھی یوں پردیس نہ جاتا، کاش یہ دوری ہمارے درمیان کبھی مائل نہ ہوتی، کاش اپنے بھائی سے...... ایک بار مل لیتا تو...... یہ کسک میری ساری زندگی کا مقدر نہ بنتی، کاش۔'' دکھ اور غم کی شدت سے نڈھال ایاز چوہدری تڑپ تڑپ کر رونے لگے، بھتیجی کو حوصلہ دیتے دیتے وہ خود اپنا حوصلہ ہار گئے تھے، دل میں چھپی چبھن بار بار جسم کے ساتھ روح کو بھی زخمی کر رہی تھی، کھو دینے کا احساس ان پر حاوی تھا، کمرے میں اب سسکیاں گونج رہی تھیں، چچا بھتیجی کے ساتھ اب کمرے کی دیواریں بھی غم کی شدت سے نڈھال تھیں۔

☆☆☆

''کون ہے وہ؟'' راشد نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

''صالحہ پھپھو کی بیٹی۔'' زیان کا منہ بدستور لٹکا ہوا تھا، تینوں اب ہونے والی گفتگو کا مزہ لے رہے تھے، بات ہی ایسی دلچسپ اور عجیب تھی، خاندان میں سب لڑکے ہی لڑکے تھے، کسی صنف نازک کا ذکر اس نوجوان ٹولے کے لئے باعث کشش ہی تھا، البتہ وقار کو راشد کا یوں متجسس ہونا زہر لگ رہا تھا، وہ اس معاملے میں سنجیدہ نظر آرہا تھا، اس لئے بھی کہ عمر میں بڑا تھا۔

''تو کیا ہوا پھر...... برائی کیا ہے؟'' وقار شانے اچکاتے ہوئے بولا۔

''میں نے سنا ہے کراچی کی لڑکیاں تیز طرار اور خود پسند ہوتی ہیں اور خود اعتماد تو اس قدر ہوتی ہیں کہ لڑکوں کو منٹوں میں بے وقوف بنا لیں۔'' بلال اپنے دوست کی کہی بات یاد کرتے ہوئے بولا، جس کے خاندان کی کئی لڑکیاں کراچی رہتی تھیں اور وہ جب بھی کراچی جاتا کوئی نہ کوئی وہاں سے منسلک مزے دار قصہ چٹخارے لے لے کر بتاتا، وہاں لڑکیوں کی آزاد خیالی پر حیران بھی ہوتا۔

''مرد بن مرد، مردوں پر ایسی باتیں نہیں جچتی، گھوڑی کتنی ہی منہ زور کیوں نہ ہو مرد کو لگام دے کر رکھنا چاہیے۔'' وقار کو بلال کی باتوں پر غصہ سا آ گیا تھا، وہ اپنی مونچھوں کو ہلکا تاؤ دیتے ہوئے بولا تھا۔

''لیکن میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا اور مجھے کسی گھوڑی کو گدھی بنانے میں دلچسپی نہیں ہے اور صالحہ پھپھو کی بیٹی ہو یا کوئی اور...... مجھے صرف پڑھنا ہے اور بس پڑھنا ہے۔'' وہ بے زاری سے بولتا ہوا سراپا احتجاج بنا ہوا تھا، اس کی مسکین سی شکل پر وقار کو سچ مچ ترس آنے لگا۔

''نہیں کرنا شادی تو انکار کر دو۔'' راشد اسے بچوں کی طرح مچلتے دیکھ کر جل کر بولا تھا، جو مستقل ایک ہی رٹ لگا رہا تھا۔

''بڑے ابا کو انکار...... نہ بابا۔'' زیان نے کانوں کو ہاتھ لگا کر نفی میں گردن ہلائی، بڑے ابا کی ہاتھ کی چھڑی اسے تصور ہی تصور میں اپنی پیٹھ پر برستی دکھائی دے رہی تھی وہ تو ان کے قہر کو سوچ کر ہی بدکنے لگا تھا۔

''کیا بڑے ابا نے تم سے خود بات کی ہے؟'' وقار اب زیان سے پوچھ رہا تھا، اسے اب بھی اس بات کی صداقت پر یقین نہ تھا۔

''نہیں اماں نے آج مجھے بتایا ہے انہوں نے بڑے ابا کو بابا سے بات کرتے ہوئے سنا تھا، وہ بابا کو کراچی جانے سے پہلے کچھ ہدایات دیتے ہوئے یہ بھی بتا رہے تھے کہ ان کا ارادہ اپنی اکلوتی نواسی کا رشتہ مجھ سے کرنے کا ارادہ ہے اور وہ یہ اعلان بہت جلد کرنے والے ہیں وہ خود اس خبر سے بے حد پریشان ہیں، بابا نے اماں کو کچھ نہیں بتایا۔''

''لو جی کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔'' راشد نے با آواز بلند کہا۔

''کیا مطلب؟'' بلال چونک کر بولا۔

''یار تائی اماں کو ساتھ کھڑے بندے کی بات تو سمجھ میں نہیں آتی، اگلے کمرے میں ہونے والی باتیں انہوں نے کیسے صاف صاف سن لیں اور یہ بھی ممکن ہے وہ اپنی اکلوتی نواسی کے لئے زیان کے بجائے کسی اور کا انتخاب کریں۔'' راشد نے بات کو ایک نیا رخ دیا۔

''جو ہوگا دیکھا جائے گا، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونے میں زیادہ دن نہیں لگیں گے، جو ہوگا خود سامنے آ جائے گا، ابھی تایا جان کی اچانک موت پر بڑے ابا کو شدید صدمہ ہے۔''

وقار نے زیان کا کندھا تھپکا اور تسلی دی۔

''لیکن اگر واقعی ایسا ہی ہوا تو بڑے ابا کو تو فیصلہ سنانے کی عادت ہے وہ کب کسی کی رائے طلب کرتے ہیں۔'' زیان کا دماغ پھر منتشر ہونے لگا۔

''اگر ایسا ہوا تو میں بات کروں گا۔'' وقار اب چڑ کر بولا تھا، زیان کی سوئی گھوم پھر کر وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''سچ میں وقار بھائی۔'' اس کو وقار کی بات سے کچھ ڈھارس ملی۔

''ویسے یہ کام وقار بھائی ہی کر سکتے ہیں، ایسی جرأت اور بہادری کسی اور میں کہاں۔'' بلال نے وقار کی نڈر طبیعت کو سراہتے ہوئے کہا۔

''میں تم بندروں کی طرح بزدل نہیں۔'' وقار نے اب اپنے پھولے سینے کے ساتھ فرضی کالر جھاڑا، اندر سے وہ ان سب کی طرح بڑے ابا سے ڈرتا ہی تھا۔

''وقار بھائی بی اے کے چار پیپر پچھلے تین سال سے جو اٹکے ہوئے ہیں وہ کب بہادری سے دے رہے ہیں۔'' راشد نے اب وقار کی نالائقی کو نشانہ بنایا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل کر اس کی طرف لپکا۔

☆☆☆

ستارا ڈھونڈنا ہے\
ستاروں سے بھرے اس آسماں کی وسعتوں میں\
مجھے اپنا ستارا ڈھونڈنا ہے\
فلک پر کہکشاں در کہکشاں اک بے کرانی ہے\
نہ اس کا نام ہے معلوم، ناں کوئی نشانی ہے\
بس اتنا یاد ہے مجھ کو\
ازل کی صبح جب سارے ستارے\
الوداعی گفتگو کرتے ہوئے رستوں پہ نکلے تھے\
تو اس کی آنکھ میں اک اور تارا جھلملایا تھا\
اسی تارے کی صورت کا\
مری بھیگی ہوئی آنکھوں میں بھی اک خواب رہتا ہے\
میں اپنے آنسوؤں میں اپنے خوابوں کو سجاتا ہوں\
اور اس کی راہ تکتا ہوں\
سنا ہے گمشدہ چیزیں\
جہاں پہ کھوئی جاتی ہیں\
وہیں سے مل بھی جاتی ہیں\
مجھے اپنا ستارا ڈھونڈنا ہے

اس شہر کا موسم بہت گرم تھا، سنا تھا یہاں کا مزاج معتدل ہوتا ہی نہیں ہے یا تو بہت گرم رہتا ہے یا بہت سرد، وہ اس قدر شدت پسندی کی عادی نہ تھی، موسم کی یہ شدتیں خود اس کے مزاج پر اب کیسا اثر چھوڑنے والی ہیں وہ اس سے قطعی لاعلم تھی، اس نے ایک لمبی گہری سانس اس اجنبی شہر میں لی تھی، چچا جان اس کا سامان ایک گاڑی میں رکھ رہے تھے، دوسری گاڑی میں اب وہ اور چچا بیٹھے سفر کر رہے تھے، دونوں کے درمیان خاموشی تھی ایک گہری خاموشی، وہ شفاف آسماں کو دیکھ کر کچھ کھوجنے لگی۔

''مما جانی آپ میرے نانا کے پاس ملنے کب جائیں گی۔'' آٹھ برس کی ننھی زویا اپنا اسکول کا ہوم ورک کرتے کرتے اچانک سر اٹھا کر کئی دفعہ کا کیا سوال دہراتے ہوئے بولی، صالحہ کا سبزی کاٹتا ہوا ہاتھ اچانک رک سا گیا، ماتھے پر کئی سلوٹیں ابھر آئیں، آنکھوں میں سرد مہری اور دکھ کی نمی چھلکنے لگی، یقیناً آج کسی دوست کے نانا دادا جیسے رشتوں سے ملی ہوگی۔

''معلوم نہیں۔'' اس نے سبزی مزید تیزی سے کاٹنا شروع کر دی۔

''مما جانی بتائیں نا آپ نانا جانی سے سے پیار کرتی ہیں نہ اچھا'' ''اور دادا جی۔''

''فضول سوال کر کے مجھے تنگ مت کرو، وہ نہیں ملنا چاہتے ہم سے، اب مما کو پریشان نہ کرو بیٹا۔'' صالحہ کا گلا رندھنے لگا، وہ اس موضوع سے جتنا دور جاتی زویا اسے کھینچ کر لے آتی وہ اپنی دوستوں سے جڑے قریبی رشتوں کو حیرت سے دیکھتی پھر آگے سوال کرتی وہ اتنا تو جانتی تھی کہ اس کے نانا دادا چچا چچی ہیں، کہاں ہیں؟ وہ کیوں ان سے نہیں ملتے، صالحہ ان سوالوں کے جواب پر بس رونے لگتی اور وہ سہم کر چپ ہو جاتی۔

''مما آپ نہ روئیں میں آپ سے اب نہیں پوچھوں گی۔'' صالحہ نے زویا کی معصومیت پر اسے زور سے گلے لگا کر بھینچا تھا، وہ بے حد حساس تھی اور اپنی بچی کے احساسات کو یوں روندنا صالحہ کو کئی کئی دن تڑپاتا رہتا، بعض اوقات وہ بستر سے لگ جاتی کئی کئی دن چھت گھورتی رہتی، گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ بڑے سے آہنی گیٹ کے سامنے رکی تھی، اس نے سختی سے اپنی نم آنکھیں رگڑ ڈالیں، وہ خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی، اپنی یادداشت کو ٹٹولتا اس کا دل اب بری طرح دھڑک رہا تھا۔

گاڑی آہنی گیٹ کے اندر اب داخل ہو رہی تھی اس نے کرب سے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ وقت اسے سالم نگل جائے گا، اس لمحے وہ محبت اور نفرت کے درمیان کھڑی تھی، اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، یہ کیسا دور آیا تھا، جس پر نصیب نے اسے لا کھڑا کیا تھا۔

☆☆☆

''واٹ اے سرپرائز...... آپ سے مل کر خوشی ہوئی...... مجھے بلال چوہدری کہتے ہیں۔''

وہ گاڑی سے اتر کر چچا جان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے لان عبور کر کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ اچانک بلال سامنے آ گیا جو اس سے بے تکلف انداز میں مخاطب ہو کر اپنا ہاتھ بڑھا رہا تھا وہ کچھ دیر اسے خائف نظروں سے سر سے پیر تک دیکھتی رہی، پھر بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئی، اس کی ماتھے پر آئی بے شمار سلوٹوں اور آنکھوں میں خفگی دیکھ کر بلال ٹپٹا گیا تھا، اپنا بڑھا ہاتھ اس نے شرمندہ سا ہو کر اپنی جیبوں میں ٹھونس لیا، اسے اب غصہ آ رہا تھا یونہی بلاوجہ بے تکلف ہونے پر۔

وہ اب سفید چادر میں لپٹی زویا کو اندرونی دروازے کے اندر داخل ہوتے دیکھ رہا تھا، وہ ابھی بھی صدمے کی کیفیت میں کھڑا تھا کہ عقب سے آئی آواز نے اسے اپنے حواسوں میں آنے پر مجبور کر دیا۔

''ہو گئی تسلی، بڑا آیا تمیں مار خان، بڑا آیا جھنڈا گاڑنے......'' راشد اس کی نقل اتارتے ہوئے بول رہا تھا کچھ دیر پہلے وہ چاروں لان میں کھڑے ہو کر گاڑی کو گھر کے اندر داخل ہوتے دیکھ چکے تھے، بلال جس کا خیال تھا کہ آنے والی لڑکی یقیناً آزاد خیال ہو گی مگر اس کی بے تکلفی دھری کی دھری رہ گئی۔

تینوں اس کے ماتھے پر آئے پسینے کو دیکھ کر اب قہقہے لگا رہے تھے جو اس لڑکی کی سرد مہری سے اس کے ماتھے پر آیا تھا، وہ لڑکی ان سب کی امید کے برعکس ہی ہو گئی تھی، بڑی سی چادر نے ان کے تصور میں آئی جینز اور شرٹ پر بھی پانی پھیر دیا تھا، اس لڑکی میں ایک عجیب سحر تھا جو کوئی آگے بڑھنے کی جسارت نہیں کر رہا تھا، اب راشد حالات کا جائزہ لینے اندر بڑھا۔

''السلام علیکم!''

وہ چچا جان کے ہمراہ کچھ نروس سی کمرے میں داخل ہو کر دھیرے سے بیڈ پر دراز آنکھیں

مونڈے بڑے ابا سے بولی تھی، چچا جان نے بڑے ابا کی خراب طبیعت کا راستے میں ہی ذکر کر دیا تھا، وہ آہستہ آہستہ کروٹ لے کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگے تھے، چچا جان نے انہیں آگے بڑھ کر اٹھنے میں مدد دی تھی، زویا کے وجود پر نہ جانے کتنے پتھر دھڑ دھڑ کر کے گرنے لگے تھے، ایک ایک پتھر اسے اتنی ہی تکلیف دے رہے تھے جیسے اس کے وجود کو ٹکڑوں میں تقسیم کر رہا ہو، ہر اعضاء بلبلا رہا تھا، چیخ رہا تھا شور مچا رہا تھا، یہ وہی بڑے ابا تھے جن کے ذکر پر اس کی ماں ڈھیروں آنسو بہا دیا کرتی تھیں، نہ جانے وہ کون سی بات تھی جس نے ایک باپ کو اس کے بیٹے اور اس کی اولاد سے دور کر دیا تھا، بابا بہت مضبوط اعصاب کے مالک تھے، اس نے بھی اپنے بابا کو پریشان ہوتے نہ دیکھا تھا، لیکن ماں شاید اپنی اولاد کو دیکھ کر رشتوں کی کمی کے احساس تلے کڑھتی رہتی تھیں، لیکن لب سے کچھ نہ کہتی تھیں۔

''ادھر آؤ بھئی میرے پاس۔'' بڑے ابا نے نقاہت سے کہا اور اپنے ہاتھ پھیلائے وہ ان کی حالت دیکھ کر قریب آگئی اور اپنا سر جھکا لیا جس پر انہوں نے اپنے نحیف ہاتھوں سے ہاتھ پھیرا تھا، وہ اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہے تھے۔

''ان ہاتھوں کے لمس کو پانے کی حسرت یقیناً بابا اور ماما کو بھی تو ہوتی ہوگی۔'' اس نے نم آنکھوں سے سوچا، یہ وہ لمس ہے جسے پانے کی اسے نہ جانے کتنی حسرت تھی، لیکن اس لمس کو پا کر وہ کسی محبت کی حدت کو محسوس کرنے سے قاصر تھی، ماں باپ کو کھو دینے کی محرومی کا احساس ہر احساس پر حاوی ہو رہا تھا، وہ بے حس بنی سر جھکائے کھڑی رہی، چچا جان نے بڑے ابا کو دھیرے سے لٹا دیا تھا، وہ اب اسے جانے کا اشارہ کر رہے تھے۔

''ابا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں آؤ بیٹا تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دیتا ہوں۔'' وہ کسی ربورٹ کی مانند سر ہلا کر چچا جان کے ہمراہ کمرے سے باہر نکلی تھی، بڑے سے ہال نما اس کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اسے جیسے صدیاں لگ گئیں، قدم من من بھاری ہو رہے تھے، یہ سب اس کے وارث تھے، وہ اپنے وارثوں کے درمیان ہی تو تھی لیکن پھر کیوں خود کو لاوارث محسوس کر رہی تھی، آنکھیں ٹھہرا آنسو سوال کا جواب نہ پا کر چھلک کر زمین بوس ہو گیا تھا۔

☆☆☆

نواز علی چوہدری کا تعلق جاگیردارانہ طبقے سے ضرور تھا لیکن دل علم کی شمع سے روشن اور دماغ روایتی شدت پسندی کا شکار تھا، نواز علی کے تین بیٹے فیاض چوہدری، ایاز چوہدری اور ریاض چوہدری تھے، فیاض کی طبیعت بچپن سے ہی غیر ذمہ دارانہ تھی، آٹھویں جماعت میں بہ مشکل پاس ہونے پر نواز علی چوہدری غیض وغضب کا شکار ہو گئے، چھوٹے دونوں بیٹے لائق فائق تھے، لیکن نواز کا دھیان کھیل کود میں ہی لگا رہتا تھا، نواز چوہدری اس کی پیٹھ اپنی چھڑی سے رنگین کر دیتے، کسی کو ان کا ہاتھ روکنے کی جرأت نہ تھی، پھر وہ اسے لاہور سے کراچی ہوسٹل میں داخل کروا کر آگئے، ان کا خیال تھا یہاں کا ڈسپلن اور سخت ماحول فیاض کو پڑھنے کی طرف نہ صرف راغب کر دے گا بلکہ اس کا دھیان کھیل کود سے بھی ہٹ جائے گا، سال میں ایک بار فیاض چھٹیوں میں ملنے آتا تھا، چھٹیوں کا وہ ایک ہفتہ بھی نواز چوہدری کے سخت پہرہ میں کٹتا تھا، باپ کے لئے فیاض کے دل میں ہمیشہ ایک نفرت کا احساس رہتا تھا، وہ آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ پڑھائی میں تو بہتر ہو گیا لیکن گھر اور ماں باپ بھائی کی دوری نے اسے ضدی اور خودسر بنا

ڈالا تھا، اب وہ چھٹیوں میں بھی نہیں آتا تھا، وہ کالج سے یونیورسٹی پہنچ گیا، چار سال تک جب وہ گھر نہ آیا تو نواز علی چوہدری خود کراچی اچانک پہنچ گئے جہاں فیاض چوہدری یونیورسٹی کی کینٹین میں صالحہ کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا، صنف نازک سے بے تکلفی ان کے خاندان کے اصول و ضوابط کا حصہ نہ تھے، بلکہ یہ تو جرم تھا، ایک قہر آلود نظر کے ساتھ بھری کینٹین میں نواز علی چوہدری نے فیاض چوہدری کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹا تھا، اسی طرح وہ اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لاہور لے آئے، گھر آتے ہی اس کی پیٹھ پر نواز علی نے ویسے ہی چھڑی ماری جیسے بچپن میں مارا کرتے تھے۔

''کیوں لائے ہیں مجھے یہاں۔'' وہ خشک لہجے میں بول رہا تھا۔

''اپنی حد میں رہ کر بات کرو فیاض، کون تھی وہ لڑکی؟'' ان کا لہجہ غضب ناک تھا۔

''میری کلاس فیلو ہے۔'' وہ مکمل اعتماد سے بولے نواز علی بیٹے کے لہجے پر بپھر گئے تھے۔

''کیا کلاس میں لڑکے نہیں جو ایک لڑکی سے دوستی......''

''بابا پلیز اس کے بارے میں ایک لفظ نہیں بولئے گا وہ ایک شریف لڑکی ہے۔'' فیاض اپنے باپ کی جاگیر درانہ منفی سوچ سے واقف تھا، فوراً بات کاٹ کر بولا۔

''یعنی جس بات کا مجھے شک تھا اونہہ، کیا حیثیت ہے اس دو ٹکے کی لڑکی کی جو اپنے ماں باپ کی عزت تمہارے ساتھ بھرے بازار میں بیٹھ کر خراب کر رہی ہے، جانتے ہو ہم نے تمہاری نسبت بچپن سے اپنی بہن کی بیٹی سے منسوب کر رکھی ہے، بس اب ختم پڑھائی لکھائی سنبھالو اپنی زمینیں میں کل ہی بات کرتا ہوں ہم تمہارا اسی ہفتے نکاح کریں گے۔''

وہ صالحہ کے ساتھ کسی ایسی دلی وابستگی میں مبتلا نہ تھا، وہ تو بس اس کی ایک کلاس فیلو تھی، آن کے آن نواز علی کے بدلے تیور ان کی منفی سوچیں فیاض کو منفی رخ پر سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں، وہ جذباتی انسان نہیں تھا، ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک شخص تھا لیکن بات اب اس کی ضد اور انا کی تھی، جس کو اس کے والدین پیروں تلے روند رہے تھے، وہ اس کی پاکیزہ شخصیت کو داغ دار کر رہے تھے، وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں، عورت کی عزت اور تکریم ان کو اولین ترجیح ہے انہوں نے ایسا کیسے سوچ لیا کہ...... فیاض کی رگیں تن گئیں، وہ مزید کچھ اور سنے بغیر خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گیا اور نواز علی اس کی اس خاموشی کو اقرار سمجھ بیٹھے، لیکن وہ اس دبے طوفان کا دوسرا رخ نہیں دیکھ رہے تھے، جس کی زد میں پورا خاندان آنے والا تھا، نواز علی نے دوسرے دن بہن کو فون کر کے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا، سب ہی اس فیصلے پر بہ خوش راضی ہو گئے، نکاح کی تیاریاں ہونے لگیں، فیاض کی ماں اس کے بجھے خاموش لبوں کو دیکھ کر اسے بولنے پہ اکساتی لیکن فیاض نے لبوں پہ قفل ڈال لیا تھا، وہ بنا کچھ کہے اپنے کمرے میں پڑا رہتا، نواز علی کو اس بات سے کوئی غرض نہ تھی، نواز علی کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی، فیاض بھی ماں کو جانتا تھا، جس کا کردار گھر میں ایک ثانوی حیثیت رکھتا تھا، نواز علی اپنی بیگم کو برابر والی کرسی پر تو بٹھا سکتے تھے لیکن فیصلہ کرنے اور سنانے کا اختیار صرف نواز علی کو حاصل تھا، رائے دینے کا اختیار کسی کو حاصل نہ تھا، اس کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا، اس لئے سب خاموش تھے، نکاح کا دن بھی آ گیا۔

''بھائی جی اپنے کمرے میں نہیں یہ خط ہے۔'' ایاز کہہ رہا تھا اور نواز علی کے برابر کھڑی نزہت بیگم کو اپنے قدموں تلے زمین سرکتی محسوس ہو رہی تھی، ان کا لرزتا وجود بل کھا کر زمین بوس ہو گیا، ایاز ماں کو سنبھالنے کے لئے دوڑا تھا اور نواز علی نے ایاز کے ہاتھ سے گرا خط زمین سے اٹھایا تھا، گرم لہو کی گردش رگوں میں تیز تر ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

وہ دلہن بن کر بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، تیکھے تین نقش پر پارلر والی اسے کئی بار داد دے چکی تھی، آج تیرہ دلہنیں پارلر میں تیار ہو رہی تھیں، وہ ان سب سے الگ ہی الگ رہی تھی، اس نے کبھی اپنے چہرے کو سرخی پاؤڈر کی زینت نہ بنایا تھا، آج یہ روپ اس کے لئے بھی انوکھا روپ بن کر اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہا تھا، اس کا نمبر تیرہ تھا، اس تیرہ نمبر کی نحوست سے اسے سخت چڑھ تھی، دل تھا کہ وسوسے میں ڈوبا جا رہا تھا، پارلر والی کی تعریفیں بھی اسے اچھی نہیں لگ رہی تھیں، اس نے سن رکھا تھا تیرہ نمبر کوئی نہ کوئی نحوست لے کر آتا ہے اس نے کوشش بھی کی کہ اس کا نمبر جلد آ جائے یا بدل دیا جائے لیکن باری اسے تیرہ نمبر پر ہی ملی، بعض کی گئی کوششیں بھی بری طرح ناکام ہو جایا کرتی ہیں، اس نے جماعتیں بھی بارہ ہی پڑھ رکھی تھیں، وہ اپنے دو بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی بہن تھی چاہتی تو پڑھ سکتی تھی، گھر میں پڑھنے لکھنے کی پابندی بھی نہ تھی، پھر بھی نہ جانے کیوں اسے اس تیرہ نمبر سے ایسی چڑ تھی کہ بارہ جماعتیں پڑھنے کے بعد اس کا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا، وہ مکمل گھر داری سیکھنے لگی، آخر کو کام ان ہی چیزوں نے آنا تھا، وہ اپنی نسبت کا بھی جانتی تھی، گھر میں اس سے منسوب فیاض کے متعلق باتیں ہوتی رہتی تھیں، وہ کب کراچی گیا، کیا پڑھ رہا ہے، کب لاہور آیا؟ اس کی باتیں اس کے گھر میں گردش کرتی رہتی تھیں، وہ اپنا پلو تھامے فیاض کے تصور میں ڈوبی محبت کے ان جملوں کو اپنے تصور میں دہراتی رہتی جو آنے والے وقت میں فیاض نے اس کا ہاتھ تھام کر اس سے کہنے تھے، آج اس تیرہ نمبر کی دلہن نے اس کے سارے ارمانوں کو وسوسوں کی زد میں ڈال دیا تھا، وہ دلہن بنی نہ جانے کیا کیا سوچے جا رہی تھی، اس کے ساتھ آئی سہیلی بھی اسے دیکھ کر واری صدقے ہو رہی تھی۔

''آج تو فیاض بھائی کی خیر نہیں۔'' وہ اسے دیکھ کر شوخی سے بولی تو وہ مسکرانے لگی، اس کی گلابی رنگت فیاض کو تصور میں اپنے ہمراہ دیکھ کر اور گلابی ہو گئی تھی، اتنے میں اس کا بھائی اسے لینے آ گیا، وہ خاصا عجلت میں آیا تھا، بھائی کی فق رنگت دیکھ کر وہ ٹھٹکی ضرور تھی لیکن سہیلی کی موجودگی میں کچھ کہہ نہ سکی، اسے تب مزید حیرت ہوئی جب بھائی اسے ہوٹل کے بجائے گھر کی طرف لے جا رہا تھا، گھر پہنچ کر اس نے دیکھا سب ہی کے چہرے بجھے ہوئے ہیں، کچھ ہونے کا احساس اس کے دل کو دہلا رہا تھا، وہ اپنی ماں کی طرف بڑھی اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی، اس کی ماں نے دکھ کی شدت کے احساس تلے اس کی جھیل سی گہری سوالیہ آنکھوں کی طرف دیکھا تھا جہاں خوابوں کا ایک شہر آباد تھا۔

''چل بیٹا نکاح کو دیر ہو رہی ہے۔'' ماں کے لبوں کی جنبش اور اجنبیت کو وہ محسوس کرتے ہوئے بھی کہہ نہ سکی اور بھائیوں کے لٹکے چہروں کے درمیان وہ گاڑی میں گھر سے ہوٹل تک کا سفر کرنے لگی۔

وہ تابعداری، فرمانبرداری سے گندھی

طبیعت کی مالک تھی، آنے والے وقت کی طرف بجھی آنکھوں سے دیکھنے لگی، نہ جانے کاتب تقدیر نے اس کی زندگی میں کیا لکھ رکھا تھا، کچھ غلط ہو جانے کا احساس اس پر حاوی ہو رہا تھا اور پھر اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ زندگی خوابوں کا گھر نہیں پتھر کی راہ گزر ہے، ایک شہزادہ اور شہزادی کی کہانی نہیں بلکہ کئی کردار دکھ اور کرب بن کر زندگی میں وارد ہوتے ہیں، بعض مسلط بھی کر دیئے جاتے ہیں، کاتب تقدیر کا فیصلہ ہو چکا تھا نہ۔

''کیا آپ کو ایاز چوہدری ولد نواز علی چوہدری دو لاکھ حق مہر...... سے رشتہ...... قبول ہے...... قبول ہے...... یہ رشتہ...... قبول ہے...... قبول ہے۔'' لفظوں کا گھیرا اس کے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا، لفظ حلق میں گولہ بن کر اٹکے ہوئے تھے وہ گنگ بنی بیٹھی تھی، شور مچ رہا تھا، لوگ باتیں کر رہے تھے، عجیب و غریب باتیں، وہ سن رہی تھی، لیکن سمجھنے سے دماغ قاصر تھا۔

کاتب تقدیر نے تو فیصلہ سنا دیا تھا، یہ اس کا اپنا فیصلہ تو نہ تھا، قدرت کا فیصلہ تھا، وہ کیسے انکار کرے، ماں باپ کی عزت کیسے اچھالے، اس کا جسم تھرا رہا تھا، ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

''ہاں۔'' اس کی ماں نے چیخ سی تھی، وہ دونوں ہی اس اقرار پر لپٹ کر رونے لگیں۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے اپنے زوال کی طرف بڑھ رہی تھی، شاید یہ رات کا تیسرا پہر تھا، یہ وہی پہر تھا جس پل اٹھ کر زاہد اپنے تقویٰ کے راستے کی طرف بڑھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، تقویٰ کہ جس نے جتنا اختیار کیا عبد کے رستے کو پا لیا، پھر مادی شے کے حصول کی خواہش زائل ہونے لگتی ہیں وہ اس پہر اکثر اٹھ جایا کرتی ہیں، لیکن آج وہ تہجد کے اس پہر اٹھ کر سجدہ کیسے کرے، اس نے تو ساری رات پلکیں جھپکائے بغیر ہی گزار دی، اس پہر سجدہ کرنے کے لئے تو شرط ہے کہ آنکھ لگ جائے چاہے دو پل ہی کی کیوں نہ ہو، لیکن اس کی آنکھ تو لگی ہی نہیں، جھپکی تک نہیں، وہ یہ سجدہ کیسے کرے، اس کی پلکوں تلے ابھی بھی نمی باقی تھی، آنکھوں کے پپوٹے جل رہے تھے، آنکھوں کے آگے بس اک بھولا بسرہ چہرہ یاد آنے لگا تھا، وہ چہرہ جسے دل نے جانے کب سے فراموش کر ڈالا تھا، وہ چہرہ کسی اور شکل میں اب کے سامنے ہر پل رہنے والا تھا، وہ کیسے وہ ہنر تلاش کرے جسے اپنا کر وہ اپنے کرب کی شدت کو چہرے کی پرتوں میں چھپا لے۔

فجر کی اذانوں نے اس کے کمرے کے سکوت کو توڑا تھا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پوری اذان یکسوئی کے ساتھ سننے کی کوشش کرنے لگی، پھر سرعت کے ساتھ اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی، وہ فجر کی نماز کا وضو صحن میں جا کر پودوں کے درمیان کیا کرتی تھی، وضو کرنے کے بعد اس نے جائے نماز صحن میں ہی بچھائی یہ وہ مخصوص جگہ ہے جہاں وہ نماز پڑھتی ہے، ہمیشہ اسی ایک جگہ پر نماز پڑھنا اسے عجیب سا سرور عطا کرتا ہے، نماز کے دوران اسے کسی کے ہونے کا احساس محسوس ہوتا رہا لیکن وہ اپنی مکمل توجہ اپنی حسیات سے ہٹا کر نماز کی طرف لگانے کی سعی کرتی رہی، سلام پھیرنے کے بعد اس نے اپنے عقب میں دیکھا کہ ایک لڑکی اس کے پیچھے کپڑا بچھا کر نماز پڑھ رہی ہے، جائے نماز پر پڑی اپنی تسبیح اٹھا کر وہ لڑکی کو بغور دیکھنے لگی جواب اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیر رہی تھی۔

''میرا نام زوہا ہے، آئی ایم سوری، بلا اجازت آپ کے ساتھ نماز پڑھی مجھے نماز پڑھنے

کے لئے قبلہ رخ کا علم نہیں تھا آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر میں نے یہیں نماز پڑھنی شروع کر دی۔''

وہ عجیب جھجک کا شکار تھی، سامنے بیٹھی عورت خاصی مرعوب کر دینے والی شخصیت کی مالک تھی، اس روشن چہرے والی خاتون کی چمک دار آنکھوں کو خود پر محسوس کر کے عجیب گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئی تھی، وہ سیاہ دوپٹے کو اپنے گرد نماز کی طرح لپیٹے بیٹھی تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

''آئندہ نماز کے لئے جائے نماز وہاں سے لے لینا۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں اور تسبیح کے دانے گراتی گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئیں، ان کے جاتے ہی زوہا کو ایسا لگا جیسے وہ کسی سحر سے آزاد ہوئی ہو، اس نے اب تک اتنی خوبصورت عورت نہ دیکھی تھی، پھر اس نے اشارہ کی ہوئی جگہ کی طرف دیکھا جہاں ایک ریک بنایا گیا تھا، اس پر قرآن اور وضائف کی کتب بھی موجود تھیں، ایک طرف جائے نماز رکھی گئی تھی، تسبیح بھی موجود تھی، اس نے قرآن اٹھایا اور وہیں دری پر بیٹھ کر پڑھنا شروع کر دیا، اس بات سے بے خبر کے دو آنکھوں نے اس کو کافی دیر سے اپنے حصار میں لے رکھا تھا، کچھ دیر وہ یونہی بے مقصد کھڑا رہا، زوہا کی بہ آواز بلند تلاوت اس کی دھیمی آواز پر ماحول کو سوز بخش رہی تھی، وہ اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک گہری سانس لینے لگا پھر اپنے لبوں پر دھیمی مسکان سجائے پلٹ کر سیڑھیاں عبور کرنے لگا اس کا دل ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆

یہ یہاں کا دستور تھا کہ دستر خوان ایک ہی لگتا تھا جہاں خاندان کے سب ہی افراد مل کر کھانا کھاتے تھے اور پھر زندگی کے معمولات میں شامل ہو جاتے تھے، ڈائننگ ہال کی لمبی چوڑی میز کے آمنے سامنے بیس کرسیاں تھیں کھانے پکانے میں مدد کے لئے ایک خانساماں تھیں جو کافی ضعیف لیکن اپنے کام میں پھرتیلی نظر آ رہی تھیں، تقریباً ساٹھ سالہ جمیلہ بی اپنی جوانی سے یہاں کھانا پکانے پر مامور تھی، ان کی دونوں بیٹیاں گھر کی صاف صفائی کیا کرتی ہیں، جمیلہ بی گھر کے ہر فرد کی پسند ناپسند سے خوب واقف تھیں، زوہا یہ سب انہماک سے دیکھ رہی تھی، نظروں ہی نظروں میں گھر کے رہن سہن اور افراد کا جائزہ لے رہی تھی اس نے اپنے ماں باپ کے ساتھ اب تک زندگی کا تنہا سفر کیا تھا، دوستوں کے معاملے میں بھی بہت اچھی نہ تھی، اس کے سب ہی کے ساتھ اچھے دوستانہ تعلقات تو ہوا کرتے تھے لیکن کوئی قریبی دوست نہ تھی، وجہ اس کا خود سے ہی لیا دیا والا انداز تھا، وہ زیادہ تعلقات بڑھا کر خود پر کیے جانے والے سوالات سے بچنے کی کوشش کرتی تھی، اپنے خاندان سے متعلق کئی سوالوں کے جوابات سے تو وہ خود نا آشنا تھی۔

ناشتے کی میز پر مرکزی کرسی بڑے ابا کے لئے موجود تھی، وہ ناشتہ میز پر لگاتی جمیلہ بی کو دیکھ رہی تھی، جو اسے خاندان کے افراد کا تعارف کروا رہی تھی، اس نے بتایا کہ اس تین منزلہ گھر کی سب سے اوپر کی منزل پہ بڑے ابا کی بیوہ بہن کا بیٹا وقار کا کمرہ ہے اس سے نیچے کی منزل پر ریاض چوہدری اپنی بیگم اور دو بیٹوں بلال اور راشد کے ساتھ رہتے ہیں اور پہلی منزل پر ایاز چوہدری اور ان کا بیٹا زیان رہتا ہے

''کیا اس گھر میں کوئی لڑکی نہیں؟'' وہ اس ساری گفتگو میں پہلی بار بولی۔

''نہیں جی۔'' جمیلہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اچھا!'' وہ پھر حیران ہوتی ہوئی بولی، حیران ہونا اس کے لئے لازمی امر تھا، کسی لڑکی کا

نہ ہونا اس کی یہاں موجودگی کو مزید محتاط انداز میں رہنے کا الارم دے رہا تھا، اسے صبح روشن سپید چہرے والی خاتون سیاہ دوپٹے میں لپٹی یاد آ رہی تھیں، جن کی آنکھوں میں عجیب کرختگی اور بے گانگی تھی، یہی وہ کرختگی تھی جو اسے کچھ کہنے میں جھجکنے پر مجبور کر رہی تھی، شاید مردوں میں رہ کر مردوں کو پال کر یہاں کی عورتوں کی فطرت بھی مردوں سے مشابہت رکھنے لگی تھی، ورنہ عورت کی تو فطرت ہی قدرت نے حلیم اور طبع سے پارک رکھی ہے، اسے جمیلہ بی ہی ایک خاتون باتونی نظر آ رہی تھیں جو اسے اب یہاں کے لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے جاگنے سونے کھانے پینے اور بڑے ابا کے اصول وضوابط سمجھا رہی تھیں، ناشتہ ٹھیک آٹھ بجے شروع ہو جاتا تھا، ابھی آٹھ بجنے میں دس منٹ باقی تھے، آہستہ آہستہ گھر کے افراد ڈائننگ ہال میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے، بڑے ابا اپنی وہیل چیئر پر طبیعت کی ناسازی کے باوجود پر آئے تھے، اس کی دونوں چچیاں بھی خاموشی سے اپنی کرسیوں پر براجمان ہو گئیں تھیں۔

''دھی رانی دیکھنا ناشتے پر بس پلیٹ چمچ اور گلاس کی آوازیں آئیں گی، سرگوشی بھی اٹھنا ممنوع ہے بڑے ابا کے سامنے۔''

اس کے کانوں میں جمیلہ بی کی کچھ دیر پہلے ہونے والی باتیں گونجیں وہ مسکرا کر رہ گئی، گھر کے سب ہی افراد اپنی اپنی پلیٹوں پر جھکے ناشتہ کرنے میں مصروف تھے کھانے پینے کے دوران گفتگو نہ کرنے کی سخت تاکید بڑے ابا کی نظر آ رہی تھی، یہ وہ قانون تھے جو بڑے ابا نے اس گھر پر لاگو کر رکھے تھے اور وہ ٹھہری قانون شکن۔

''میں آملیٹ نہیں کھاؤں گی مجھے بوائل انڈہ چاہیے۔'' جمیلہ بی نے تھر تھر کانپتی نظروں سے زوہا کی طرف دیکھا جو اس سکوت بھرے ماحول میں پتھر پھینک کر مطمئن انداز میں بیٹھی بڑے ابا کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی، جہاں تھوڑی دیر کے لئے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں، اتنی جرات...... تحیر زدہ لوگ کبھی زوہا اور کبھی بڑے ابا کی اب اشتعال بھری آواز کو سننے کے انتظار میں تھے۔

بڑے ابا اب تیز نظروں سے زوہا اور اس کے آگے رکھی خالی پلیٹ کو گھور رہے تھے، ماحول عجیب تناؤ کا شکار ہو گیا۔

''جمیلہ بی...... یہاں کیوں کھڑی ہو...... لے کر آؤ۔'' اور جمیلہ بی دوڑی کچن میں گئیں تھیں، بڑے ابا نے ایک نظر پھر زوہا کی طرف دیکھا تھا لیکن ان کی نظروں میں نہ جلال تھا نہ اشتعال، بس ایک شفقت تھی، محبت تھی۔

☆☆☆

اس کا کمرہ بڑے ابا کے عین سامنے تھا، ڈاکٹر نے انہیں ڈپریشن کی دوائیاں تجویز کر رکھی تھیں، بیٹے کی موت کے غم نے ان کے پہاڑ جیسے وجود کو ریزہ ریزہ کر ڈالا تھا، زوہا بالکل اپنے باپ کا پرتو تھی، وہی نین نقش، وہی گول چہرہ، وہی ضد، وہی اپنی بات منوانے کے انوکھے طریقے، ہاں یہ وہی زوہا ہی تو ہے، فیاض چوہدری کی اکلوتی بیٹی۔

دروازے پر ناک ہوئی تھی اور نواز علی اپنی سوچوں کے دائروں سے نکل کر دروازے کی جانب متوجہ ہوئے تھے، کمرے کے اندر زوہا داخل ہوئی تھی، وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں اپنی پڑھائی مکمل کرنا چاہتی ہوں، آپ میرا ایڈمیشن پنجاب یونیورسٹی میں کروا دیں۔'' وہ بے جھجک بول رہی تھی، وہی خود اعتمادی، نواز علی کی آنکھیں بھرنے لگیں، زوہا کی

شکل فیاض چوہدری سے بے انتہا مماثلت رکھتی تھی، کشادہ پیشانی پر دو روشن آنکھوں کے پیچھے جیسے فیاض چھپا بیٹھا تھا یوں لگتا تھا جیسے ابھی اچانک وہ آئے گا اور سب کو حیران کر دے گا، بڑے ابا نے اپنی آنکھیں سختی سے بھینچ لیں پھر دوبارہ کھولیں سامنے زوہا ان کی کیفیت کو حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی، وہ رونا چاہتے تھے اور بہت چیخ، چیخ کر رونا چاہتے تھے کیا پھر بھی روتے ہیں؟

''بابا اب میں واپس نہیں آؤں گا، بابا آئی مس یو، زندگی میں بہت سی باتیں کونین کی گولی کی طرح کڑوی اور کسیلی ہوتی ہیں، محبت اگر ہو تو انہیں نگلنا آ ہی جاتا ہے، محبت اگر نہ ہو تو، بابا آپ کو مجھ سے محبت ہے نہ، مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔'' وہ خاموشی سے کمرے کی کھڑکی سے نظر آنے والے آسمان کو گھور رہے تھے، پھر انہیں زور سے کھانسی کا دورہ اٹھا، زوہا نے گھبرا کر کمرے سے باہر مدد طلب کی، وہ بہت شدید انداز میں کھانس کر لوٹ پھوٹ ہو رہے تھے، راشد اور بلال، زوہا کی آواز پر دوڑے دوڑے آئے اور بڑے ابا کو سنبھالا، بلال ڈاکٹر کا نمبر ملانے لگا۔

☆☆☆

''کیا ہو جاتا اگر میں صنف نازک نہ ہوتی، ہزار پابندیوں اور روایتوں میں جکڑی عورت کے مقدر میں صرف تکلیف جھیلنا اور سہنا ہی لکھا ہے، گردن جھکی ہو اور ہاتھ کام میں ہوں بس یہی مقدر ہے اور انہیں دیکھو، کیسے مزے سے بڑے ابا نے ہر چیز کی چھوٹ دے رکھی ہے۔'' سارہ بیگم اپنی جٹھانی کے ہمراہ موٹے فریم کے چشمے کے پیچھے اپنی گول گول آنکھیں گھما کر زوہا کو یونیورسٹی کے لئے جاتا دیکھ رہی تھیں، سارہ بیگم بھی حسرت سے زوہا کو دیکھ رہی تھیں جس کے گھر میں آتے ہی گھر کی روایتی اقتداروں میں دراڑ پڑی تھی، وہ لڑکی تھی لیکن بزدل نہ تھی، اس کی خود اعتمادی سارہ بیگم کو جلاپے میں مبتلا کر گئی تھی، وہ خود ذاتی طور پر ڈرپوک اور دبوسی عورت تھیں، گھر کی سب سے چھوٹی بہو اور ریاض چوہدری کی بیوی تھیں۔

''دمکین لسی بن گئی ہے تو بڑے ابا جی کو دے آؤ۔'' وہ دیورانی کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولیں، زوہا ان دونوں کی طرف الوداعی نظروں سے دیکھتے ہوئے سرخم کر کے سلام کا اشارہ کیا تو جواباً ان دونوں نے بھی اپنا سر ہلا دیا، وہ ایاز چوہدری کے ہمراہ اپنا بیگ کندھے پر ڈالے سفید چادر میں ملبوس نظریں نیچے کیے آگے کو بڑھ گئی سارہ بیگم کی نظریں دور تک تعاقب کرتی رہیں۔

''ایاز بھائی نے تو لگتا ہے بھتیجی کی مکمل ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔'' وہ اب اپنی جٹھانی سے راز درانہ لہجے میں بولی تو پلٹ کر وہ انہیں تاسف بھری نظروں سے دیکھنے لگیں، سارہ بیگم خفیف سی ہو کر لسی سے بھرا جگ اٹھا کر کچن کی جانب بڑھ گئیں، بیگم ایاز دیورانی کی متجسس فطرت سے واقف تھیں، وہ ایسی ہر کوشش ناکام بنا دینا چاہتی تھیں جو ان کی یا ان کے شوہر کی ذات کی طرف اٹھے، وہ بے وقوف ہرگز نہ تھی فہم و ادراک رکھتی تھیں، ان کا چہرہ دیورانی کی بات پر قدرے تپ سا گیا تھا جب ہی وہ منظر سے غائب ہو گئی تھیں، سارہ بیگم اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ جٹھانی کو آسانی سے کمزور نہیں بنا سکتیں، لیکن چوٹ کرنے کی عادت سے باز نہ آئی کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی جملہ ضرور ایسا اچھال دیتیں جو بیگم ایاز کے لئے باعث آزار بن جاتا وہ تو اسی جلن کا شکار تھیں کہ ان کے مقابلے میں بیگم ایاز کو زیادہ

اہمیت دی جاتی ہے، یہ اہمیت کب جلاپے میں بدلی اندازہ ہی نہ ہوا، چھوٹی بہو ہونے کے ناطے نازنخرے کی متمنی سارہ بیگم اکثر جٹھانی سے خار ضرور کھاتیں لیکن ظاہر نہ کرتیں، البتہ ان لہجہ اس بات کا غماز ہی ہوتا کہ وہ جٹھانی کو دی جانے والی اہمیت سے سخت جلن وحسد میں مبتلا ہیں، دونوں کے درمیان روایتی دیورانی جیٹھانی والا حساب چلتا۔

☆☆☆

بارش یوں اچانک شروع ہو جائے گی اس کے وہم وگمان میں نہ تھا، موسلا دھار بارش، ٹپ ٹپ۔

گھر سے نکلتے وقت تو آسمان صاف تھا، شہر انجان تھا، وہ یہاں کے موسموں سے بھی نا آشنا تھی، آج یونیورسٹی میں اس کا تیسرا دن تھا، وہ تو کسی کو یہاں جانتی نہ تھی، بڑے ابا نے وین لگوا دی تھی واپسی کے لئے، مگر آج وین شاید موسم کی خرابی کی بناء پر نہیں آئی تھی، وہ بس اسٹاپ پر ہونق بنی کھڑی تھی، کرے تو کیا کرے کی کشمکش میں اسے کسی نے آواز دی۔

''چلیں امی نے مجھے بھیجا ہے آج وین نہیں آئے گی۔'' زیان رحمت کا فرشتہ بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا، برستی بوندوں سے بچنے کی خاطر وہ اپنے ہمراہ چھتری لانے کی عقلمندی بھی کر گیا تھا، چھتری اسے تھما کر وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر رہا تھا، وہ تیز قدم اٹھاتی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

''کیسی رہی کلاس؟'' دس منٹ کی طویل خاموشی کے بعد ڈرائیونگ کرتے زیان نے بالآخر اخلاقاً پوچھ ہی لیا۔

''ٹھیک۔'' اس کی نگاہ گیلی سڑک پر دوڑتی گاڑیوں پر مرکوز تھی۔

''بس ٹھیک اچھا اور دوست وغیرہ کتنی بنا ڈالیں؟''

''میں دوست نہیں بناتی۔''

''کیا آپ اتنی خوفناک ہیں۔''

''جی۔''

لڑکیوں کو شاید اسی لئے رحمت کہا گیا ہے، جہاں جاتی ہیں رنگ بکھیر دیتی ہیں، وہ ایک ترچھی نظر اس کے سفید چہرے پر ڈال کر ڈرائیونگ میں مصروف تھا جس کی پیشانی تک سفید چادر سے ڈھکی ہوئی تھی، بادلوں میں چھپے اس چاند پر اس نے کیسی کیسی قیاس آرائیاں کر رکھی تھیں، وہ خود پر ہی طنز کرکے مسکرانے لگا اس کے ٹھوس لہجے کے آگے وہ پھر کچھ نہ بول سکا۔

☆☆☆

کاش آپ اس دن اس لڑکی کو دو ٹکے کی کہہ کر میری غیرت اور عزت کے ٹکڑے نہ کرتے تو یہ سب کچھ بھی نہ ہوتا۔

سوال میری غیرت کا بن گیا تھا بابا، میں نے اسی لمحے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اس خاندان کی عزت اب اس لڑکی کو ہی بناؤں گا جس کی عزت کو آپ کے لفظوں نے داغ دار کرکے میری غیرت نفس کو بھی کچل ڈالا تھا، میں اس لڑکی سے شادی ہرگز نہیں کرسکتا جو میری زندگی میں زبردستی میری مرضی کے بغیر شامل ہو، صالحہ ایک اچھی سلجھی اور سید گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، اس کی والدہ حیات نہیں اس کی خالہ نے ہی اسے پالا ہے، کراچی آنے کے بعد میں نے بہت سوچ سمجھ کر صالحہ کے گھر کا رخ کیا تھا اور اس کے والد سے رشتے کی بات کی جسے سن کر وہ بہت برہم ہوئے مجھے کافی برا بھلا کہہ کر گھر سے چلے جانے کو کہا، وہ سید تھے اور غیر سید میں شادی نہیں کرتے اور ان حالات میں یوں اکیلے لڑکے کو

لڑکی دے دینا تو سخت توہین کی بات تھی، میں اپنے دل کا کیا کرتا جو ایک فیصلہ کر کے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا، میں آپ ہی کا بیٹا ہوں نہ بابا۔

آپ کو بھی تو فیصلہ کرنے کی عادت ہے، کسی بھی ردعمل کے اچھے یا برے ہونے کی پرواہ کیے بغیر، میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں بابا، ہے نہ، میں کیسے پیچھے ہٹ جاتا، صالحہ میرے اظہار محبت کے آگے اور اس رشتے کو کوئی نام دینے کے لئے تیار نہ تھی، وہ اپنے والد کے فیصلے کے خلاف نہیں جانا چاہتی تھی، اس کی خالہ یونیورسٹی میں ہی پڑھاتی تھیں اور میرے اطوار سے واقف تھیں، میں نے اپنا عندیہ، ان کے آگے رکھا وہ فوراً مان گئیں، میری ضد کے آگے صالحہ بھی مجبور ہو گئی شاید وہ دل سے تو مجھے پسند کرتی تھی لیکن دنیا کے ڈر سے زبان سے کچھ کہنے سے ڈرتی تھی، اس کی خالہ نے ہماری شادی میں بہت مدد کی، وہ خود خاندان سے باہر رشتے نہ کئے جانے کی رسم کے خلاف تھیں، اس رسم کو توڑنے کی خاطر انہوں نے ہمارا ساتھ دیا۔

''بابا! ہم نے نکاح کر لیا ہے اور صالحہ خالہ کے دیئے فلیٹ میں شفٹ ہو گئے ہیں جو انہوں نے شادی کا گفٹ ہمیں دیا ہے بابا! آج میں بہت خوش ہوں، اللہ نے مجھے رحمت سے نواز کر میری زندگی مکمل کر دی ہے، لیکن میں آپ کی شدید کمی محسوس کر رہا ہوں، آپ کی پوتی زوہا کا نام امی کی پسند سے رکھ رہا ہوں، امی نے اس دنیا سے جاتے ہوئے مجھے معاف کر دیا پلیز آپ بھی مجھے معاف کر دیں، میں نے اپنا ایڈریس اس خط میں آخر میں لکھ دیا ہے اس امید پر میری نگاہ دروازے پر جمی رہے گی کہ آپ میری خاطر نہ سہی اپنی پوتی کی خاطر ضرور مجھ سے ملنے آئیں گے۔''

''بابا! کیا آپ اپنی پوتی کی شکل نہیں دیکھیں گے، کہیں ایسا نہ ہو میری آس کے ساتھ ساتھ میری سانس بھی ٹوٹ جائے۔''

''زوہا!'' تھرتھراتے لبوں نے بہت آہستہ پکارا تھا، اس پکار میں وہ شکست تھی جو آج اکیس برس بعد وہ محسوس کر رہے تھے، کس تنفر سے انہوں نے بیٹے کا یہ خط اپنی ان کے بت تلے روند ڈالا تھا، ان کی بیوی اس غم میں چل بسی، کہ سب کچھ بھلا کر وہ بیٹے بہو کو گھر لے آئیں لیکن نواز علی کا فیصلہ اٹل تھا کہ وہ اب بیٹے سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، آج اکیس برس بعد انہیں بیٹے بہو کے حادثے میں جان بحق ہو جانے کی اطلاع ملی یہ بھی پتا چلا کہ ان کے بیٹے کی اولاد کا اب کوئی وارث ننھیال میں نہ بچا تھا، صالحہ کی خالہ نے ہی فون پر اس حادثے کی خبر دی اور زوہا کی ذمہ داری اٹھانے کی درخواست بھی وہ کسی بھی بات کو رد نہ کر سکے، نہ جانے کیوں، نواز علی نے اپنا دل تھام کر ایاز کو فوراً کراچی روانہ ہونے کا حکم دیا، انہیں دل کا دورہ پڑا تھا، وہ کچھ دن ایسے بستر پر پڑے کہ اٹھنے کی ہمت ان کی کمر توڑ دیتی، یادوں کی دھوپ میں تنہا سفر کرتی ان کی آنکھیں شل ہونے لگیں تھیں، بیٹے کی موت نے ان کی انا کے بت کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا، زوہا کی شکل میں ان کا فیاض گھر لوٹا تھا وہ اب کسی صورت اسے واپس جانے کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں، نواز علی نے خط کو کپکپاتے ہاتھوں سے اپنی ڈائری میں واپس رکھا تھا۔

☆☆☆

زوہا نے جیسے ہی ڈرائنگ روم میں قدم رکھا اس کے قدم زمین نے وہیں جکڑ لئے، وہاں پر موجود راشد، بلال کی بات پر بلند قہقہہ لگا رہے تھے، میز پر پھلوں کی ٹوکری اور رسیلے سیب کے چھلکے

بکھرے ہوئے تھے، زیان اور وقار قالین پر چوکڑی مار کر بلا تکلف بیٹھے ہوئے تھے، زوہا کو یوں اچانک داخل ہوتے دیکھ کر چاروں نے ہونق بن کر اپنی ہنسی کو بریک ماری تھی، وہ حق دق ایسے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے جیسے کمرے میں کوئی انسان نہیں خلائی مخلوق نے قدم رکھ دیا تھا۔

زوہا کا چہرہ مارے شرم کے سرخ ہو گیا تھا، اسے ہرگز ان چاروں کی موجودگی کا اندازہ نہ تھا ورنہ وہ یہاں کا رخ نہ کرتی۔

''کچھ کتابیں چاہیے تھیں بازار سے اگر کوئی لا دے تو۔'' چاروں کے چاروں اپنی جگہ کپڑے جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔

''بائیولوجی کی کتابیں ہیں۔'' وہ ہاتھ میں پرچی لئے بولی، چاروں اب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''میں لے آتا ہوں۔'' زیان نے آگے بڑھ کر زوہا کے ہاتھ سے پرچی لے لی۔

''اوکے میں چلتی ہوں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بول کر ڈرائننگ روم سے باہر نکل گئی، اس کے پیچھے اب دبا دبا سا شور اٹھا تھا۔

''بڑا کمینہ نکلا اس کار خیر میں بھی خود ہی آگے بڑھ گیا۔'' بلال جل کر بولا۔

''پہلے Bio کا B سیکھ لے پھر کار خیر میں حصہ ڈالنے کا سوچنا۔'' زیان نے چبھتے لہجے میں کہا تو بلال نے آنکھیں گھما ڈالیں، زیان پرچی جیب میں ڈالے آگے بڑھ گیا۔

''چلو جی کزن سے بات کرنے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا زیان صاحب کے پاس۔''

''یہ وہی زیان ہیں جو کل تک موصوفہ کی موجودگی سے ہی ہلکان ہو رہے تھے، مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔'' بلال کی بات سن کر وقار نے رائے دی۔

''دال کالی پیلی ہو یا پیلی، چڑھتے سورج کی خبر سب کو ہو ہی جاتی ہے۔'' راشد نے معنی خیز لہجے میں کہا تو وقار مسکرانے لگا۔

''تمہیں بڑا تجربہ ہے کیا موسمیات کا موضوع پڑھنے لگے ہو۔'' وقار استہزائیہ انداز میں بولا تھا۔

''ہاں تو اور کیا دیکھ لینا محکمہ موسمیات کے مطابق زیان صاحب جو کل پرسوں گھن گرج کے ساتھ برس رہے تھے اب ان کے چہرے کا مطلع صاف ہے ہلکی دھوپ چھاؤں کے واضح آثار نظر آ رہے ہیں۔'' راشد باقاعدہ خبرنامہ کے انداز میں بول رہا تھا سب ہی کے قہقہے بلند ہو گئے۔

☆☆☆

''وقار کہاں ہو بھئی جلدی آؤ۔'' سارہ بیگم نے دور سے آواز دی تو وقار چونک کر اٹھا یقیناً اس سے کوئی کام تھا اس کی طویل قامت اور قوی وجود کی وجہ سے اکثر و بیشتر بھاری بھرکم کام وقار کے سپرد کیے جاتے، رمضان کی آمد میں ایک ماہ باقی تھا اور گھر کی صفائی ستھرائی کی شروعات ہو چکی تھی اب وقار کی آوازیں ہی آتی تھیں، چیزوں کی ترتیب بھی اسی سے ہی کروائی جاتی تھی، آج سارہ بیگم نے اپنے کمرے کا سامان صبح سے بے ترتیب کر رکھا تھا، انہیں سٹنگ تبدیل کروانے میں وقار کی مدد درکار تھی، بلال اور راشد دونوں اوپر تلے کے تھے، ان کے قد کاٹھ سارہ بیگم کی طرح ہی نارمل اور جسم نحیف سا تھا، بلال تو ایک کرسی اٹھا کر ہلکان ہو جاتا تھا، وہ جھنجھلا کر وقار ہی کی مدد طلب کرتی تھیں۔

''وقار بھائی امی بلا رہی ہیں آج ہمارے کمروں کی شامت آئی ہوئی ہے صبح سے دھول مٹی اور جھاڑ پونچھ کا کام جاری ہے۔'' بلال نے وقار

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کی طرف بے چارگی کی نظر سے دیکھا، بلال کی بات سن کر وہ کندھے اچکاتا باہر کی جانب دوڑا تھا، کیونکہ اب اس کا دی جانے والی آواز اور اونچی سنائی دی تھی، یہ خطرے کا الارم تھا سارہ بیگم کی غصے بھری آواز جو ایک آواز میں نہیں سننے پر دوبارہ اشتعال بھرے انداز میں آئی تھی۔

☆☆☆

زوہا نے اپنے کمرے میں رکھی ان کتابوں کو مسکرا کر دیکھا جن کی اسے اپنے اسائنمنٹ کی تیاری میں مدد کے لئے اشد ضرورت تھی، اس نے اپنی مکمل توجہ پڑھائی کی طرف مبذول کر لی تھی، وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے والدین کا خواب مکمل کرنا چاہتی تھی، جہاں کسی حد تک وہ ایڈجسٹ ہو گئی تھی، ماحول میں رچ بس جانے والی فطرت نے اسے یہاں پریشان نہیں ہونے دیا، دوپہر کا وقت گرمی کی شدت آج کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی سب ہی اپنے اپنے کمروں میں موجود تھے، وہ ٹھنڈا پانی پینے کی غرض سے کمرے سے باہر آئی کچن کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدم رک گئے، کچن سے تیز آوازیں آ رہی تھیں۔

''میں زیان کی شادی اپنی بھتیجی سے کرنا چاہتی ہوں، آپ سے اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا لیکن آپ نے ٹال دیا، اب یہ مسئلہ، مجھے زیان نے بتایا تھا جب آپ نے کراچی جاتے وقت ابا جی سے بات کی تھی، زیان کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ اس سے بڑے وقار ہے اور یہ شادی وہ ابھی نہیں کرنا چاہتا پڑھنا چاہتا ہے۔'' بیگم ایاز کا لہجہ تیز ضرور تھا لیکن وہ رسان انداز میں شوہر کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں جو حد درجہ فکر مند اور بے بس تھے۔

''بابا نے فیصلہ نہیں کیا، صرف رائے طلب کی ہے، وہ زیان اور زوہا کی مرضی معلوم کر کے ہی فیصلہ کریں گے، فیاض بھائی کی موت نے انہیں توڑ دیا ہے، وہ پہلے جیسے نہیں رہے، یہ ان کی ذاتی خواہش ہے کہ زوہا اس گھر کی ہی بہو بنے، زیان کا انتخاب انہوں نے اس لئے کیا ہے کہ وہ وقار اور باقی سب میں زیادہ ذہین اور پڑھنے لکھنے میں تیز ہے، زوہا جیسی قابل ذہین لڑکی کے ساتھ اس کا جوڑ مناسب رہے گا، اگر زیان راضی نہیں تو میں بابا سے بات کرتا ہوں، مگر تم پھر سوچ لو۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولے ان کے لہجے میں مصنوعی خفگی بھی تھی جو زیان کے انکار کا سن کر ان کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔

''جی بہتر۔''

اس کے قدم واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئے، وہ منہ پر ہاتھ رکھے کمرے میں آ کر اپنے بستر پر ڈھے گئی اور اپنے تکیے سے لپٹ کر سسکنے لگی، نہ جانے یونہی کتنا ہی وقت گزر گیا، وہ خاموشی سے اپنے بستر پر پڑی چھت گھور رہی تھی، کیا اس کے نصیب میں دھوپ میں جلنا ہی لکھا ہے، کمرے میں اسے اب شدید وحشت ہونے لگی تھی، گھٹن کے احساس تلے اس نے گھڑی کی طرف نگاہ اٹھائی تو وہ پانچ بجنے کا اعلان کر رہی تھی، شدید پیاس سے اس کا حلق اب سوکھ رہا تھا، وہ کچن میں مرے مرے قدموں سے گئی جہاں اب کوئی نہیں تھا، کچھ دیر پہلے ہونے والی سرگوشیاں پھر سے اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

اس نے ٹھنڈے پانی سے حلق کو تر کیا پھر بیرونی دروازہ کھول کر لان کی طرف آ گئی، بڑے سے لان پر چھائی دھوپ ڈھل رہی تھی، ہوا بند تھی، درختوں کے پتے سجدے میں گرے ہوئے تھے، حبس زدہ ماحول اس کے اندر ہی نہیں باہر بھی

چھایا ہوا تھا، وہ آم کے درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی، کچی کچی کیریاں درخت کی اونچی شاخوں پر لٹکی ہوئی تھیں، وہ سر اونچا کر کے دیکھنے لگی کہ اس کے عقب سے آواز آئی۔

''کیا کیری کھانے کا دل چاہ رہا ہے، کہیں تو توڑ دوں۔'' زیان شوخی سے ہم کلام ہو رہا تھا وہ اسے یہاں ٹہلتا دیکھ کر آ گیا تھا۔

''جی نہیں۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''جی نہیں...... جی ہاں...... آپ کو اس کے علاوہ کچھ بولنا نہیں آتا۔''

''شکریہ...... کس بات کا؟'' وہ منہ بگاڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''لو جی، اتنی خواری کے بعد آپ کی مطلوبہ کتابیں لے کر آیا تھا اور آپ ہیں کہ ایک لفظ شکریہ کا نہیں کہا۔'' وہ اب گلے شکوے پر اتر آیا مصنوعی خفگی سے بولا۔

''او سوری...... شکریہ۔'' اسے یاد آیا تو شرمندہ ہو کر بولی۔

''کوئی بات نہیں۔'' وہ اس کے نرم لہجے پر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

''مجھے وہ کتابیں لائبریری سے نہیں مل رہی تھیں اس لئے آپ کو تکلیف دی۔''

''کوئی بات نہیں آپ آئندہ بھی مجھے بے خوشی یہ تکلیف دے سکتی ہیں چلیں اس درخت کی کہانی سناتا ہوں آپ کو یہ پورا لان ایک طرف اور یہ آم کا درخت ایکچوئیلی تاریخی ہے۔''

''یہ وہ جگہ ہے جہاں فیاض تایا یعنی آپ کے بابا جان کی بڑے ابا پٹائی کیا کرتے تھے اس آم کے درخت نے دراصل بچپن میں فیاض تایا کی پٹائی دیکھی ہے اور جوانی میں تو......'' وہ کہتے کہتے رک گیا تھا زوہا کے چہرے پر تاریک سائے لہرا رہے تھے۔

''کیا...... آپ...... میرے بابا کے بارے میں اتنا جانتے ہیں، کیسے؟'' لفظ اس کی زبان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے، وہ ہکلا رہی تھی بابا کے ذکر پر اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں وہ مسلسل بول رہا تھا، اور وہ دیوانہ وار سن رہی تھی۔

''فیاض تایا کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں لیکن زبان سے ذکر بڑے ابا کی وجہ سے نہیں کرتے ہیں، وہ ان کے ذکر پر خفا ہو جاتے تھے، میرے بابا اکثر بچپن کی باتیں ان کی سناتے ہیں بابا فیاض تایا سے بہت محبت کرتے ہیں مگر بڑے ابا کی انا ان کے قدم روک لیا کرتے تھے، ورنہ وہ فیاض تایا سے ملنا چاہتے تھے، لیکن قسمت......'' وہ کہتے کہتے پھر خاموش ہو گیا، زوہا اس کی باتیں بہت ضبط سے سن رہی تھی، اس کے لہجے میں بے پناہ اپنائیت تھی وہ وہیں گھاس پر بیٹھتی چلی گئی، گیلی گھاس کو چھو کر محسوس کرنے لگی۔

''بڑے ابا کو بابا سے اتنی نفرت۔'' اس نے بے دردی سے مٹھی میں آئی گھاس نوچی۔

''نفرت نہیں محبت۔'' اس نے تصحیح کی اور اسی درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔

''یہ کیسی محبت ہے جو اپنوں کو اپنوں سے دور کرے۔'' وہ سسکی تھی۔

''اس محبت کے پیچھے بہت بڑے بڑے طوفان چھپے ہیں، فیاض تایا کو بچپن سے ہی بڑے ابا نے اپنی بہن کی بیٹی سے منسوب کر رکھا تھا، اس رشتے سے فیاض تایا انکاری تھے اور اشتعال میں عین نکاح والے دن وہ گھر سے بھاگ گئے پھر مجبوراً انہیں عزت کی خاطر اپنے چھوٹے بیٹے ایاز سے نکاح کر دیا گیا جس کے لئے ذہنی طور پر ان کی بھانجی ہرگز تیار نہ تھی، سب کی عزت کو یوں روند کے جانے والے کو وہ معاف نہ کر سکے، خاموش بجھی بجھی سی بھانجی کا درد بھی انہیں عزیز

تھا، ایاز میرے بابا اور بڑے ابا کی بھانجی فیاض تایا کی سابقہ منگیتر میری ماں ہیں۔" وہ انکشاف کر رہا تھا، زیان ٹھہر ٹھہر کر جو بتا رہا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ حال میں نہیں ماضی میں سفر کر رہی ہے، ماضی کا یہ سفر اس کے دماغ کی پر وہ اسکرین پر کسی فلم کی طرح چل رہے تھے ایسے جیسے ان مناظر کی وہ خود گواہ ہو، سارے منظر ایک کے بعد ایک کر کے اس کے سامنے چل رہے تھے، پاس کھڑا درخت نہیں انسان ہی تھا جو اسے کڑی نظروں سے دیکھ رہا تھا، ہوا بھی بہت سی سرگوشیاں سنانے لگیں تھیں، پودے پھول پتے سب ہی اس محفل کا حصہ تھے، سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے، وہ ہر کردار کو جانچتی نظروں سے پرکھنے کی کوشش کر رہی تھی، یہ سارے کردار اس کی زندگی میں شامل تھے لیکن وہ لاعلم رہی، اسے لاعلم رکھا گیا اور اب جب وہ ان تمام کرداروں کو جانچ چکی تھی، زوہا نے اپنا شکستہ جھکا سر اٹھایا تو زیان اس کے ڈوبتے ابھرتے چہرے کی لغزشوں کو ہی دیکھ رہا تھا اس نے گھبرا کر دوبارہ اپنا سر جھکا لیا۔

نہ جانے کیوں زیان اس وقت اس کی جھجک سے محظوظ ہو رہا تھا، وہ نڈر اور بہادر بظاہر اپنی شخصیت کو ایک خول میں بند رکھے ہوئے تھی پرت در پرت کھلنے پر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اندر سے کتنی شکستہ اور کمزور ہے، دونوں کے درمیان اب خاموشی تھی وہ دونوں ہی چپ چاپ بیٹھے تھے، حبس زدہ ماحول میں یکدم سرشاری سی آنے لگی، ہوا ایسی زور کی چلی کہ پتوں نے جی بھر کے تالیاں بجائیں پھول مسکرا رہے تھے۔

دور کھڑی بیگم ایاز چائے کا کپ تھامے لرزنے لگیں، ان کے دل نے ڈبکی لی تھی، لان میں درخت کے سائے تلے وہ دونوں بیٹھے تھے، زیان کی پشت انہیں صاف نظر آ رہی تھی، وہ خاموشی سے یہ منظر آنکھوں میں لئے اندر ڈرائننگ روم کی طرف بڑھ گئیں۔

چائے کی پیالی ایاز چوہدری کے آگے رکھ کر وہ ان کے سامنے بیٹھ گئیں، چائے کا کپ ہاتھ میں لیکر وہ سیپ لیتے ہوئے سامنے خاموش بیٹھی بیگم ایاز کو غور سے دیکھنے لگے، جو غیر مرئی نقطے پر اپنی نظریں مرکوز کئے ہوئے تھیں یوں بے خبر ٹکٹکی باندھ کر زمین کو دیکھتے رہنا انہیں عجیب سا لگ رہا تھا، سوچ اور فکر کی بے شمار لکیریں ان کے ماتھے پر واضح نظر آ رہی تھیں جو کسی فکر مندی کی غماز تھیں۔

"کیا ہوا کچھ پریشان ہو؟" ایاز چوہدری کے لہجے میں شہد جیسی مٹھاس تھی، کبھی بھی شکایت زبان پر نہ لانے والی اس عورت کی ایثار اور وفاداری کے وہ دل سے قائل تھے، وہ اپنی طرف سے پورا خیال رکھتے کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو، وہ ان کی شریک حیات تھی ہر دکھ سکھ کی ساتھی جس نے کبھی انہیں یا خاندان کے کسی فرد کی خدمت میں مایوس نہیں کیا تھا۔

"پریشانی...... یہ بھی تو ہماری زندگی کا حصہ ہیں جہاں سکوں ہو وہاں پریشانی بھی آ ہی جاتی ہے۔" وہ گم صم لہجے میں بولیں۔

"خیر تو ہے ایسی کیا بات ہے، جو آپ کو پریشان کر رہی ہے؟" وہ چائے کا سیپ لے کر کپ سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولے، بیگم ایاز اپنے شوہر کو دیکھتی رہ گئی، ان کی آنکھوں میں عجیب بے بسی تھی۔

"کبھی کبھی خود غرض ہونے کو دل کرتا ہے، زندگی میں محبت کے سکوں کی کھنک جب بھی اپنی جھولی میں اکٹھے کرنے چاہیے، میری جھولی کے سکے تو کسی اور کی جھولی میں گر جاتے ہیں اور میرا دامن پھر خالی رہ جاتا ہے، میں نے زندگی سکے

جمع کرنے میں ہی لگا دی ایاز صاحب، کیا میں اتنی بدنصیب ہوں کہ اپنی جھولی کے سکوں کی کھنک سے اپنی سماعت اور دل کو خوش کرنے سے قاصر رہوں گی، کئی برس پہلے بھی میری جھولی ایسے ہی خالی ہوگئی تھی، اب میں نے جو سکے اتنے برس ایک ایک کر کے جمع کرنا جو شروع کیے تھے ان کی کھنک سننے کی خوشی حاصل ہونے سے پہلے ہی کوئی اور اپنی جھولی میں میرے سکے ڈال لینا چاہتا ہے، میں کیا کروں، ایاز صاحب، آپ ہی بتایئے میں کیا کروں؟'' ایاز چوہدری سکتے کی کیفیت میں اپنی بیگم کو یوں روتا دیکھ رہے تھے، وہ سوال کرتی نگاہ جواب مانگ رہی تھی، ادراک کے دروازے ان پر کھلتے ہی چلے گئے، شاید آسمانوں سے اس وقت الہام اترنے کا وقت تھا، ان کے دل میں بھی الہام اتر رہے تھے اور وہ زینہ بہ زینہ چڑھنے لگے آسمان کی روشنی کو دیکھنے لگے، پھر ایک فیصلہ ان کے دماغ میں کوندا تھا۔

''نور!''

''جی۔''

''تم نور ہو، روشنی، تم نے ایک بار پہلے بھی اپنی جھولی کے سکے کسی اور کی جھولی میں الٹ دیئے تھے اب بار بھی اپنی جھولی الٹ دو اس یقین کے ساتھ کہ تمہارا کشکول خالی نہیں بھرا ہوا ہے، یہ ہاتھ اللہ نے تمہیں دینے والا بنایا ہے رب کا بہت شکر ہے کہ ان ہاتھوں نے جب بھی دیا بہت دیا، دینے والا ہاتھ سکون میں رہتا ہے، رب سوہنے کی رضا بھی یہی ہے۔'' بیگم ایاز نے شوہر کی طرف حیران نظروں سے دیکھا تھا، ایک ایک لفظ ان کے دل پر پڑے بوجھ کو کھسکا رہا تھا، دھیرے دھیرے وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگیں، اپنے دونوں ہاتھ انہوں نے چہرے پر رکھ لئے تھے، ایاز چوہدری بیگم کے برابر بیٹھ گئے اور ان کے چہرے سے ہاتھ اٹھا کر آنسو اپنے مضبوط ہاتھوں میں چن لئے پھر اپنا سر نفی میں ہلانے لگے، بیگم ایاز نے بھیگی آنکھوں سے شوہر کی طرف مسکرا کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا، پھر آنکھیں موندے اپنے شوہر کے مضبوط کندھوں پر اپنا سر رکھ دیا۔

☆☆☆

''زوہا!''

''جی۔'' انداز استحقاق پر اس نے چونک کر دیکھا تھا، یہ وہ لہجہ تو نہ تھا جو چند ماہ سے اس نے جھیلا تھا، ان کے انداز میں تو عجیب لاتعلقی ہوتی تھی، اب اتنے مان سے اپنے کمرے کی طرف جاتی زوہا کا بیگم ایاز کو یوں پکار کر روکنا زوہا کو عجیب لگ رہا تھا، دل کسی انہونے احساس تلے دھڑک رہا تھا، جب سے بڑے ابا نے اس سے زیان کے متعلق رائے طلب کی تھی تو اس کے جھکے سر نے بڑے ابا کو تو مسرور اور مطمئن کر دیا تھا لیکن خود وہ کئی اندیشوں اور خوف میں گر گئی تھی، زیان ہر لحاظ سے اعتماد اور محبت کے لائق تھا، وہ خود کو اس کے قریب جب محسوس کرتی اسے یوں لگتا جیسے وہ دھوپ میں چلتے چلتے یکدم چھاؤں تلے آگئی ہے، اس اکیلی زندگی میں اس کا ساتھ یقیناً خزاں سے بہار تک کا سفر تھا، جو وہ من ہی من میں کر رہی تھی، وہ دل سے اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی، لیکن یہ اس کے اپنے دل کا فیصلہ تھا جو اس نے بغیر کسی ریا کے ابا حضور کو اثبات میں دیا تھا ضروری تو نہیں تھا دل کے ہر فیصلے سے ہر شخص متفق ہو، پھر بیگم ایاز کا لیا دیا انداز بھی اس کو خوف میں مبتلا کر رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھا کر پلٹی تھی، اس نے بیگم ایاز کے سفید چہرے کی طرف دیکھا جو سپاٹ تھا، اسے وہاں لفظ دکھائی ہی نہیں دے رہے تھے،

جنہیں پڑھ کر کوئی رائے قائم کرتی۔
''کچھ کام تھا تم سے اگر فارغ ہو تو چند منٹ بیٹھو میرے پاس۔''
''جی آنٹی ضرور۔'' وہ جھجکی تھی۔
''آنٹی نہیں بڑی چچی جان کہو، ہر رشتے کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے اسے منسوب ناموں سے پکارنا ہی رشتوں میں تعلق کو قائم کرنے میں مدد دیتا ہے۔'' ان کے لہجے کی نرماہٹ ان کی باتوں کی پھوار وہ اپنے دل پر گرتے محسوس کر کے اطمینان سے پھر بولی۔
''سوری، رشتوں سے دوری نے ناموں سے بھی مجھے کورا کر رکھا ہے آہستہ آہستہ رشتے بھی میری زندگی کا حصہ بن رہے ہیں تو ناموں سے بھی واقفیت ہو جائے گی، چچی جان۔'' وہ رسان سے بولی، اس کے لہجے میں بے بسی عود آئی، وہی بے بسی جو اکثر نور کے دل میں اتر جایا کرتی تھی، وہ بن ماں باپ کی بچی کے تھکن زدہ لہجے کو دیکھتی رہ گئی، وہ یقیناً پیار اور محبت کی مستحق تھی، کشادہ پیشانی پر سیاہ دو آنکھوں نے جیسے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا، وہی دو سیاہ آنکھیں، وہی کشادہ پیشانی اور گھنگھریالے گھنے بال، اف خدایا، وہ چلتی پھرتی فیاض کا عکس تھی، بیگم ایاز نے نرم و گداز ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر اسے اپنے ساتھ لاؤنج میں لے آئیں وہاں بچھے قالین پر وہ دونوں ایک ساتھ بیٹھ گئیں، دوسرے ہاتھ میں پکڑی سیاہ ڈائری انہوں نے زوہا کو پکڑا دی، پھر اپنی کلائی سے سونے کا کنگن جس پر نفیس چھوٹے چھوٹے وائٹ نگ جڑے ہوئے تھے زوہا کی نازک کلائی میں پہنا دیا، زوہا گنگ بنی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی، سونے کا کنگن اس کے بھرے بھرے سفید ہاتھوں میں جچ رہا تھا۔

''یہ ہمارا خاندانی کنگن ہے اور تم ہمارے خاندان میں آنے والی سب سے پہلی بہو ہو گی اس لئے میری ساس کے اس کنگن پر تمہارا حق ہے۔'' وہ بھیگے بھیگے لہجے میں بول رہی تھیں، زوہا کی آنکھوں میں بیک وقت حیرانی و خوشی کی ملی جلی کیفیت تھی، وہ سراسیمگی کے عالم میں بیٹھی ہاتھوں کی لرزش پر بے قابو ہو رہی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کیا بولے، وہ اپنی کلائی میں پہنے ہوئے کنگن کو دیکھنے لگی جو اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ بیگم ایاز اسے دلی طور پہ اپنی بہو تسلیم کر چکی ہیں، دیوار پر لٹکی گھڑی کی ٹک ٹک سے زیادہ تیز اس کا دل دھڑک رہا تھا، اسے محسوس ہونے لگا جیسے گھڑی کی ٹک ٹک تھم گئی ہے وقت رک گیا ہے دل ٹھہر گیا ہے، یہ کیسا انوکھا تعلق آج ان دونوں کے درمیان جڑ گیا تھا جس سے پہلے کبھی وہ آشنا نہ تھی، دونوں کے بیچ قائم خلا یوں مٹ جائے گا ایسے بھلا اس نے کب سوچا تھا۔
''میری امی بہت عظیم ہیں انہوں نے اپنے نفس کی قربانی دی تھی، وہ مشکل کام آسانی سے کرنے کا فن جانتی ہیں۔''
زوہا سامنے بیٹھی عظیم عورت کی طرف دیکھنے لگی جس کا برسوں پہلے ارمانوں کا خون ہوا تھا، چادر میں ڈھکا ان کا سفید چہرہ آئینہ کی طرح صاف شفاف تھا۔
''یو آر گریٹ...... آپ...... بہت...... اچھی ہیں چچی جان۔'' اس نے بھیگی آنکھوں سے بہ مشکل کہا تھا، نور نے نفی میں سر ہلا کر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
''بیٹا! یہ اللہ کے کام ہیں اور اوپر والے کی مصلحت کو ہم عام انسان نہیں سمجھ سکتے، میں نہیں جانتی کھونے کا دکھ جو میں نے کبھی محسوس کیا تھا، وہ تم یا زیان محسوس کرو، اللہ تم دونوں کو خوش

رکھے، اچھا...... یہ بتاؤ میری کچھ مدد کرو گی، رمضان کی آمد میں پندرہ دن رہ گئے ہیں، میں یہ ڈائری لے کر آئی تھی کہ قلم سنبھالو اور لکھتی جاؤ جو جو سامان میں تمہیں لکھواتی ہوں، ہم رمضان سے پہلے ہی سب تیاری کر لیتے ہیں حتیٰ کہ عید کی تیاری بھی رمضان سے پہلے کر لی جاتی ہے، تاکہ رمضان سکون کے ساتھ اللہ کی عبادت میں گزرے۔'' انہوں نے موضوع بدلا تھا اور پھر ڈائری کھول کر اسے سامان لکھوانے لگیں جو بازار سے انہیں منگوانا تھا، وہ بے جھجک اور بے تکلف ہو کر زوہا کو لسٹ تیار کروا رہی تھیں۔

''آپ سے ایک بات پوچھوں چچی جان!'' اس نے جھکے سر سے لکھتے لکھتے اچانک ذہن میں آیا سوال کیا۔

''ہاں ہاں ضرور۔'' وہ مسکرائیں۔

''آپ برا تو نہیں مانیں گی نا۔'' وہ جھجکی تھی۔

''نہیں۔''

''آپ کو جب اپنی محبت نہ ملی تو کیا زندگی ایاز چچا کے ساتھ...... میرا مطلب ہے کہ...... آپ نے شوہر کے طور پر تو انہیں تسلیم کر لیا ہوگا لیکن دل......'' وہ کہتے کہتے رک گئی اور ان کی شکل دیکھنے لگی جہاں سکون ہی سکون تھا۔

''وقت اور تجربے جب انسان پر گزرنے لگتے ہیں تو بہت سی باتیں آتے آتے سمجھ میں آنے ہی لگتی ہیں، دل کو وہ لوگ خود بہ خود اچھے لگنے لگتے ہیں جن کا آپ کی زندگی پر اختیار ہوتا ہے، ایاز بہت اچھے شوہر ہیں، میری چھوٹی سی قربانی رائیگاں نہیں گئی، لیکن یہ بات مجھے دیر سے سمجھ میں آئی۔'' وہ خلا میں جیسے کچھ کھوجنے لگیں، چند دن پہلے کہی ایاز کی باتیں دماغ میں گونجنے لگیں تھیں۔

''اور آپ کی ساس...... یعنی میری دادی؟''

''میری شادی کے ایک برس بعد ہی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں، وہ دل کی مریضہ تھیں، بیٹے کے غم کا بوجھ دل پر نہ سہہ سکیں۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولیں۔

''اوہ۔'' اس نے تاسف کا اظہار کیا، زیان کی سنائی کہانی کے سارے کردار اس کے سامنے کھل کر آ گئے تھے، اسے اپنی جگہ سب ہی کردار درست نظر آ رہے تھے، بڑے ابا کی خفگی جو بعد میں نفرت میں بدل گئی اسے یہ بھی برا نہیں لگ رہا تھا، انا کی زنجیروں میں جکڑے انسانوں کی نفرت یوں ہی ہوا کرتی ہے شاید۔

اتنا کچھ ہو جانے کے بعد خود اس کا وجود بھی باعث نفرت ہی ہونا چاہیے تھا لیکن یہ محبت ہی تھی جس نے نفرت کو ختم کر کے نئے رشتے استوار کر لئے تھے، وہ زیان کی ماں کی وسعت القلبی دیکھ کر جہاں حیران ہو رہی تھی وہاں خود پر بھی رشک آیا کہ قدرت نے اس سے جو رشتے چھین لئے اس کے بدلے نئے رشتے محبتوں کے ساتھ عطا بھی کر دیئے تھے، وہ اب سر ہلا ہلا کر باقی لسٹ مکمل کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ اسے سر سے پیر تک گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا، بلیک اینڈ وائٹ چیک والی شرٹ اور بلو جینز میں بے حساب پرفیوم جھڑکا گیا تھا، چمکتے دمکتے جیل سے سیٹ ہوئے بال چہرے کو نیا زاویہ دے رہے تھے۔

''اتنا پرفیوم اور کیا تیاری ہے جناب کی، کہاں جانے کی تیاری ہے؟'' وہ اپنی ناک سکیڑ کر اس سے پوچھ رہا تھا زیان اس کی بات سن کر سخت جھنجلا رہا تھا، وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا ہی تھا

کہ وقار سے اس کا ٹکراؤ ہو گیا، اس کا یوں خاص انداز میں دیکھنا اسے کوفت زدہ کر گیا۔

''مطلب کیا ہے اس بات کا، بندہ باہر کہیں جاتا ہے تو عام سے حلیے میں تھوڑا نکل جاتا ہے۔''

وہ اب سچ مچ کڑبڑا رہا تھا، وقار کی معنی خیز نگاہیں اسے اندر ہی اندر تپا رہی تھیں، اس سے پہلے بھی کئی معنی خیز جملے وہ اچھال چکا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' معنی خیز انداز میں گہرا تبسم ہونٹوں کے کنارے ٹھہرا تھا۔

''بازار۔'' وہ چڑ کر جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

''کیا واقعی؟'' وہ حیران ہوا تھا وقار اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''تو......!'' وہ جھلایا۔

''اتنی تیاری کے ساتھ بازار جایا جا رہا ہے وہ صاحب جنہیں ہفتہ بھر کپڑے بدلنے کا ہوش نہیں رہتا تھا وہ بازار اس حلیے میں۔'' وقار نے اپنا جملہ دانستہ چھوڑا تھا اور ایک بلند قہقہہ لگایا پھر وہ ہنستا ہی چلا گیا جس سے زیان مزید تپا تھا۔

''اکیلا نہیں جا رہا چچی امی اور زوہا کو ساتھ لے جا رہا ہوں عید کے لئے کپڑے لینے ہیں۔''

وہ اب وقار کو کچا چبا جانے والی نظروں سے گھور کر بولا تھا، انداز غرانے والا تھا جس پر وقار نے اپنی بھنویں اچکائیں۔

''میری جان میرے سامنے تم کھلی کتاب ہو کیوں خود کو ہم سے چھپا ہو؟ ویسے کیا آج اظہار محبت کا ارادہ ہے۔'' وقار اب اس کے کانوں کے قریب آ کر سرگوشیاں کر رہا تھا۔

''کچھ تو شرم کرو یار۔'' آواز دھیمی اور شکستہ تھی، وقار نے اس کا حال دل بڑی آسانی سے کہہ ڈالا تھا۔

''جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم، سب کہہ ڈال...... جا...... شاباش بیسٹ آف لک۔'' وقار نے اس کی پیٹھ تھپکی تھی اور انگوٹھا دکھا کر آگے بڑھ گیا، وہ کتنی ہی دیر یوں ہی ساکت کھڑا رہا، آنے والے لمحے کو سوچتا رہا۔

☆☆☆

شاپنگ کرتے کرتے دوپہر ڈھل گئی تھی، بھوک کے مارے برا حال تھا، سب ہی تھک کے چور ہو چکے تھے، زیان انہیں اوپن ایئر فوڈ کورٹ میں لے آیا تھا جہاں باربی کیو کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی جس سے بھوک مزید چمکنے لگی۔

''دیکھو بھئی ہم فالودہ ضرور کھائیں گے بعد تم ہمیں لفٹ کب کرواؤ گے، گھومنا پھرنا، سیر سپاٹے بس بیگم کے لئے رہ جائیں گے۔'' سارہ چچی چکن رول ہضم کرتے ہوئے بے تکلف لہجے میں زیان کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں جو جل سا ہو گیا تھا ان کا انداز کسی بھی بات کے لئے یوں ہی ہوا کرتا تھا، ورنہ بڑے ابا کے سامنے تو ان کی آواز دبی دبی سے نکلتی تھی، یوں گھر سے باہر کھانے پینے کا رواج کم ہی تھا جو زیان ہی اکثر سب کا شوق خاص خاص موقعوں پر لے جا کر پورا کرتا تھا۔

''اب ایسی بات بھی نہیں۔'' نور کو دیورانی کا یوں کہنا برا لگا تو فوراً بولیں۔

''تمہارا ایک ہی بیٹا ہے تمہیں کیا معلوم نور بھابھی آج کل لڑکے شادیوں کے بعد بیگموں کو ہی پیارے ہو جاتے ہیں بے چارے ان سے جڑے رشتے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں، ہمارے بھائی کی بیگم صائمہ کے خیر سے تین بیٹے ہیں دو کی شادی کر چکی ہیں ایک بیٹا ساتھ اور ایک الگ رہتا ہے، شادی کو دو ماہ بھی نہ ہوئے اور وہ بیگم کے ہمراہ الگ ہو گئے۔'' سارہ نے زوہا کی طرف دیکھا جو جل سی بیٹھی تھی۔

نور نے عجیب نظروں سے دیورانی کو دیکھا تھا جن کے پاس سنانے کو کہانیاں تو بے شمار ہوتی تھیں ان میں وہ اکثر نمک مرچ چھڑکنا نہ بھولتی تھیں، اس بات کو وہ سمجھتی تھیں، اس لئے ٹالنے والے انداز میں بولیں۔

''یہ بتاؤ فالودہ کھائیں گی یا آئس کریم۔''

''کہا تو تھا فالودہ۔'' سارہ پہلو بدلتے ہوئے برا سا منہ بنا کر بولی، زیان اور زوہا کے سامنے جیٹھانی کا یوں ٹوکنا اسے برا لگ گیا تھا وہ تو ان کے بھلے کی بات کر رہی تھی۔

''زیان تم زوہا کو ساتھ لے جاؤ وہ شاید فالودہ نہ کھائے تم اس کی پسند سے آئس کریم کا فلیور لانا۔'' وہ زیان کو دیکھ کر بولیں جو اس ساری گفتگو میں ضبط کے ساتھ بیٹھا سرخ ہو رہا تھا، سارہ چچی کی منہ پھٹ طبیعت سے واقف تھا اس لئے کچھ نہ بولا، موڈ کو بہتر اور دونوں کو وقت دینے کی خاطر نور نے زیان کی نگاہیں اپنی جہاندیدہ نظروں سے پڑھ لی تھیں، زیان کے چہرے پر اچانک ہی مسرت کا رنگ چھا گیا وہ سر ہلاتا زوہا کو اٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا، وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔

''بھئی یہ کیا کیا آپ نے۔'' سارہ حق دق رہ گئی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' نور نے مصنوعی حیرانگی دکھائی۔

''ایسے کیسے دونوں کو اکیلے بھیج دیا، زمانہ بہت خراب ہے بھابھی آپ بجائے ان پر نظر رکھنے کے ان کو اکیلے بھیج دیا۔''

''زمانہ بدل گیا ہے سارہ اور ہمیں اس وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے ہمیں بچوں کی خوشیوں کے ساتھ رہبر بن کر چلنا چاہیے، بڑے ابا نے بھی تو یہی ایک غلطی کی تھی نہ، وہ اپنی اولاد کی خوشی کے بجائے اپنے بنائے اصولوں پر ڈٹ گئے تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ ضد اور انا کے طوفان نے سب روند ڈالا، میں یہ غلطی کبھی نہیں دوہراؤں گی۔'' ان کی آنکھوں میں چمک تھی جسے دیکھ کر سارہ چپ سی ہو گئی، یہی وہ اعتماد تھا جو نور کو اپنے بیٹے اور ہونے والی بہو پر مکمل تھا، وہ دونوں کاونٹر پر کھڑے تھے، زیان فالودہ پیک کروا رہا تھا، گھر میں موجود کزنوں کے لئے، زوہا نے آئس کریم میں اسٹرابری فلیور پسند کیا تھا، وہ مختلف آئس کریم کے فلیور فریز باکسز میں دیکھ رہی تھی کہ اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر میسج کی بیپ آئی، اس نے چونک کر اپنا موبائل کا ان باکس چیک کیا جہاں میسج آیا ہوا تھا، میسج کسی ان نون نمبر سے آیا تھا اس نے حیران نظروں سے میسج کھولا۔

ہاں!!!
مجھے چاند اچھا لگتا ہے
کیونکہ ہم
ایک دوسرے کے لئے ہیں
مسافت ایک سی ہے
مقدر ایک سا ہے
چلو آؤ یوں کرتے ہیں
دونوں باہم چلتے ہیں
محبت ساتھ کرتے ہیں

زوہا نے شاپر پکڑے زیان کی طرف دیکھا تھا جس کی نظروں میں شرارت ہی شرارت اور ہونٹوں کے کنارے مسکراہٹ دبی تھی، زوہا نے ابرو اچکائے تو زیان نے مسکرا کر اس کی آنکھوں کے اشاروں پر اپنا سر خم کر دیا تھا، جس پر وہ بے اختیار مسکرانے لگی، دونوں واپس اپنی ٹیبل کی طرف ساتھ چلنے لگے، دونوں کو یوں مسکراتے آتا دیکھ کر نور نے دل ہی دل میں ہزار بلائیں لے

ڈالی تھیں۔

☆☆☆

"میرا خیال ہے عید کے بعد رسم نکاح کر دیا جائے۔" بڑے ابا نے تائید بھری نظروں سے ایاز اور نور کی طرف دیکھا تھا، ان کے برابر ریاض اور سارہ بھی ڈرائنگ روم میں بڑے ابا کے بلانے پر بیٹھے تھے، سارہ کی دلچسپی تو ان سارے معاملات میں مفقود تھی، ویسے بھی ان کی موجودگی اور عدم موجودگی سب کے لئے برابر تھی، وہ اپنی ناقص عقل وفہم کی بنا خاموش ہی رہتی تھیں۔

"آپ درست کہہ رہے ہیں ابا جی، رخصتی بھی ہو جائے، گھر کی بات ہے اور زیان کے پیپر بھی ہو گئے ہیں اس نے پیپروں سے پہلے کئی جگہوں پر اپلائی کر رکھا تھا، ملٹی نیشنل کمپنی سے جاب کی اچھی آفر آئی ہے باقی جو اللہ کو منظور۔" ایاز نے اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"تم کہو ریاض۔" بڑے ابا اب ریاض کی رائے طلب کر رہے تھے۔

"ایاز بھائی صحیح کہہ رہے ہیں ابا جی جیسا اب مناسب سمجھیں، عید کے بعد شادی کرنے میں کوئی مسئلہ تو نہیں لیکن اتنی جلدی ہال کا انتظام ممکن نہ ہوگا۔"

"نکاح اور رخصتی گھر پر ہوگی، ولیمہ کے لئے ہوٹل میں بکنگ کروالو۔" بڑے ابا کی گمبھیر آواز گونجی تو سب ہی نے تائید میں اپنا سر ہلا دیا، پھر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے لپٹ گئے، بڑے ابا کی آنکھ ایاز سے لپٹتے ہوئے بھیگنے لگی، دوسری طرف نور بھی اپنی آنکھیں دوپٹے کے پلو سے صاف کرنے لگیں۔

☆☆☆

لاؤنج میں سارے کزنز جمع تھے، سب ہی کے چہرے خوشی سے کھل گئے تھے، خوش گپیوں کا سلسلہ جاری تھا، راشد بلال کے معنی خیز فقروں نے ماحول کو مزید قہقہوں میں بدل دیا تھا، نور سب کے منہ میں مٹھائی ڈال رہی تھی، زیان نے مٹھائی کھاتے ہوئے ایک طائرانہ جائزہ ماحول میں بیٹھے لوگوں کا لیا، سب ہی موجود تھے، زوہا غائب تھی، وہ آہستگی سے اٹھا اور اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہ اپنے بیڈ کے کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، آنکھوں کے کنارے بے تحاشا رونے سے گلابی ہو رہے تھے، ناک سرخ اور چہرہ پرسوز تھا، وہ اس کے عین سامنے چلا آیا اور روتا دیکھ کر تڑپ کر بولا۔

"تم رو رہی ہو؟" زوہا نے جھجک کر پہلو بدلا تھا، پھر سرعت سے بھیگا چہرہ اپنے دوپٹے سے صاف کرنے لگی، اس کا دل بھرا ہوا تھا، آنکھیں صاف کرنے پر بھی برسے جا رہی تھیں، اس موسلا دھار برسات پر زیان گھبرا ہی گیا تھا۔

زندگی کے میلے میں، خواہشوں کے ریلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں، اس قدر جھمیلے میں
وقت کی روانی ہے بخت کی گرانی ہے
سخت بے زمینی ہے، سخت لامکانی ہے
ہجر کے سمندر میں
تخت اور تختے کی ایک ہی کہانی ہے
تم کو جو سنانی ہے
بات گو ذرا سی ہے
بات عمر بھر کی ہے
عمر بھر کی باتیں کب دو گھڑی میں ہوتی ہیں!
درد کے سمندر میں
ان گنت جزیرے ہیں، بے شمار موتی ہیں
آنکھ کے دریچے میں تم نے جو سجایا تھا
بات اس دیئے کی ہے

بات اس گلے کی ہے
جو لہو کی خلوت میں چور بن کے آتا ہے
لفظ کی فصیلوں پر ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے
زندگی سے لمبی ہے، بات رت جگے کی ہے
راستے میں کیسے ہو!
بات تخلیئے کی ہے
تخلیئے کی باتوں میں گفتگو اضافی ہے
پیار کرنے والوں کی اک نگاہ کافی ہے
ہو سکے تو سن جاؤ ایک دن اکیلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں، اس قدر جھمیلے میں

برسات کا یہ پانی اس کے دل میں سمندر بن کر بہنے لگا، وہ واہموں میں گھرا کھڑا تھا، اس نے سامنے بیٹھی زوہا کے چہرے پڑھنے کی کوشش کی جہاں درد ہی درد تھا، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اس کی مرضی تھی بھی یا نہیں، دل نے سوال کیا تھا۔

''کیا تم خوش نہیں؟'' زیان کے سوال پر اس نے تڑپ کر دیکھا تھا اور پھر اپنا سر جھکا لیا اور زیادہ رونے لگی، زیان سچ مچ اب گھبرانے لگا تھا، اسے روتی بلکتی اس لڑکی کو چپ کروانے کا ہرگز سلیقہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اس کی کوئی بہن نہ تھی، صنف نازک کی نزاکتوں سے بھی لاعلم تھا، نہ جانے کیوں وہ اس قدر رو رہی تھی شاید اسے اپنے ماں باپ یاد آرہے تھے، اس خیال کے آتے ہی اس نے اپنا سر جھٹکا تھا وہ کتنا غلط زوہا کو سمجھ رہا تھا۔

''پلیز خاموش ہو جاؤ۔'' وہ اس کے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہہ رہا تھا اس نے اپنی بھیگی پلکیں دھیرے سے اٹھائیں اور اسے اپنے اتنا قریب بیٹھا دیکھ [illegible] گی، زیان اب اس سے کچھ فاصلے پ[illegible]ا تھا اور پھر بولا۔

''تایا جان [illegible] جان یاد آرہے ہیں نا؟''

''میں نے اپنی زندگی میں خوشیوں کے جتنے چھوٹے بڑے پل دیکھے ہیں، ان سب میں اپنے والدین کو ہی دیکھا ہے، کسی اور رشتے کو نہ چاہنے کی محرومی کا احساس دل میں تو تھا لیکن بابا کی محبت اس کمی کو کچھ پورا کر دیا کرتی تھی، مجھے اپنا بچپن بہت جزئیات کے ساتھ تو یاد نہیں لیکن اتنا یاد ہے ہم عید کے دن بھی گھر میں گزارتے تھے، بابا ہمیں عید کے موقعے پر بھی گھر سے باہر نہیں لے کر جاتے تھے، کیونکہ وہ میرے سوالات کا جواب دیتے دیتے تھک جاتے تھے، ماما ایک اچھی سی کوکنگ میں عید کے دن مصروف ہو جاتی تھیں اور بابا ان کی مدد کرتے تھے، میں ڈولز کے ساتھ کھیلتی تھی، کبھی ٹی وی پر کارٹون مووی دیکھ لی، میری عید کا دن تو بس ایک عام دن کی طرح گزر جاتا تھا، کبھی یہ دن مجھے خاص محسوس ہی نہ ہوا'' وہ بے اختیار ہو کر بولے جا رہی تھی۔

''جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ اپنی زندگی کا آغاز نئے سرے سے کرنے کی کوشش کرو، اب وعدہ کر دیوں آنسو کبھی نہیں بہاؤ گی میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بول رہا تھا اس کی گرم نگاہوں سے اب زوہا جھینپ رہی تھی اپنی باتوں پر اسے ایسی شرمندگی ہونے لگی، چہرے پر پھیلے حیاء کے رنگوں کو دیکھ کر زیان کے ہونٹوں تلے مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''میں آپ کو چاند مبارک کہنے آیا تھا، کل آپ ہم سب کے ساتھ رمضان کے روزوں کا لطف اٹھائیں گی، کل ہی میری انٹرویو کال ہے دعا کیجیے کہ کامیاب ہو جاؤں۔''

''آپ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔'' اس نے جھینپ کر جواب دیا۔

''اتنا یقین۔'' وہ اس کی آنکھوں میں اتر کر

سوال کررہا تھا۔

''جی اتنا ہی یقین ہے۔'' وہ اب خود اعتمادی سے بولی۔

''میرا تو اس بات پر ایمان ہے کہ مستحکم یقین کا صلہ ضرور ملتا ہے، جیسے میرے یقین کا صلہ آپ۔'' اس نے شرارت سے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

''ایک بات سچ کہوں۔'' وہ اچانک اس کی طرف رخ موڑ کر بولی۔

''ہاں۔''

''اتنا یقین بھی اچھا نہیں ہوتا۔'' اس کے لہجے میں شرارت عود آئی۔

''ایسے تو نہ کہو۔'' اس کا چہرہ اتر گیا، جس پر زوہا کھلکھلانے لگی اور وہ زوہا کی ہنسی کی کھنک کو دیکھتا رہ گیا۔

''بہت کم ہنستی ہیں آپ لیکن اچھی لگتی ہیں ہنستی رہا کریں۔'' زیان نے نظریں پھیر لیں اس کے دل میں ہلچل مچلنے لگی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں یونہی بیٹھا رہا تو آپ کے کمرے میں تو آج ہی بڑے ابا نے نکاح پڑھا دینا ہے، چلتا ہوں اب، امی بلا رہی ہیں آپ کو سب باہر بیٹھے ہیں۔''

''سنیں آپ کو میری بات بری لگی۔'' وہ اس کے اچانک بدل جانے والے رویے پر پریشان ہو کر بولی تھی۔

''نہیں...... آپ مجھے اچھی لگیں اس لئے...... کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں اس پر ایک بھرپور نظر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا زوہا اس کو یوں جاتا دیکھ کر لمبی سانس کھینچ رہی تھی زوہا کے لبوں پر ایک آسودہ اور پرسکون مسکراہٹ تھی، دل زیان کی محبت بھری سنگت سے مسرور ہو رہا تھا، اسے یقین تھا آنے والے زندگی کے لمحے اس کے لئے خوشیاں ہی خوشیاں لائیں گے وہ شکر گزار نظروں سے آسمان کو دیکھنے لگی، اس کی کھڑکی سے وسیع آسمان کے ستارے ٹمٹماتے نظر آرہے تھے، چاند کو ڈھونڈتی اس کی نگاہ نے دل سے زیان کے لئے دعا کی تھی، وہ وضو کرنے واش روم کی طرف بڑھنے لگی، اسے اپنے رب کا سجدے میں جا کر شکر ادا کرنا تھا، وہ کھڑکی سے ہٹ کر پلٹی تو دیکھا دروازے پر اب بھی زیان کھڑا ہے۔

رمضان مبارک اللہ تعالیٰ اس رمضان کو ہمارے لئے رحمت ہی رحمت بنا دے آمین کہہ کر مسکرایا۔

وہ شرما کر مسکرانے لگی اور جلدی سے واش روم میں گھس گئی، اب اس کو بھی پیا سنگ رمضان گزارنے کا شدت سے انتظار تھا اور ابھی سجدے کا شکر بھی باقی تھا۔

☆☆☆

''اعتزاز''

مئی کے شمارے میں ثناء کنول کا افسانہ ''اک پل'' حنا اصغر کے نام سے شائع ہو گیا ہے جس کے لئے ہم ثناء کنول سے معذرت خواہاں ہیں۔

سویرا فلک

آج تو گویا پورے آسمان کے ستارے فرش پہ اتر آئے تھے، ہر طرف جگمگ ہو رہی تھی، کاشان منزل میں ہر جانب روشنیاں اور رنگ برنگے پیراہنوں کے رنگ بکھرے ہوئے تھے، اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو سے پورا گھر مہک رہا تھا، ڈھول کی تھاپ کے ساتھ ساتھ ہی ڈیک کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔

جوڑے میں جوہی کی بینی بانہہ میں ہار سنگھار، کان میں جگمگ بالی پتہ، گلے میں جگنو ہار، صندل ایسی پیشانی پر بندیا لائے بہار، گوری کرت سنگھار، گوری کرت سنگھار، ڈیک پر بجتے جواد احمد کے اس گانے کو زیر لب گنگناتے ہوئے اور آئینے کے سامنے خود کو سنوارتے ہوئے وہ اس گانے کو مکمل طور پر انجوائے کر رہی تھی۔

آنکھوں میں کاجل کی سلائی لگاتے ہوئے اس نے اپنے میک اپ کا آخری مرحلہ مکمل کیا اور سبز اور زرد رنگ کے امتزاج والے ہلکے کامدار اور چوڑی دار پاجامے سے ہم آہنگ چنری کا بڑا سا

ناولٹ

دوپٹہ شانے کے ایک طرف ڈالا اور دوسرے شانے پر سیاہ ریشمی گیسوؤں کی چوٹی ڈالی، جس کے بلوں کو موتیے کے گجرے کی لڑیوں سے چھپا دیا گیا تھا، سفید مرمریں ہاتھوں کی کلائیوں میں میچنگ چوڑیاں چڑھا کر اس نے گولڈن سادہ لیکن نسبتاً بڑے بالے کانوں میں ڈالے ہی تھے کہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے موبائل کی بجتی رنگ ٹون نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

''امی کالنگ'' کے چمکتے نام کو دیکھ کر اس نے تیزی سے موبائل اٹھا کر ریسو کا بٹن دبایا اور کانوں سے لگایا تو حسب توقع غصے بھری آواز نے اسے منہ بنانے پر مجبور کر دیا اور وہ منمنا کر بولی۔

''امی صبح سے تو کاموں میں لگی ہوں، اب

اتنی دیر تو لگتی ہے تیار ہونے میں، آخر میرے اکلوتے بھائی کی شادی ہے، اچھا اب ٹینشن نہ لیں، میں بس نیچے آرہی ہوں، ارے نہیں کسی کو نہ بھیجیں، دو ہی تو تھال ہیں میں لے آؤں گی، جی جی فکر نہ کریں میں اچھی طرح لاکڈ کردوں گی کمرہ، بس آپ رکھیں نا فون میں آرہی ہوں۔''

اس نے ماں کو مطمئن کیا اور پھر موبائل کلائی میں بندھے چھوٹے سے پاؤچ میں ڈال کر پاؤچ بند کیا، پیروں میں کولہاپوری چپل چڑھائی اور ڈریسنگ ٹیبل پر دھرے ابٹن اور مہندی سے سجے تھال دونوں ہاتھوں میں ایک ایک اٹھا کر کمرے سے باہر آگئی، باہر راہداری میں کھیلتے بچوں میں سے ایک کو اشارے سے بلوا کر دروازہ لاکڈ کروایا اور خود نیچے جانے والے راستے کی طرف قدم بڑھا دیئے، اس کے ایک ہاتھ میں ابٹن کا تو دوسرے میں مہندی کا تھال تھا، راہداری پر بچے بھی آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھے، وہ ان کو دیکھتے ہوئے اور ''ہٹو بچو'' کا نعرہ لگاتے ہوئے خراماں خراماں قدم بڑھا رہی تھی کہ یکدم اسے لگا کہ اس کے دونوں ہاتھوں سے تھال نکل گئے ہیں، قریب تھا کہ گھبراہٹ کے مارے اس کی چیخ نکل جاتی، اس نے چونک کر سامنے نگاہ کی تو دونوں ہاتھوں میں تھال تھامے مدمقابل کو دیکھ کر اس نے لب سختی سے بھینچ لئے اور تھال کو واپس اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے آگے بڑھائے تو تھالوں کو اور دور کیے جانے پر اس کے چہرے پر مصنوعی غصہ ابھر آیا، تب سامنے والے کی لجاجت بھری آواز نے وریشا واجد کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

''کیوں اپنے ان نازک ہاتھوں کو تکلیف دیتی ہو، کچھ کام ہم خاکساروں کو بھی کہہ دیا کرو نا۔''

''صہیب آپ بھی ناں، باز نہیں آئیں گے، لائیں یہ تھال مجھے دیں آپ یہاں کیا کرنے آئے ہیں، آپ کے ذمے تو کھانے کا انتظام تھا ناں۔''

''لائٹ جانے والی ہے تو ذرا جنریٹر میں پیٹرول چیک کرنے چھت پر جا رہا تھا، مگر تم سارے منصوبے خاک میں ملا دیتی ہو۔''

''کیا مطلب؟'' وریشا نے صہیب کے اس جواب میں آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھا تو اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے دونوں تھال فرش پر دیوار کے کناروں سے لگا کر رکھے اور خود اس کے سبز و زرد چوڑیوں سے بھری نازک کلائی کو نرمی سے تھام لیا اور پھر اس کی کلائی میں بندھے موتیا اور گیندے کے کنگنا کو ذرا سا گھمایا اور سرخ مہندی سے رچے ہاتھ کو ناک سے نزدیک لے جا کر یوں گہرا سانس لیا گویا وہ ان پھولوں اور حنا کی مہک اپنے تن من میں رچا بسا لینا چاہتا ہو اور ایسا کرتے ہوئے ایک گونا اطمینان اس کے گندمی چہرے پر پھیل رہا تھا مگر وریشا کے اندر تو گویا ہلچل مچ گئی تھی اس نے اردگرد دیکھتے ہوئے گھبرا کر تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''خدا کے لئے صہیب کیا کر رہے ہیں آپ؟ کوئی دیکھ لے گا تو بلاوجہ باتیں بنیں گی۔''

وریشا کو یوں نروس ہوتا دیکھ کر اس نے فرش پر سے تھال اٹھا کر واپس اسے تھمائے اور سینے پر ہاتھ باندھ کر ایک طرف ہو گیا اور راہداری میں بھاگتے ہوئے بچوں کو دیکھنے لگا اور زیر لب بڑبڑانے لگا۔

''کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟ کیا لوگ نہیں جانتے کہ ہم منگیتر ہونے کے علاوہ فرسٹ کزن بھی ہیں، کیوں زمانے کو بدنام کرتے ہیں لوگ جب خود ہی دوری......'' صہیب نے جان

بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ کر کن اکھیوں سے اسے دیکھا تو وہ بے چین ہو اٹھی۔

''آپ میری بات کا غلط نہیں لیں پلیز، ہمارے رشتے کی نوعیت میں بدلاؤ آیا ہے تو لوگوں کی نظروں کا زاویہ بھی بدل گیا ہے، یہ بات شاید آپ مرد ہونے کے باعث محسوس نہیں کرتے، پورا گھر بھرا ہے، نیچے مایوں کے پنڈال میں اپنے پرائے سب مہمان جمع ہیں، ایسے میں بے حیائی کے القابات سے نوازنے میں ذرا دیر نہیں لگائیں گے لوگ، بے سروپا باتیں بننے میں ذرا دیر نہیں لگتی، ہمارا رشتہ بہت نازک موڑ پر ہے ابھی اور لوگوں کا تو آپ کو پتہ ہے، خود سب کچھ پاس ہو نہ ہو، دوسروں کو پھلتا پھولتا کم ہی دیکھ پاتے ہیں، بس ایسے ہی لوگوں کی سوچ اور رویے سے ڈرتی ہوں میں۔'' وریشا نے گویا اپنی صفائی پیش کی تھی، پھر گہرا سانس لے کر وہ قدم بڑھانے کو تھی کہ کسی خیال کے تحت رک کر مڑی اور اس کے زمین کو گھورتے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں البتہ اپنی ایک غلطی فہمی آپ دور کر لیں، آپ کا وجود، آپ کا ساتھ یہاں تک کہ آپ کا سایہ مجھے سکون اور عافیت کا احساس دیتا ہے، البتہ آپ کی دوری اور خفگی مجھے خوف، وحشت اور سناٹے کی کھائی میں دھکیل دیتی ہے۔'' وریشا کی رندھی ہوئی آواز پر صہیب چونک کر مڑا اور تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''ارے یار یوں نہ کرو، آئی ایم سوری، غلطی میری ہی تھی، کیا کروں تمہارے اس روپ نے تمہارا دیوانہ بنا دیا تو بس دیوانگی کا اظہار کر بیٹھا، بٹ آئی پرامس اب ایسا نہیں ہوگا، اچھا سنو ایک مشورہ چاہیے تم سے۔'' وہ اچانک سنجیدہ ہوا تھا۔

''کیا مشورہ؟'' وریشا حیرت سے بولی تھی۔

''یار میں سوچ رہا تھا کہ بس اب اپنی رخصتی بھی کروا ہی لوں، کیا خیال ہے؟'' صہیب سے کہا تو ایک لمحے تو وریشا نے اسے گھورا پھر بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔

''اف آپ تو واقعی فضول ہیں؟''

''یار میں تم سے مشورہ مانگ رہا ہوں اور تم ہو کہ مذاق اڑا رہی ہو۔'' صہیب نے منہ بنایا تھا۔

''اوفوہ، ارے رخصتی لڑکیوں کی ہوتی ہے، لڑکوں کی نہیں۔''

''اوہ اس لئے کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو اپنا گھر چھوڑ کر جانا ہوتا ہے۔'' صہیب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جی اب آئیے کچھ عقل شریف میں۔''

''ارے یار تمہارے پیار میں اوپر سے اس قاتل روپ نے دل و دماغ سب بیکار کر دیئے ہیں، بس اب تم آ جاؤ، میری زندگی میں جلدی سے انہیں قابو میں کرنے کے لئے بولو نا، بات کروں امی سے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا۔

''ارے پہلے بھائی کی شادی تو نمٹنے دیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس میں دن ہی کتنے باقی ہیں، بہانے مت بناؤ، مجھے تو تمہارا موڈ ہی نہیں لگ رہا۔'' وہ نروٹھے پن سے بولا تھا۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا، اچھا چلیں جو آپ کی مرضی وہی میری خوشی، اب تو جانے دیں، رسم شروع ہونے والی ہے۔'' وریشا نے منت بھرے لہجے میں کہا اس نے مسکراتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا، تو وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''وریشا تم سو رہی ہو کیا؟'' عمارہ نے نیم وا دروازہ سے جھانکتے ہوئے کہا تو لحاف میں گھسی نیم دراز وریشا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ارے نہیں مجھے دن میں نیند کہاں آتی ہے، بس ایسے ہی تھکن محسوس ہو رہی تھی تو آنکھیں موند لی تھیں، آ جاؤ تم بھی ادھر ہی۔'' وریشا نے لحاف کھسکا کر عمارہ کے لئے جگہ بنائی، عمارہ اس کی خالہ زاد کزن اور اب اکلوتی بھابھی بھی تھی۔

''ہاں یار، میں بھی بور ہو رہی تھی، آج سے تمہارے بھائی صاحب نے آفس جوائن کر لیا ہے اور ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر گھنٹوں اسکرین دیکھنے کا میرا اسٹیمنا کبھی نہیں رہا، پتہ ہے تمہیں۔''

''اچھا جی تو بھابھی جی بور ہو رہی ہیں، یاد آ رہی ہے ناں۔'' وریشا نے شرارتی انداز میں اسے ٹہوکا دیا، وہ دونوں بہت اچھی دوستیں بھی تھیں اس لئے رشتے کے بدلاؤ نے بھی تکلف کی دیوار حائل نہیں کی تھی۔

''بکومت، آپ شاید بھول رہی ہیں میڈم، ہم دونوں پہلے دوستیں ہیں بعد میں نند بھاوج، کتنے دنوں سے تم سے تفصیلی گپ شپ ہی نہیں ہو سکی، پہلے شادی کے ہنگامے رہے پھر دعوتوں نے مصروف کر دیا، تم سناؤ تمہارے ان کے کیا مزاج ہیں، موصوف کی تو موبائل گیلری بھر گئی ہو گی، تمہارے فوٹو لیتے، خوب آگے پیچھے گھوم رہے تھے۔'' اب کی بار عمارہ نے اس کی کھنچائی کی۔

''توبہ ہے یوں الزام تو نہ دھرو، تم نے کہاں دیکھا بھلا، مجھے پوز دیتے ہوئے۔'' وریشا نے نگاہیں چرائیں تو عمارہ ہنس پڑی۔

''ارے ڈیئر ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں، ویسے وریشا تم واقعی خوش نصیب ہو کہ صہیب اتنا چاہتا ہے تمہیں، بات سنو تم بھی اسی قدر چاہتی ہو نا اسے۔'' عمارہ نے سرگوشی سی کی۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے بھلا، تمہیں پتہ ہے کہ ہم بچپن سے ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور ہماری پسند ناپسند، مزاج کس حد تک ملتے ہوئے ہیں، عمارہ میں تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ ہمارے فیصلے کو ہمارے بڑوں نے بھی مان لیا۔'' وریشا نے جذب کے عالم میں کہا۔

''ہاں وریشا، ٹھیک کہہ رہی ہو تم محبتوں کا انجام خوش گوار نہیں ہوا کرتا، سماج نامی اور انا نامی دیواریں اکثر دو دلوں کو ملنے نہیں دیتیں، ویسے وریشا تم نے کبھی سوچا ہے کہ اگر تمہارے معاملے میں بھی تمہیں حمایت کے بجائے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تو؟'' عمارہ نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''پہلے سوچا کرتی تھی بہت ڈرتی بھی تھی، مگر صہیب نے ہمیشہ یہی کہا کہ جو بھی ہو گا ہمیں اسے اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کرنا ہو گا اور آخر اللہ نے کرم کر دیا، اب تو ماشاء اللہ سب سیٹ ہے، صہیب تو ڈیٹ فکس کروانے کے درپے ہیں۔'' وریشا نے شرما کر کہا تو عمارہ نے اس کے سرخ گالوں پر زوردار چٹکی کاٹی۔

''اچھا جی، یہ بات ہے تو آپ آج اس خوشی میں شام میں مجھے اسٹرابیری آئس کریم کی ٹریٹ دے رہی ہیں۔''

''اف توبہ، مر جائے گی کم بخت، اتنی سردی میں آئس کریم کھائے گی تو۔'' وریشا نے اپنے گال سہلاتے ہوئے کہا تو عمارہ نے اس کے انداز کے مزے لیتے ہوئے اس کی کمر پر ایک دھپ بھی رسید کر دی۔

''مریں تیرے دشمن، کنجوس لڑکی، سیدھی طرح ہاں کر دے، نہیں تو مجھے دوسرے طریقے

بھی آتے ہیں۔''

''اوئی ماں، بس کر دے ظالم، سردی میں ایسے کرارے وار نہ کر، کھلا دوں گی ندیدی کہیں کی۔'' وریشا نے گدگدی کے لئے اس کے بڑھے ہاتھوں کو دیکھ کر تیزی سے سر ہلایا تو اس کی حالت دیکھ کر عمارہ کے حلق سے قہقہہ برآمد ہو گیا۔

☆☆☆

''امی بابا کہاں ہیں آپ جلدی آئیں۔''

صہیب نے آفس سے آکر لاؤنج میں موجود شوکیس پر بیگ رکھا اور ہاتھ میں پکڑا ڈبا پکڑ کر کچن میں داخل ہوا تو چولھے کے سامنے کھڑی عفت کو دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔

''ارے آپا آپ؟ آپ کب آئیں؟ امی کہاں ہیں؟'' اس نے کیے بعد دیگرے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''بس دوپہر میں، بچوں کے ایگزامز ختم ہوئے تو شور مچا دیا کہ نانا ابو کے گھر چلیں، ہم نے کرکٹ میچ کھیلنا ہے، ابو بچوں کے ساتھ اوپر ہیں، اب یہ بتاؤ، تم کیوں اتنے بے قرار ہو رہے ہو کہ یوں بچوں کی طرح گھر میں داخل ہوتے ہی امی ابو کی رٹ لگا دی اور پھر بہن کو دیکھ کر نہ سلام دعا کی اور نہ مزاج پوچھا بس سوالوں کی عدالت میں لا کھڑا کیا۔'' عفت آپا نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سر پر دھیرے سے چپت رسید کی تو وہ خجالت سے گردن کھجانے لگا۔

''سوری آپا، وہ دراصل بات ہی کچھ ایسی تھی، مگر نہیں یہ بات میں سب سے پہلے امی ابو کو ہی بتاؤں گا، میں چھت پر جا رہا ہوں، آپ بھی چلیں ناں، آپ کیا کر رہی ہیں یہاں۔''

''میں ذرا بابا کی فرمائش پر گلاب جامن بنا رہی تھی، اب تم بھی آ گئے ہو تو چائے بھی لے کر اوپر آتی ہوں بلکہ ایسا کرو تم فریش ہو کر آؤ، میں یہ گلاب جامن پلیٹ میں نکالتی ہوں، چائے بھی تیار ہی ہے، پھر دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں۔'' عفت آپا نے رخ دوبارہ چولھے کی طرف موڑتے ہوئے کہا تو وہ جی اچھا کہتے ہوئے کچن سے باہر آ گیا، ساتھ ہی صحن میں لگے بیسن پر کھڑے ہو کر ہاتھ منہ دھوئے، پھر عفت آپا کے ساتھ ٹرے اٹھائے چھت پر چلا آیا، عفت آپا کے چاروں بچے عادل، جواد، فاریہ اور ماریہ صہیب کے دیوانے تھے، کیونکہ وہ بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتا تھا، عفت آپا جب بھی میکے آتیں وہ بچوں کو خوب گھماتا پھراتا، کھلاتا پلاتا اور مختلف کھیل کھیلتا تھا، سب ہی اس کی بچوں سے محبت دیکھ کر بے حد خوش ہوتے تھے اور عفت آپا تو جب یوں ماموں کو بھانجے بھانجیوں کے لاڈ اٹھاتا دیکھتیں تو بھائی پر صدقے واری ہونے لگتیں۔

''کتنا خیال رکھتے ہو تم ان کا، ورنہ وہاں ان کے ددھیال میں تو سب کے منہ ہی بنے رہتے ہیں۔'' عفت آپا کے سسرالی ذرا روکھے پھیکے لوگ تھے، ساس سسر صرف دامادوں اور نواسے نواسیوں پر جان چھڑکتے تھے کیونکہ بقول ان کے بیٹیاں تو پرائی ہوئی، ہوئی ہوتی ہیں، پوتے پوتیوں کا کیا ہے سارا دن ہی سر پر سوار رہتے ہیں، بچے تو ہوتے ہیں مگر انتہائی حساس ہونے کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں چھپی نفرت و محبت خوب پہچانتے ہیں، شاید اسی لئے بعض بچے اجنبیوں کی گود میں جا کر کھلکھلاتے رہتے ہیں اور بعض اپنوں کی شکل دیکھ کر کر تک رونا شروع کر دیتے ہیں، شاید عفت آپا کے بچے بھی جانتے تھے کہ کون انہیں دل سے چاہتا ہے، جب ہی وہ کبھی کبھار ملنے آنے کے باوجود، صہیب سے خوب مانوس تھے، ابھی بھی صہیب آتے ہی ان کے ساتھ کھیل میں لگ گیا

تھا، ایسے میں عفت آپا کو اپنے بھائی پر ڈھیروں پیار آ رہا تھا، کیونکہ وہ ماں تھیں اور ماں بچوں کی زندگی میں موجود کسی بھی طرح کی محرومی کو برداشت نہیں کر پاتی، ابھی بھی وہ دل ہی دل میں رب باری تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے، بھائی کو محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھیں، پھر کسی خیال کے تحت انہوں نے اسے آواز دی۔

"صہیب بیٹا چائے تو پی لو، ٹھنڈی ہو رہی ہے اور بچوں تم لوگ بھی آ کر کچھ کھا لو۔" عفت نے بلایا تو صہیب اور بچوں دونوں ہی صاف ستھری چھت پر بچھی دری پر آ بیٹھے، موسم آج معمول سے کم سرد تھا، تو عابد اور جمیلہ بھی جوڑوں کا درد بھلا کر اوپر آ گئے، البتہ دونوں نے خود کو خوب اوڑھ لپیٹ رکھا تھا اور اب کرسیوں پر بیٹھے گھر بیٹی کے ہاتھ کی گرما گرم چائے پیتے ہوئے نواسے نواسیوں کی شرارتیں انجوائے کر رہے تھے۔

"سچ میں عفت، تمہارے جانے کے بعد تو گھر میں بالکل ہی سناٹا ہو گیا ہے، اب تو جب تم اور بچے آتے ہو تب ہی گھر میں زندگی کا احساس ہوتا ہے۔" جمیلہ نے اکلوتی بیٹی کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو عفت نے آ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"ارے میری اماں، اگر میرا بس چلے تو میں یہیں پڑاؤ ڈال دوں۔"

"اللہ نہ کرے، تم اپنے گھر میں خوش آباد رہو۔" جمیلہ بیگم ایک دم ہی ہولا بیٹھیں تو صہیب کو ہنسی آ گئی۔

"لو ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں، بیٹی کے بغیر دل نہیں لگتا، اور اب ان کے مستقل یہاں رہنے کے خیال سے ہی ڈر رہی ہیں۔"

"ارے تم چپ رہو، بیاہی بیٹیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔" جمیلہ بیگم نے صہیب کو گھر کا تو وہ بری سی شکل بنا کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بولا۔

"لو جی ہماری تو قدر ہی نہیں۔" اس کی بسورتی شکل دیکھ کر عفت نے مزے لئے۔

"ویسے امی، ذرا چپکے سے بتایئے یہ باپ بیٹا آپ کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں۔"

"ارے مت پوچھو بیٹا، یہ تمہارا بھائی تو موبائل اور کمپیوٹر میں گھسا رہتا ہے اور ہمارے میاں صاحب، یعنی تمہارے چہیتے ابا جان نے تو گویا ٹی وی اور اخبار سے دوسری شادی کی ہوئی ہے۔" جمیلہ نے گویا دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"توبہ ہے بیگم مبالغہ آرائی کی بھی حد ہوتی ہے اور روزانہ شام کی چائے کے بعد سے لے کر رات کے کھانے تک آپ کا "خاندان نامہ" کون سنتا ہے اور رات میں سونے سے پہلے چائے بنا کر کون کمرے میں لاتا ہے۔" اب کی بار عابد صاحب نے بیگم کو عدالت میں گھسیٹا تو صہیب بھی باپ کے کاندھوں سے آ لگا۔

"رہنے دیں بابا، اب بیٹی آ گئی تو ہم باپ بیٹوں کی محبتوں کی قدر کون کرے گا۔"

"آپ دونوں کی محبت ایک طرف اور میری بیٹی کی ایک طرف۔" جمیلہ بیگم ابرو اچکائے ہوئے کہا تو عفت نے ماں کے رخسار چوم ڈالے۔

"بولو اماں۔"

"اچھا چلیں لڑنا چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ ان نواب صاحب کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ لوگوں نے، خیر سے برسر روزگار ہوئے اور منگنی شدہ ہوئے سال سے اوپر ہونے کو ہے۔"

"ارے میری بیٹی، جیتی رہو، سچ تم نے

میرے منہ کی بات چھین لی، میں یہی سوچ رہا تھا اسی بہانے گھر میں رونق بھی لگ جائے گی۔'' عابد صاحب سچ میں خوش ہو گئے، انہیں اپنی بھتیجی سے بہت محبت تھی۔

''ہاں بھئی میں بھی سوچ رہی ہوں، وہ بچی ایسی پیاری اور خوش مزاج کہ کم از کم اس سے ہی دل لگا رہے گا میرا۔'' جمیلہ کے لہجے میں بھی وریشا کے لئے محبت تھی۔

''جی جناب نوشے میاں آپ کی کیا رائے ہے اس بارے میں۔'' اب کہ عفت کا رخ صہیب کی جانب تھا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں، جیسے آپ بڑوں کی مرضی۔'' صہیب نے معصوم سی شکل بنا کر نظریں جھکا کر کہا تو جمیلہ نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اس کی کئی بلائیں لے ڈالیں۔

''کیسا فرمانبردار بچہ ہے میرا۔''

''اماں آپ اس کی شکل پر نہ جائیں، ایسے ہی شرما حضوری کی ایکٹنگ کر رہا ہے آپ کے سامنے، ورنہ مجھ سے پوچھیں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں میں، دل میں تو اس کے لڈو پھوٹ رہے ہیں اس وقت۔'' عفت آپا کا شرارتی لہجہ پر اس نے حیرت سے انہیں چونک کر دیکھا۔

''دھت تیرے کی، لڈو سے یاد آیا، میں مٹھائی تو نیچے ہی بھول آیا۔'' وہ ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''کیسی مٹھائی؟'' اب کی بار عفت چونکی تھی۔

''ارے میری پروموشن کی مٹھائی۔''

''ارے واہ مبارک ہو بہت بہت۔'' عفت کھلکھلا اٹھیں۔

عابد نے اس کا ماتھا چوما تو ماں نے بانہیں وا کر دیں، وہ جمیلہ کے قدموں میں آ بیٹھا۔

''جیتے رہو میرے بچے، اللہ تمہیں یونہی خوش و خرم اور پھلتا پھولتا رکھے۔'' انہوں نے چھوٹے بچے کی طرح اس کے لمبے چوڑے وجود کو اپنی آغوش میں بھر لیا تو لمحے بھر کو اسے ان کی ممتا کی تپش پا کر یونہی لگا کہ گویا وہ واقعی ایک چھوٹا سا بچہ ہو، ممتا میں اور ماں کے لمس میں واقعی جادو بھرا ہوتا ہے، بندہ لمحوں میں خود کو آسمانوں پر محسوس کرنے لگتا ہے، دنیا کے رنج و غم اور مصائب سے دور، وہ بھی نم آنکھوں سے یہی محسوس کیے جا رہا تھا، ایسے لمحے نصیب والوں کی زندگیوں میں آتے ہیں، اس لئے عفت نے خاموشی سے بڑے بیٹے کو مٹھائی لانے بھیج دیا، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ دعاؤں کی قبولیت کے لمحے سر کتے دیر نہیں لگتے اور بعض اوقات تو غافل انسان خود ان لمحوں کو ضائع کر دیتا ہے اور وہ غافل نہیں رہنا چاہتی تھیں اس لئے خود بھی ماں کے پہلو میں آ بیٹھی تھیں، عابد صاحب مسکراتے ہوئے ماں اور بچوں کی محبت کو دیکھ رہے تھے، آسودگی ان کے چہرے پر عیاں تھی۔

☆☆☆

''بہت بہت مبارک ہو آپ کو، سچ میں بہت خوش ہوں آپ کی پروموشن پر۔'' رات دس بجے کھانے سے فارغ ہو کر صہیب نے اپنی پروموشن کی نیوز دینے کے لئے میسج کیا تو اس نے فوراً ہی کال کر کے اسے وش کیا تھا، خوشی کی ترنگ اس کی آواز سے بھی واضح طور پر محسوس کی جا سکتی تھی، مگر صہیب اپنے لئے اس کے چہرے اور آنکھوں میں اترتے رنگ خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے بے چین ہوا اٹھا تھا اور اپنی اس خواہش کا اس نے فوراً ہی وریشا سے اظہار بھی کر دیا جیسے وہ یہ موقع ضائع نہ کرنا چاہتا ہو۔

''وریشا میں اپنی یہ خوشی تمہارے ساتھ بھی سیلبر یٹ کرنا چاہتا ہوں، بولو آؤ گی نا؟''

''لو جی کر لو گل، یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے، ویسے بھی میں آپ کو یوں خالی خولی مٹھائی پر بخشنے والی ہوں نہیں، ٹھیک ٹھاک ٹریٹ لوں گی آپ سے چائنا ٹاؤن میں، بولیں منظور۔'' اس کی شرارتی آواز ابھری تو صہیب تو جھوم ہی اٹھا۔

''بالکل جناب منظور۔''

''مگر صہیب ایک مسئلہ ہے؟'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی تو وہ چونک اٹھا۔

''کیا ہوا خیریت؟''

''آپ کو اپنی درخواست پہلے اقوام متحدہ میں جمع کرانی پڑے گی، یو نو آپ کی چچی جان کی منگنی کے بعد یوں گھومنا پھرنا، ملنا ملانا کچھ پسند نہیں۔'' وہ افسردگی سے بولی تو صہیب نے اسے تسلی دی۔

''ڈونٹ وری یار، عفت آپا ہے ناں، ہمارا سفارتی سفیر، منٹوں میں مسئلہ حل ہو جائے گا، سو چل اینڈ ریڈی فارفن۔'' اسے شگفتہ لہجے سے وریشا کے لہجے میں پھر بشاشت پیدا ہوگئی۔

''او کے باس، آپ بھی تیار رہیے اپنا والٹ خالی کرنے کے لئے۔'' وہ ہنسی تو صہیب بھی کھلکھلا اٹھا تھا۔

عفت آپا نے واقعی اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا اور وہ اپنے وعدے کے مطابق اسے چائنا ٹاؤن لے آیا تھا، جہاں آرڈر دینے کے بعد اب وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے، میرون کلر کا سوٹ پہنے اور شانوں کے گرد میرون اور کیمل کلر کا دوپٹہ لپیٹے، لائٹ میک اپ اور ڈھیلے ڈھالے انداز میں باندھی گئی پونی ٹیل کے ساتھ وہ سیدھا صہیب کے دل میں اترے جا رہی تھی، اس کی گلابی رنگت اور گلابی ہوگئی تھی، چہرے پر بکھرے شرمیلے رنگ صہیب کو ایسا دیوانہ بنا رہے تھے کہ وہ چاہا کر بھی اس کے چہرے سے نظر نہیں اٹھا پا رہا تھا اور وریشا جو بظاہر ارد گرد دیکھنے کے باوجود خود پر اس کی تکی نظریں واضح طور پر محسوس کر رہی تھی پزل ہونے لگی تھی، آخر اس سے رہا نہ گیا اور وہ بول ہی اٹھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں، کیا پہلی بار دیکھا ہے، لوگ کیا کہیں گے۔''

''اونہہ، ڈونٹ ڈسٹرب می، اب جانے کب ملاقات ہو، میں تمہارا ہر نقش دل و دماغ میں محفوظ کر لینا چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے کی گمبھیرتا ہر حجاب کے مارے اس کی ہتھیلیاں بھیگ گئیں۔

''اچھا باتیں بنانا چھوڑیں یہ بتائیں پرموشن اور اپ گریڈیشن کے بعد آپ کے کام کی نوعیت وغیرہ کیا ہوگی۔'' اسے سنجیدہ ہوتا دیکھ کر صہیب بھی سنجیدہ ہوگیا، ویسے بھی وہ خود بھی اس سے یہ سب شیئر کرنا چاہتا تھا، وہ اس کی منگیتر ہونے کے ساتھ اس کی ہم مزاج ہونے کے باعث دوست بھی تھی، اس لئے وہ اسے مکمل تفصیلات سے آگاہ کرنے لگ گیا۔

''بس یار وہ نیا ڈائریکٹر آیا کمپنی میں تو شاید اپنی ویلیو بڑھانے کے لئے اس نے کچھ مثبت تبدیلیاں کیں، کچھ لوگوں کی تنخواہیں بڑھائیں، کچھ کی رکی ہوئی پرموشن کروائیں، بس انہی خوش نصیبوں میں میرا نام بھی آگیا۔''

''چلیں یعنی آپ کے آفس میں آئی تبدیلی خوش آئندہ ثابت ہوئی۔'' وریشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے، مگر پرموشن کے ساتھ ذمہ داریاں بھی بہت بڑھ گئی ہیں، ظاہر ہے زیادہ تنخواہ دیں گے تو کام بھی تو لیں، ورکنگ آور بھی

بڑھ جائیں گے۔" صہیب نے مزید تفصیل بتائی تو اس بار وہ خوش ہونے کے بجائے تقریباً چیخ اٹھی۔

"بارہ گھنٹے، آپ نے کیوں ایکسپٹ کی ان شرائط پر پروموشن۔"

"وریشا بچوں جیسی باتیں مت کرو، یہ تو ناشکری ہوئی اور محنت کریں گے تو ہی صلہ ملے گا، کمپنی نے ہم پر اعتبار کیا، ہمیں اس قابل سمجھا، ہمیں پروموٹ کیا تو کیا اب ہماری ذمہ داری نہیں کہ ہم بھی اپنی وفا داری اور اہلیت ثابت کریں مالکان پہ۔" اس نے رسان سے کہا تو وہ نسبتاً دھیمے لہجے میں بولی۔

"بٹ آئی ایم وریڈ، اتنی محنت کر کے خدانخواستہ آپ بیمار نہ ہو جائیں۔"

"یار یہی تو عمر ہے کام کرنے کی، آج محنت کریں گے تو کل بیٹھ کر کھائیں گے نا، ویسے بھی اب پریکٹیکل لائف شروع ہونے والی ہے، تم میری زندگی میں آنے والی ہو تو میری ذمہ داریاں بھی بڑھ جائیں گیں۔" صہیب نے اس کا نرم گلابی مخروطی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"آپ میری فکر میں ہلکان نہ کریں خود کو، میرے لئے سب سے اہم آپ کا وجود ہے، اللہ کے کرم سے نہ میں ایسی خواہشوں کی ماری اور چیزوں کی ترسی ہوئی ہوں کہ میری تمنائیں اور آرزوئیں پوری کرنے کے لئے آپ خود کو خوار کریں اور نہ ہی ایسی آسائشوں کی عادی ہوں کہ میرے اسٹیٹس کے شایان شان زندگی فراہم کرنے کے چکر میں آپ اپنی زندگی اجیرن کر ڈالیں، پلیز میں جیسی ہوں ویسی ہی خوش ہوں، میری خاطر خود کو ہلکان نہ کریں۔" وہ اب روہانسی ہونے لگی تھی، وہ صہیب کو بے پناہ چاہتی تھی اور محبت کرنے والے محبوب کی ذرا سی بے آرامی پر بھی تڑپ اٹھتے ہیں۔

"میری جان تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے تو میں اس قدر مطمئن ہوں تمہیں پا کر، کیونکہ تم حال میں اور حقیقت میں زندہ رہنے والی ہو، لیکن پگلی کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہی ہے، دیکھو بی پریکٹیکل میرے اوپر امی بابا کی ذمہ داریاں بھی ہیں، پھر آگے کل کو ہمارے بچے ہو جائیں گے ان کے بہتر مستقبل کے لئے بھی تو کچھ پلان کرنا ہے یا نہیں۔" وہ اب دھیرے دھیرے اس کی ہتھیلی کی پشت سہلا رہا تھا، بچوں کے ذکر پر وہ بلش ہو گئی، تو وہ ہنس پڑا۔

"پاگل لڑکی ہم متوسط طبقے کے لوگوں کا یہی تو مسئلہ ہے کہ نہ ہم گھر کے دروازے پر کاٹن کا پردہ ڈال کر اپنا احوال بیان کر سکتے ہیں نہ فخر و غرور سے، گردن تان کر خود کو برانڈ کانش کی لائن میں کھڑا کر سکتے ہیں، یعنی صاف کھلتے نہیں، سامنے آتے بھی نہیں کہ مصداق، گویا ایک طرح سے منافقوں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔" اس مرتبہ صہیب کے لہجے میں تلخی در آئی تھی، جسے وریشا نے بہت گہرائی سے محسوس کیا تھا، وہ اس وقت ایک فرسٹڈ نوجوان لگ رہا تھا، جو کرنا کچھ چاہتا ہیں اور کرتے کچھ ہیں، بے بس اور مجبور، وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اس کا موڈ کیسے بدلے، صد شکر ویٹر کھانا لے آیا چائینیز رائس اور بھاپ اڑتے منچورین نے ٹیبل پر آتے ہی رونق لگا دی، من پسند مینو سامنے دیکھ کر دونوں کا موڈ بھی خود ہی بدل گیا، دونوں نے ہنستے ہوئے ایک دوسرے کو شروع ہو جانے کا اشارہ کیا اور اپنی پلیٹوں میں کھانا ڈالنے لگے۔

☆☆☆

"پھر کیا سوچا ہے آپ نے؟" نزہت نے

قہوہ کی پیالی میاں کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا تو واجد جو ٹی وی کا ٹاک شو دیکھنے میں مگن تھے چونک اٹھے۔

''ہونہہ، کس بارے میں بھئی؟'' انہوں نے پیالی تھامتے ہوئے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے کیا بالکل ہی یادداشت چلی گئی ہے آپ کی اور پہلے ذرا یہ ٹی وی بند کریں، تاکہ میری بات دھیان سے سن سکیں۔'' نزہت میاں کا رخ واپس ٹی وی کی طرف مڑتے دیکھ کر چڑ گئیں۔

''اوہ کیا مصیبت ہے بھئی، ایک تو تمہارے سارے مسئلے اسی وقت کھڑے ہوتے ہیں بندہ سکون سے ٹی وی بھی نہیں دیکھ سکتا، بولو کیا بات ہے، کیا آفت آن پڑی ہے۔'' واجد کو یوں بیوی کا بولنا سخت برا لگا تھا، وہ یوں بھی اپنی مرضی اور مزاج کے خلاف بات کیے جانے پر برہم ہو جاتے تھے، نزہت نے میاں کا پارہ ہائی ہوتے دیکھا تو مجبوراً اپنا لہجہ مدھم کر لیا، کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ اگر واجد ایک بار بھڑ گئے تو ایک طرف تو انہیں ٹھنڈا کرنا مشکل ہو جائے گا اور دوسری طرف ان کی بات بھی ادھوری رہ جائے گی، اس لئے اب کی بار وہ مدھم لہجے میں صفائیاں دیتے ہوئے میاں سے مخاطب ہوئی تھیں۔

''آپ مصروف ہوتے ہیں، اب گھر کے مسئلے مسائل تو گھر میں ہی ڈسکس کیے جاتے ہیں، پھر آپ کو پتہ ہے میں جب تک دل کی بات آپ سے نہ کرلوں اطمینان نہیں ہوتا مجھے۔''

''ہونہہ ٹھیک ہے، اب بول بھی دو۔'' واجد کا لہجہ ہنوز بگڑا ہوا تھا۔

''آپ کو بتایا تھا نا، آج مغرب کے بعد عابد بھائی جمیلہ بھابھی عفت کے ساتھ آئے تھے، بتا رہے تھے کہ صہیب کی پروموشن ہو گئی ہے، مٹھائی بھی لائے تھے اور چاہ رہے تھے کہ اب ہم وریشا اور صہیب کی ڈیٹ فکس کر دیں، دسمبر میں ڈھائی سال ہو جائیں گے خیر سے منگنی کو، میں نے کہا آپ سے بات کر کے بتاؤں گی کہ کون سی ڈیٹ مناسب رہے گی؟''

''اچھا تو یہ اہمیت رہ گئی ہے میری، تم سے کس نے کہا کہ میں وریشا کی شادی کروں گا ابھی، اور عابد بھائی کو توفیق نہیں ہوئی کہ میں وریشا کا باپ ہوں سربراہ ہوں، میرے سامنے بات کرتے۔'' واجد نے خالی پیالی باقاعدہ ٹرے میں پٹختے ہوئے کہا تو نزہت میاں کے بدلے تیور دیکھ کر بری طرح چونک پڑیں، انہیں لگا تھا بیٹی کی شادی کی بات سن کر ان کا موڈ بہتر ہو جائے گا، مگر یہ ان کی خام خیالی نکلی، پھر بھی انہوں نے حتی الامکان خود پر قابو پاتے ہوئے ایک بار پھر میاں کو صفائی دینے کی کوشش کی۔

''آپ دس بجے تک نہیں آئے تو عابد بھائی نے جانے کا کہا کیونکہ سردی بڑھ رہی تھی، عفت آئی ہوئی تھی اس لئے وہ لوگ چلے آئے آپ کو پتہ ہے عفت سسرال کی وجہ سے بمشکل ہی نکل پائی ہے، آپ ذرا ٹھنڈے مزاج سے سوچیے، اچھا ہے ہم بیٹی کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو جائیں گے ڈھائی سال معمولی عرصہ تو نہیں، اتنے طویل عرصے منگنیاں رہنا مناسب نہیں، میں تو صرف اسی لئے کہہ رہی تھی کہ اسی سال کی ڈیٹ فکس ہو جائے تو اچھا ہے۔''

''ڈھائی سال ہو گئے صہیب پانچ سالوں سے نوکری کر رہا ہے اور پہلی دفعہ پروموشن سننے میں آئی ہے، کتنی تنخواہ ہو گئی ہوگی صاحبزادے کی جو شادی کی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہو گئے

ہیں، بات سنو نزہت بیگم میری بیٹی مجھ پر بھاری نہیں ہے اور میں یوں اس کے مستقبل کو داؤ پر نہیں لگا سکتا، سمجھ گئیں تم۔'' واجد کی طنطناتی آواز نے نزہت کے اندر تہلکہ مچا دیا تھا، انہوں نے بے یقینی سے شوہر کی طرف دیکھا اور ڈوبتے دل کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں واجد صاحب، میں بالکل نہیں سمجھی، کیونکہ یہ رشتہ آپ کی منشا پر ہوا تھا، بچوں کی پسند میں آپ بھی راضی تھے، صہیب آپ کا بھتیجا آپ کو بہت عزیز تھا، اس کی کردار اور شرافت کے گن گایا کرتے تھے آپ، اب یہ یکایک وہ آپ کی بیٹی کے لئے نا اہل کیسے ثابت ہو گیا ہے، میں نہیں سمجھی واجد صاحب۔''

''تم سمجھ بھی نہیں سکتیں، کیونکہ تم ایک بے وقوف عورت ہو، میں بھی تمہارے ساتھ رہ کر احمق ہو گیا تھا، آنکھوں پر پٹی بندھ گئی تھی میرے، بھلے بچے اپنا اچھا برا کیا جانیں اور زندگی گزارنے کے لئے محض شرافت کافی نہیں، ماضی میں، میں نے ایک غلط فیصلہ کر دیا تو اب وقت آ گیا ہے کہ میں اسے سدھاروں، وریشا کی شادی اب صہیب سے نہیں ہو گی، صاف کہہ دو ان سے میری طرف سے یہ رشتہ ختم سمجھیں۔'' واجد صاحب تنفر سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور لاؤنج سے چلے گئے اور کمرے سمیت نزہت کے وجود میں سناٹا سما گیا۔

☆☆☆

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ واجد نیازی کے آگے کھڑا تھا، محبت یونہی مجبور کر دیا کرتی ہے، وریشا کی محبت نے اسے یہ عدالت لگانے پر مجبور کر دیا تھا جبکہ وہ جانتا تھا کہ تمام کاروائی بے معنی ٹھہرے گی کیونکہ آج وہ اپنے چچا کے نہیں بلکہ ایک بزنس مین کے آگے کھڑا تھا، جس کے لئے زندگی کی حیثیت ایک کاروبار جیسی رہ گئی تھی، مگر صہیب اپنی زندگی کے لئے، اپنی وریشا کے لئے، اپنی زندگی کے سب سے مشکل موڑ پر کھڑا تھا، ناخدا کے آگے جھکنا، ایمان والے کے لئے بڑا تکلیف دہ عمل ہوتا ہے، مگر وہ سب بھلا کر سراپا سوال تھا۔

''چچا جان! یہ امیری اور غریبی کی دیواریں اپنوں کے درمیان کھڑی نہیں کی جاتیں، ہم آج آپ کا اسٹیٹس بھلے ہی کم کیوں نہ ہو مگر کیا ہمارے درمیان موجود رشتہ، خونی رشتہ ناپید ہو گیا ہے جو یوں یکایک آپ نے اپنوں کو بھلا دیا ہے، کیا واقعی دولت میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ محبت کا دم توڑ دے اور احساس کو فنا کر دے؟''

''تم ہوتے کون ہو مجھے صحیح غلط کا فرق بتانے والے؟ مجھ سے سوال جواب کرنے والے؟ میں اپنی اولاد کا اچھا برا تم سے زیادہ سمجھتا ہوں، تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم وریشا کے راستے سے ہٹنے کا کیا لو گے، میں خوب جانتا ہوں تم جیسے موقع پرستوں کو، تم وریشا کے ذریعے میری دولت تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ میں دو جمع دو کرنے کا عادی، دو میں دو نکالنے کا نہیں، سو ٹیل سی یور آفر اینڈ اسٹاپ دس آل ڈرامہ۔'' الفاظ تھے کہ برچھیاں، صہیب کو لگا کہ واجد نیازی نے پے در پے وار کر کے اس کا وجود لہولہان کر دیا ہے مگر وہ مرد مومن تھا، سو تن کر کھڑا تھا، زخموں کو چھپا کر دیدہ دلیری سے مسکراتے ہوئے دشمن کو زیر کرنے کے لئے اس نے اپنا کاری وار چلایا تو واجد نیازی درد سے بلبلا اٹھے۔

''ہر چیز بکاؤ نہیں ہوتی مسٹر واجد نیازی اور صہیب کا ایمان تو ہرگز بکاؤ نہیں، ویسے اگر کوئی حلال کمائی کا ایک آنہ دے کر مجھے خریدنا چاہے تو میں سوچ سکتا ہوں مگر افسوس، صد افسوس آپ

کے پاس تو وہ بھی نہیں اور آپ کیا ہم سے لاتعلقی کا اعلان کریں گے، آج میں خود آپ کو عزت کے اس منصب سے دستبردار کر رہا ہوں، جو بڑوں کو دیا جاتا ہے کیونکہ آپ آپ بڑے نہیں رہے بہت چھوٹے ہو گئے ہیں۔''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' زہر خند لہجہ واجد نیازی کے رگ و پے میں سرائیت ہو رہا تھا۔

''اپنی عزت اپنا آپ سب کو پیارا ہوتا ہے اور ہم ہمیشہ اپنے آپ کو الگ اور دوسروں کو الگ نظر سے دیکھتے ہیں واجد نیازی نے بھی جب تک کے پتھر صہیب پر برسائے تو انہیں اس کے لہولہان ہوتے وجود کی اذیت محسوس نہیں ہوئی مگر جب بے عزتی کا یہی زہر انہیں خود پینا پڑا تو وہ اندر تک جھلس گئے، زہر بھی آگ کی طرح ہی تو ہوتا ہے، فرق بس اتنا ہے کہ آگ اوپر سے جھلساتی اور زہر اندر سے جھلسا کر سب گلا دیتا ہے، تکلیف وہی تو نہیں ہوتی جس کا زخم دنیا کو دکھائی دے بعض اوقات نہ دکھائی دینے والا ناسور زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

عمارہ کافی کا مگ لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو اسپورٹس چینل میں مگن یاسر دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک اٹھا، پھر مسکراتے ہوئے اپنی طرف بڑھایا ہوا کافی کا مگ عمارہ کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں میں منتقل کر لیا۔

''تھینکس یار، واقعی بڑی طلب ہو رہی تھی۔''

''کوئی بات نہیں، میں آپ کی اپنی ہوں کوئی غیر تو نہیں۔'' عمارہ نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے برابر میں بیڈ کی دوسری جانب آ کر بیٹھ گئی۔

''ٹھیک کہا، ویسے کافی مزیدار بنی ہے۔''

یاسر اب چسکیاں لے رہا تھا مگر اس کی نظریں بدستور ٹی وی اسکرین پر تھیں۔

''ویسے یاسر اگر اپنوں میں احساس کا رشتہ ختم ہو جائے تو اپنائیت بھی ختم ہو جائے گی بلکہ سرے سے رشتوں کا ہی وجود نہیں رہے گا ہے نا؟'' عمارہ بھی اب کافی کے گھونٹ حلق میں اتار رہی تھی۔

''کیا بات ہے فلسفہ بول رہی ہیں ہماری بیگم صاحبہ آج تو، ویسے بجا فرمایا آپ نے۔'' اب کہ یاسر نے عمارہ کی طرف دیکھ کر زیر لب مسکراتے ہوئے کہا اور نگاہوں کا رخ دوبارہ ٹی وی کی طرف کر دیا۔

''میں زندگی کی حقیقت بیان کر رہی ہوں یاسر، ویسے مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اقرار کیا ہے کہ آپ اس حقیقت سے باخبر ہیں، یعنی آپ اتنے بے خبر نہیں، جتنا میں سمجھ رہی تھی۔'' عمارہ کے لہجے کی سنجیدگی اور مبہم لفظوں کی گردان نے یاسر کو اپنی توجہ ٹی وی کی طرف سے ہٹا کر عمارہ کی طرف کرنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا ہو گیا ہے؟ آج یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ خیریت تو ہے؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟''

''مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کرنے کے بجائے اگر آپ اپنے گرد و پیش پر ایک نظر ڈالتے ہوئے خود سے بس ایک سوال پوچھ لیتے کہ آپ اس قدر بے حس کیسے ہو گئے تو زیادہ بہتر ہوتا یاسر۔''

''یا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا تم میرا دماغ خراب کرنے پر تلی ہوئی ہو یہ بے معنی و بے سروپا باتیں کر کے، سیدھی بات کرنی ہے تو کرو ورنہ جاؤ یہاں سے۔'' عمارہ کا دل تو چاہا کہ وہ واقعی چلی جائے کیونکہ وہ خود کئی دن سے بہت کچھ برداشت کر رہی تھی، اپنوں کی تکلیف، اپنی تکلیف

سے کم اذیت ناک تو نہیں ہوتی، وریشا اسے جان سے زیادہ عزیز تھی، مگر وریشا کو لے کر جس قدر تلاطم گھر میں برپا تھا اسی قدر یاسر نے چشم پوشی اختیار کی ہوئی تھی اور یہی چیز یہی رویہ عمارہ کو اس نہج پر لے آیا تھا کہ واقعی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بول رہی ہے، یا اسے کیا بولنا چاہیے مگر اس وقت اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اگر اس وقت اس نے ہوش کے بجائے جوش سے کام لیا تو معاملہ شاید اس کی توقع سے زیادہ الجھ جائے گا، اس لئے اس نے بدقت تمام خود پر قابو پایا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے یاسر کے عین مقابل آکر بیٹھ گئی۔

''آئی ایم سوری اصل میں یاسر میں اتنی اپ سیٹ ہوں کہ......'' اس کا گلا رندھنے لگا تو یاسر کا لہجہ یکسر مدھم ہو گیا۔

''اٹس او کے مگر دیکھو عمارہ بات کو صاف اور واضح طریقے سے کرنے کی عادت ڈالو ورنہ یہ مبہم الفاظ بلاوجہ کی غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں، ناؤ بی ریلیکس اور کہو کیا ہوا ہے۔''

''یاسر وریشا ٹوٹ رہی ہے اس کا وجود لمحہ لمحہ بکھر رہا ہے، پلیز یاسر میری دوست اور اپنی بہن کو کھونے سے بچا لیں پلیز۔'' عمارہ اب بری طرح سسکنے لگی تھی، یاسر نے ایک گہرا سانس لے کر اسے اپنی آغوش میں بھر لیا اور دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

''عمارہ وریشا مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی تمہیں، لیکن اس معاملے میں، میں کچھ نہیں کر سکتا اور جب مجھے پتہ ہے کہ میرا ہر عمل لاحاصل ٹھہرے گا تو کیا فائدہ ایسی کوشش کا۔''

''تو کیا آپ یہ سب خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہیں گے؟'' اس نے نم آنکھوں سے یاسر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو یاسر نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور پھر اپنے بالوں میں انگلیاں پھنساتے ہوئے بولا۔

''نہیں، میں بھی نہیں دیکھ سکتا یہ سب، کون اپنوں کو ڈوبتا ہوا دیکھ سکتا ہے، میں بھی اس اذیت سے گزرنا نہیں چاہتا اس لئے میں بلکہ ہم جا رہے ہیں اس طوفان سے دور، تاکہ ہم اس سونامی کی لہروں سے محفوظ رہ سکیں، میں نے آسٹریلیا میں مستقل سکونت کا سوچ لیا ہے، مجھے اب یہاں واپس آنا ہی نہیں ہے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں یاسر، ہم فرار ہو جائیں گے۔'' وہ تڑپی۔

''نہیں ہم صرف اپنی حفاظت کی خاطر یہ مقام چھوڑ جائیں گے یہ ہمارا بنیادی حق ہے۔'' یاسر کا لہجہ اٹل تھا۔

''اور ہمارا فرض؟ ہمارا فرض کیا ہے یاسر، بطور بھائی، بطور انسان یوں اپنوں کو منجدھار میں چھوڑ جانا، نہیں میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی، یہ خود غرض کر کے ہم انسانوں کی فہرست سے نکل جائیں گے، واجد انکل کے پارٹنر کا بیٹا بھلے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، وریشا کبھی اسے صہیب کی جگہ نہیں دے پائے گی پلیز۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''جذباتی باتیں مت کرو، میں نے فیصلہ کر لیا ہے، اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم اس میں شامل ہو یا نہ ہو، چاہو تو میرے ساتھ چلو، چاہو تو ساتھ چھوڑ دو، میں اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا، میری اپنی بھی زندگی ہے۔'' وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''میں آپ کی ہم سفر ہوں، ہمیشہ آپ کے ساتھ چلوں گی، آپ کی ہمقدم رہوں گی، مگر کیا آپ میرا اتنا سامان رکھ سکتے، میری خاطر، وریشا کی خاطر، اپنا بھرم نہیں توڑ سکتے، پلیز یاسر آپ

ہماری آخری امید ہیں، صرف ایک بار بات کر کے تو دیکھیں۔'' اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ ڈالے تو یاسر کے ارادے ڈھے سے گئے، اس نے گہری سانس لے کر عمارہ کے ہاتھ تھام لئے۔

''ٹھیک ہے صرف پہلی اور آخری، تم دونوں کی خاطر میں اس چٹان سے ٹکراؤں گا مگر سوچ لو اگر شکست میری ہوئی تو زخم خوردہ بھی میں ہی ہوں اور پھر ساری عمر میں اسی شکستگی میں گزاروں گا، یہ جنگ لاحاصل ٹھہرے گی، آئی نو۔'' یاسر کے لہجے میں شکستگی اور بے چارگی تھی۔

''محبت اور جنگ میں سب جائز ہے نا یاسر، لڑائی میں خون تو بہتا ہے، زخم تو لگتا ہے مگر جب فتح باطل کے بجائے حق کی ہو جائے تو تاریخیں رقم ہوتی ہیں اور آنے والی نسلوں کے لئے روا چین ہی چین لکھتا ہے۔'' اس کے لہجے کی مضبوطی نے یاسر کو بھی مضبوط کر دیا تھا۔

☆☆☆

اسکولوں میں موسم سرما کی تعطیلات ہوئیں تو عفت بچوں کو لے کر میکے آ گئیں، پھر بچوں کے ہی اصرار پر صہیب کو پکنک پر جانے کے لئے تیار کیا اور بچوں کے معاملے میں تو اس نے ویسے ہی کبھی انکار نہیں کیا تھا سو عفت اور بچوں کو لے کر وہ الہ دین آ گیا، دن کا وقت تھا لیکن موسم کے معتدل ہونے کے باعث الہ دین میں خاصا رش تھا، بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل کر صہیب تھک کر گھاس پر آ بیٹھا، مگر بچے کہاں تھکنے والے تھے، انہوں نے جھولوں پر سواری کے لئے شور مچا دیا تو عفت صہیب کو وہیں ٹھہرنے کا کہہ کر خود بچوں کو رائیڈس ایریا کی طرف لے گئیں، صہیب نے پشت ایک درخت کے تنے سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں، ہلکی خنکی لئے نرم لطیف گوشے اسے نیند کی آغوش میں سمیٹنے کو کمربستہ ہو گئے اس نے بھی جسم و جاں کو ڈھیلا چھوڑ دیا کبھی کبھی ہار جانے میں بھی لذت سی ہوتی ہے، مگر کوئی تھا جسے اس کی ہار منظور نہ تھی، نرم گرم ہاتھوں نے اس کی کلائی کو پکڑ کر ہلایا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہوش میں آنا پڑا۔

ایک تو وہ زبردستی جگائے جانے پر سخت بدمزہ ہوا تھا پھر مقابل کو دیکھ کر تو وہ یوں بلبلایا گویا شیر پر کسی شکاری سے وار کر دیا ہو، وہ غرا اٹھا تھا۔

''تم کیوں آئی ہو یہاں۔'' اتنے کٹھور پن کا تو وریشا نے خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا، شدت توہین سے اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں، صد شکر کہ اپیا اور عمارہ ساتھ تھیں۔

''میں نے بلایا ہے اسے۔'' عفت اپیا کا لہجہ اس سے بھی کرخت تھا۔

''مگر کیوں؟'' وہ ہنوز سارے لحاظ بھولا ہوا تھا۔

''اس لئے کہ مجھے صرف تمہاری ہی نہیں اس کی مدد بھی کرنی تھی اور ویسے بھی میں اب تم دونوں کے درمیان ''پل'' کا کردار ادا نہیں کر سکتی، تم لوگوں کو جو کچھ کہنا سننا ہے کہہ لو، بس خیال رکھنا کہ رشتوں کا مان قائم رہے۔'' اپیا بظاہر دونوں سے مخاطب تھیں مگر ان کی نظریں صہیب کے چہرے کی تنی ہوئی رگوں کی جانب تھیں۔

''اپیا ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ دونوں کے لئے اور ہم سب کے لئے یہی بہتر ہے کہ آج آپ لوگ کوئی فیصلہ کر کر ہی اٹھیں۔'' عمارہ نے دھیرے سے وریشا کا تھاما ہوا ہاتھ چھوڑا اور عفت اپیا کے ساتھ کولڈ ڈرنکس کے اسٹال کی طرف قدم بڑھا دیئے، ان دونوں کے چاروں جانب جتنا شور تھا، درمیان میں اتنی ہی خاموشی تھی، چند

لمحے یوں ہی چپ چاپ سرک گئے، بڑھی ہوئی شیو اور کملائی ہوئی رنگت کے ساتھ وہ جتنا بے نیاز دکھائی دے رہا تھا دراصل تھا نہیں، بھیگی پلکوں میں گھری اداس آنکھیں اس سے پوشیدہ نہ تھیں مگر اگر وہ خود کمزور پڑ جاتا تو اسے مضبوط کیسے بناتا، خود ساختہ انا کے خول میں خود کو جکڑ کر وہ کس مشکل سے سانس لے رہا تھا، وہ چاہ کر بھی وریشا کو بتا نہیں سکتا تھا اور وریشا جو بمشکل خود پر قابو رکھے ہوئے تھی آخر کار ضبط کی لگا میں تھام کر اس پتھر کو مخاطب کر ہی بیٹھی کہ کسی تو پہل کرنی ہی تھی اور پھر محبت تو ہر دم محبوب کے سامنے سرنگوں رہنے کو تیار رہتی ہے، سو اس نے بھی بڑی امید سے سرخ گلابوں سے سجا کارڈ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

''یہ آپ کے لئے۔''

''یہ کیا ہے؟'' صہیب نے بھی مجبوراً کارڈ تھاما تھا۔

''آپ خود دیکھ لیں۔'' وہ زیر لب مسکرائی تو صہیب نے اچنبھے کے ساتھ کارڈ کھول کر اندر لکھی تحریر پڑھنا شروع کر دی جو اسے ہی مخاطب کر کے لکھی گئی تھی۔

لیا تھا ایک وعدہ تم نے مجھ سے
ہمیشہ خوش ہی رہنا ہے
تو دیکھ لو
میری آنکھوں کو دیکھو تم
یہ کتنی شوخ لگتی ہیں
میرے ہونٹوں کو دیکھو تم
کوئی بھی غم اگر آیا
اسے ہنس کر سہا میں نے
میرے چہرے کو دیکھو تم
ہمیشہ پر سکوں ہوگا
تو سوچو گے
کیا تھا میں نے جو تم سے
وہ وعدہ کر دیا پورا
مگر ایک بات ہے پیارے
کبھی جو وقت مل جائے
تو میری شاعری پڑھنا
کہیں تلخی بھرا جملہ
کہیں یہ سرد سا لہجہ
کہیں لہجے کی کڑواہٹ
سنو......!
میں خوش تو ہوں لیکن
لہو ہر لفظ روتا ہے

نظم کے آخر میں ''سالگرہ مبارک'' کے الفاظ پڑھ کر اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کارڈ آہستگی سے گھاس پر رکھ دیا، آج چھبیس دسمبر تھی، اس کی سالگرہ تھی، مگر اسے تو اپنا دھیان ہی کب تھا، مگر وہ خود اب تک وریشا کے دھیان میں تھا۔

''یہ کیا بچکانہ حرکت ہے وریشا؟ آخر تمہیں کس طرح سمجھانا پڑے گا؟'' اب کی بار بھی صہیب کا لہجہ دھیمانہ تھا۔

''میرے جذبوں کو بچکانہ حرکت کہہ کر بے مول تو نہ کریں۔''

وریشا جو اس سے مسکراہٹ بھرے شکریے کی توقع کر رہی تھی، اس کا اکھڑا لہجہ دیکھ کر سسک اٹھی۔

''یہ بات تم کو مجھ سے نہیں، ان سے کہنی چاہیے جو محبت خلوص وفاداری اور وضع داری کو ڈھونگ کہتے ہیں، جو رشتوں کو ان کی قدروں کو تجارت سمجھ کر نفع نقصان کے پلڑوں میں تولتے ہیں۔'' اس کا لہجہ ہنوز تلخ تھا، وریشا کے آنسوؤں کا اس پر چنداں اثر نہیں ہوا تھا۔

''آپ کی تلخی بجا ہے، لیکن اس سارے

معاملے میں میرا کیا قصور ہے بھلا؟'' وریشا نے ٹشو سے اپنے گیلے رخسار خشک کرتے ہوئے کہا۔

''تو کیا میرا قصور ہے؟'' اس کا لہجہ اور کڑوا ہو گیا تھا۔

''صہیب پلیز یوں راستہ تو نہ بدلیں، میں آپ کی اس قدر بے رخی اتنی بے اعتنائی نہیں سہہ سکتی اور آپ مجھے ٹھکرانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو مجھے میری خطا تو بتا دیں پلیز۔'' وریشا کا سارا وجود ملتجی ہو چلا تھا مگر وہ تو گویا پتھر ہو چلا تھا۔

''وریشا تم اپنا اور میرا وقت ضائع مت کرو، ان تمام باتوں کا اب کوئی مقصد نہیں جو ہو رہا ہے اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لو، میرے اور تمہارے راستے اب الگ الگ ہیں، تم اس حقیقت کو جتنا جلدی تسلیم کر لو، اتنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے، کیونکہ حقیقت کا وجود کڑوی گولی کی مانند ہوتا ہے جسے نگلنا مشکل ضرور ہوتا ہے مگر اسی امر میں اس کا فائدہ چھپا ہوتا ہے، اپنے درد کو شکست دینا اب تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔''

''چلیں شکر آپ نے میرا درد محسوس تو کیا ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ آپ بالکل ہی اجنبی ہو چلے ہیں۔'' وریشا نے زخمی لہجے میں کہا تو صہیب نے اپنا نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبا لیا، اور پھر شرٹ کے گریبان میں اٹکے سن گلاسز آنکھوں پر چڑھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میرے خیال میں بہت دیر ہو گئی ہے، میں اپیا اور بچوں کو بلا کر لا رہا ہوں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وریشا کی نظروں سے اوجھل سا ہو گیا اور وریشا کو لگا کہ اس کی زندگی میں سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔

☆☆☆

یاسر باہر چلا گیا تھا، باہر جاتے ہی اس نے سر توڑ کوشش کر کے فقط چھ ماہ میں عمارہ کا ویزہ بھی لگوا لیا تھا، عمارہ اپنی پیکنگ کر رہی تھی، دوسری صبح اس کی فلائٹ تھی اس کے اور اپنے لئے کافی بنا کر اس کی مدد کی غرض سے اس کے کمرے میں ہی چلی آئی تھی۔

''عمارہ تم بیٹھ جاؤ اب، ویسے بھی تمہاری کنڈیشن ایسی نہیں کہ تم یوں متواتر لگی رہو، دیکھو پیر کتنے سوج رہے ہیں تمہارے، اپنا نہیں تو میرے آنے والے بھتیجے بھتیجی پر ہی رحم کر دو، ابھی اتنا لمبا سفر بھی کرنا ہے تمہیں۔'' وریشا نے زبردستی سوٹ کیس اپنی طرف گھسیٹ لیا تو وہ مسکراتے ہوئے بیڈ کراؤن کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔

''ارے ہاں یہ گاجر کا حلوہ ضرور کھا لو، امی نے خاص طور پر تمہارے لئے بنایا ہے۔'' وریشا نے ٹرے میں رکھی حلوے کی پلیٹ اٹھا کر عمارہ کو دی تو وہ ایک دم رونے لگ گئی، وریشا گڑبڑا گئی اور تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

''عمارہ کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، امی کو بلاؤں یا ڈاکٹر کے پاس چلیں۔'' وریشا اس کے بال سنوارتے ہوئے بولی تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنی نم آنکھیں ہتھیلیوں کی پشت سے خشک کیں اور وریشا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''وریشا بعض دفعہ ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی، وہ سب کرنا پڑتا ہے جو ہم سے زندگی کے بہت سے رنگیں لمحے، خوشیاں اور محبتیں چھین لیتا ہے، میں تم لوگوں کو تم لوگوں کی محبتوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی مگر یاسر، وہ بہت دلبرداشتہ ہو گئے تھے اور پلیز تم ان کی طرف سے بھی کوئی میل دل میں نہ لانا، ان کے بس میں ہوتا تو وہ تمہیں بھی یہاں سے بہت دور لے جاتے، مجھے بھی معاف کر دینا کہ میں ایسے حالات میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر جا رہی ہوں، کاش حالات کو اپنی مرضی

کے مطابق ڈھالنا ہمارے بس میں ہوتا وریشا تو......'' وہ سسکنے لگی تھی، اس کی حالت دیکھ کر وریشا کا دل بھی بھر آیا تھا، مگر موجودہ حالت کے پیش نظر اس نے نمکین پانی کے گولے کو حلق سے اتارا اور عمارہ کو گلے لگایا، پیٹھ سہلائی پھر شانوں سے تھام کر اسے دوبارہ ٹیک لگوادی۔

''بے وقوف لڑکی، میں نہ تم سے ناراض ہوں نہ بھائی سے، بس میری قسمت میں ہی لکھا تھا یہ دکھ اور تم ایسی منفی باتیں مت سوچو، اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں سوچو، تم نے وہی کیا اور کر رہی ہو جو ایک اچھی بیوی کو کرنا چاہیے، ویسے بھی عمارہ فاصلے بے شک راستوں میں آ جائیں مگر دلوں میں نہیں آنے چاہئیں، تم پلیز خود کو یوں ہلکان نہ کرو، خیال رکھوا اپنا، نہیں تو بھائی تمہاری یہ اجڑی شکل دیکھ کر سمجھیں گے کہ ہم نے ان کی بیوی کا خیال نہیں رکھا۔'' وریشا نے شرارت سے اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے کہا تو عمارہ پھر ہنس دی، لیکن اگلے لمحے وہ پھر متفکر نظر آنے لگی۔

''وریشا تم بھی تو اپنا خیال رکھو، آنٹی کو بھی تمہیں ہی دیکھنا ہے، کیسے حلقے پڑ گئے ہیں تمہاری آنکھوں میں، تم کتنی اپ ٹو ڈیٹ رہتی تھیں اور اب تو جانے کب سے تم نے پارلر کی شکل نہیں دیکھی، اپنے لئے نئے جوڑے نہیں بنائے، اس ایک شخص کے پیچھے تم نے گویا اپنی زندگی ہی تیاگ دی ہے، جب وہ تمہاری پرواہ نہیں کر رہا تو تم کیوں بے وجہ جوگ لئے بیٹھی ہو اس کی خاطر؟''

''مجھے معلوم ہے عمارہ، یہ سب لاحاصل ہے لیکن بلیومی میں یہ سب جان بوجھ کر نہیں کر رہی، مجھے اب اپنی زندگی کا کوئی مقصد نہیں لگتا، زندگی بے رنگ و بے کیف ہو گئی ہے، میں خود چاہتی ہوں کہ صہیب کو بھلا دوں اس کو اپنے من کے سنگھاسن پر اس دھڑلے سے براجمان نہ رہنے دوں مگر میں کر ہی نہیں پا رہی عمارہ، میں اس بے خودی کے ہاتھوں خود بہت مجبور و بے بس ہوں، اپنی لاچاری پر مجھے غصہ بھی آتا ہے لیکن عمارہ وہ جس کو اپنا سب کچھ مان لیا، اپنے جینے کی وجہ بنا لی، اپنی دعاؤں کو مرکز بنا لیا اب تم ہی بتاؤ کہ کیا یہ سب ممکن ہے، کیا یہ اتنا آسان ہے کہ صہیب کی جگہ میں کسی اور کو دے سکوں، محبت تو شاید بار بار ہو جاتی ہے مگر عشق یہ موا تو قبر تک بھی جان نہیں چھوڑتا، تم نے دیکھا ہے نا مزاروں پر دیوانہ وار رقص کرتے عشق کے پجاریوں کو، ان کا جینا مرنا وہ ہی واحد مقام و وجہ ہوتی ہے تم مجھے بھی ایسی پجارن سمجھ لو، اندھی گونگی بہری جسے اپنا دیوتا کے آگے کچھ سجھائی نہیں دیتا پھر بے شک وہ پتھر ہی کیوں نہ ہو؟ تم حلوہ کھاؤ ٹھنڈا ہو رہا ہے، کافی تو ٹھنڈی ہو ہی گئی ہے میں گرم کر کے لاتی ہوں اور پھر پیکنگ نمٹاتی ہوں، تم خبردار کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانا، میں بس پانچ منٹ میں آتی ہوں۔''

وریشا اس کے گال تھپتھپاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور عمارہ اس کی پشت کو دیکھتی سوچنے لگی۔

''کیا واقعی عشق ایمان کو بھی متزلزل کر دیتا ہے؟''

☆☆☆

بعض اوقات زندگی انسان پر پے در پے ایسے وار کرتی ہے کہ اسے سنبھلنے کیا، اپنوں زخموں پر پھائے رکھنے اور مرہم لگانے کا بھی موقع نہیں مل پاتا، وریشا کی زندگی میں بھی ایسا ہی ہو رہا تھا، ایک جانب تو اس کے دل پر لگے باپ کی سنگدلی اور اکلوتے بھائی اور عزیز سہیلی کی دوری کے زخم ہی نہ بھر پائے تھے کہ دوسری طرف سے اسے یہ روح فرسا خبر ملی کہ صہیب نے اپنا ٹرانسفر کراچی

سے اسلام آباد کروا لیا ہے اور اس سے بھی گہرا گھاؤ اسے تب لگا جب اسے عفت اپیا نے فون پر یہ کہا کہ ''ورشا اب بہتر ہوگا کہ تم بھی ہوش کے ناخن لو، سب کچھ بھول کر اسی طرح اپنی زندگی کا نیا آغاز کرو، جیسے صہیب نے کر دیا ہے، اب کسی کو بھی قصوروار ٹھہرانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، زندگی میں ہونے والی ان تمام انہونیوں کو نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کرلو، ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے، وہ میرا اکلوتا بھائی اور امی ابو کا اکلوتا بیٹا ہے، ہمیں بھی بڑے ارمان تھے کہ ہم دھوم دھام سے اس کی شادی کرتے مگر اب جب کہ اس نے اپنی آفس کولیگ وردہ کو اپنی زندگی کا ساتھی بنالیا تو ہم سب نے بھی اس کے فیصلے کو مان لیا ہے، اب جو کچھ بھی ہو چکا ہے، اس پر رونے پیٹنے، ماتم کرنے سے وہ بدل تو نہیں جائے گا، البتہ زندگی گزارنا مزید دشوار اور کٹھن ہو جائے گا، اس لئے بہتر ہوگا کہ تم بھی اب کوئی نہ کوئی فیصلہ کرلو۔'' اپیا نے تو یہ کہہ کر فون بند کر دیا مگر وہ ساکت بیٹھی موبائل کی تاریک ہوتی اسکرین کو دیکھتی چلی گئی اسے لگا کہ اس کی زندگی میں موجود امید کی واحد شمع جو صہیب کے مان جانے اور لوٹ آنے کی باقی تھے، وہ بھی بجھ چکی ہے اور اس کی زندگی بھی موبائل اسکرین کی طرح تاریک اور سیاہ ہوگئی ہے جس میں کچھ دکھائی اور سجھائی نہیں دیتا، قریب تھا کہ صدمے سے اس کی اپنی دھڑکنیں بھی یونہی غائب ہو جاتیں روشن ہوتے موبائل اسکرین کی زوردار رنگ ٹون نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

''عمارہ کالنگ'' کے الفاظ سے گویا اس میں زندگی کی لہریں دوڑا دیں ایمو پر اس کی کال تھی، اس نے فوراً اوکے کا بٹن پریس کر دیا اور پھر سسکیوں کی آواز سے اس کا پورا کمرہ گونج اٹھا، عمارہ خاموشی سے اس کا درد بانٹتی رہی، دوست اور غمگسار کی یہی تو خوبی ہے کہ وہ بے شک دکھ ختم نہیں کر سکتے مگر اس کی اذیت کم ضرور کر دیتے ہیں، اچھا دوست روشن دیا بن کر تاریکی کے احساس کو کم کر دیتا ہے، عمارہ نے بھی یہی کیا۔

''مجھے اپیا نے سب بتا دیا ہے اور وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں ورشا کہ تمہیں اب کوئی فیصلہ کرنا ہے کیونکہ جب تک زندگی چلتی رہتی ہے قدم اٹھانا پڑتے ہیں ورنہ روندے جانے کا خدشہ ہوتا ہے اور جو خود کو روندے جانے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں وہ دراصل خودکشی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ خودکشی حرام ہے، میری جان اپنے ایمان کو بار بار داؤ پر نہ لگاؤ، تم نے پہلی غلطی یہی کی کہ تم نے ایک شخص کو ایک انسان کو سب کچھ سب کچھ مان لیا، سب کچھ تو صرف خدا ہے نا ورشا اور اب تمہاری دوسری غلطی یہ ہوگی کہ تم نے اوپر والے کی دی ہوئی زندگی کو بے مول کر دوگی، اپنی زندگی میں صحیح سمت کا تعین کرو، تم پر اور بھی لوگوں کا حق ہے، تم پر کچھ فرائض بھی ہیں، تمہیں اپنے ہر ہر عمل کا حساب دینا ہے اور سب سے بڑھ کر تمہیں راضی رہنا ہے کیونکہ ہم بشر ہیں اور یہی ہماری بندگی کا تقاضا ہے، مجھے امید ہے کہ اب تم مزید کوئی حماقت نہیں کروگی اور اگر تم نے ایسی فاش غلطی کی تو ساری زندگی دوراہے پر کھڑی رہ جاؤ گی، یاسر آفس سے آگئے ہیں، میں چائے بنانے جارہی ہوں ٹیک کیئر۔'' عمارہ کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ ورشا نے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لئے خشک کر لیں، عمارہ ہی کے کہنے پر اس نے ایک قریبی پرائیویٹ اسکول میں جاب کر لی، جہاں عین عمارہ کے کہنے کے مطابق آدھا دن بچوں کی معصوم باتوں اور شرارتوں میں گزر جاتا تو باقی بچا

آدھا دن پرائیوٹ اسکولز کی تھکا دینے والی سرگرمیوں میں نکل جاتا ہے، اس نے اب کسی قسم کی پلاننگ کرنا چھوڑ دی تھی، نہ خود دن بھر کی تھکا دینے والی روٹین کے بعد اس کا دل و دماغ کچھ سوچنے کی سعی کر پاتے لیکن ابھی اس کی زندگی کے نشیب و فراز باقی تھے۔

☆☆☆

قدرت کے کھیل بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں، وہ کب کس کے وقت نصیب کے لپیٹے کو گھما کر بلندیوں پر پہنچا دے پانشیبوں کی نظر کر دے، کچھ پتا نہیں چلتا، کسی کو خبر نہیں ہوتی، واجد نیازی کو بھی خبر ہی نہیں ہوئی اور وہ عرش سے لا کر فرش پر پٹخ دیئے گئے اور اور کی ہوس میں مبتلا ہو کر فراڈ جیسا سنگین جرم کر بیٹھے، گو کہ صہیب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہیں ضمانت پر رہا کرا لیا تاہم ان کے حصے میں آئی بے عزتی اور بدنامی نے ان کے غرور کو اور ذات کو ایسا چکنا چور کیا کہ وہ دل پکڑ کر بیٹھ گئے، لیکن ابھی ان کے لئے قدرت نے راہ آسان نہیں کی تھی کہ وہ دنیا کی قہر برساتی نظروں اور زبانوں سے چھٹکارا پا لیتا، اس لئے صرف اٹیک ہونے کے باعث وہ زمانے کی تھو تھو لینے کے لئے بچ گئے۔

بچ کیا گئے بس اس فانی دنیا سے فرار حاصل کرنے میں ناکام رہے بیوی جو ان کی شریک حیات تھی، بظاہر ان کے ساتھ کھڑی تھی مگر ان کے خاموش لب اور بولتی آنکھیں گویا واجد نیازی کے اندر تک گڑے جاتی تھیں، بیٹے نے آنے سے انکار کر دیا، بیٹی تو پہلے ہی بددل تھی اور ان کا پارٹنر عبید اور اس کا اکلوتا بیٹا، واجد نیازی کا ہونے والا داماد انہیں پھنسا کر اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے انہیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر باہر نکل گئے، وریشا نے تو پہلے ہی اس نام نہاد رشتے کو دل سے قبول نہیں کیا، وہ منگنی کی تقریب میں ہی نزہت کے ہاتھ جوڑنے کے باعث ایک بت کی طرح شریک ہوئی تھی اور آج جسے اسے دیو کی قید سے رہائی ملی اس نے انگوٹھی اتار کر واجد نیازی کے سامنے ڈسٹ بن میں ڈال دی۔

''اب کم از کم آپ اور مما مجھے نافرمان ہونے کا طعنہ تو نہیں دے سکیں گے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر پلٹ گئی، اسے ہاسپٹل کے بیڈ پر پڑے اس وجود سے اب کوئی لگاؤ نہیں تھا، شاید وقت نے اسے پتھر بنا دیا تھا، بس ایک صہیب تھا جو پتھر کے جواب میں پتھر مارنے کا قائل نہیں تھا، وہ آج اس واجد نیازی کے لئے فرشتہ بن گیا تھا جس کے لئے وہ کبھی فرعون بن گئے تھے۔

''آپ بالکل پریشان نہ ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا، میرے لائق کوئی بھی خدمت اور کام ہو تو بلا جھجک کہیے گا، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔'' وہ آج کئی راتوں سے ان کے ساتھ رکا ہوا تھا، واجد نیازی نے بہت سارے دن اپنی ہمت باندھنے میں لگائی پھر اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''میں اس قابل تو نہیں مگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دو، تم ان سب کو بھی کہو کہ مجھے معاف کر دیں، جن کا نہ میں اچھا بھائی بن سکا نہ باپ نہ شوہر، خدا کے لئے مجھے اس سولی کے تختے سے اتار لو، میرا دم گھٹنے لگا ہے، میں اس اذیت سے نکلنا چاہتا ہوں، میں سکون سے مرنا چاہتا ہوں، سکون سے مرنا چاہتا ہوں۔'' وہ بلک بلک کر بچوں کی طرح رو رہے تھے، صہیب نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے دونوں ہتھیلیوں کی بیچ میں دبا لیا، ان کی سسکیاں مدھم پڑنے لگی تھیں، اپنوں کے ہونے کا احساس ایسا ہی اثر پذیر ہوا کرتا ہے۔

☆☆☆

صبح ہمیشہ خوبصورتی اور خوش امیدی سے بھرپور ہوتی ہے، نرم لطیف صاف ستھری ہوائیں اور تازہ تازہ جگمگاتی کرنیں تو چرند پرند کو بھی ثنائے ربی پر مجبور کر دیتی ہیں، انسان تو پھر انسان ہے، آج کی صبح تو اسے ویسے بھی اپنی زندگی میں آئی کئی صبحوں سے زیادہ حسین لگ رہی تھی، کیونکہ آج اسے بڑے عرصے بعد اس کی اپنی زندگی میں اجالے بکھیرنے کی نوید ملی تھی، وہ آہستگی سے چلتا ہوا نامحسوس طریقے سے اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا، وہ گیندے کی پھولوں کی باڑ کے پاس ان کی خوبصورتی میں کھوئی ہوئی تھی، دھانی کلر کی پلین لیمن شرٹ اور اسی رنگ کے پرنٹڈ دوپٹہ اور ٹراؤزر پہنے وہ خود اس سبزے کا ہی ایک حصہ لگ رہی تھی، شوخ ہوا نے اس کی چٹیا سے نکلی لٹوں سے اٹھکیلیاں کیں تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور نرمی سے اس کے صبیح رخساروں کو تنگ کرتی لٹوں کو اپنی انگلیوں کی مدد سے ان کی شرارت سے باز رکھنا چاہا تو وریشا چونک کر پہلے تو پلٹی پھر صہیب کو مدمقابل دیکھ کر وہ یوں بدک کر پیچھے ہٹی جیسے اسے کسی عفریت کو دیکھ لیا ہو، اس کی آنکھوں میں پھیلی اجنبیت اور چہرے پر چھائی رکھائی نے لمحے بھر کو صہیب کے حوصلے پست کیے مگر پھر اس نے اپنی توتوں کو یہ سوچ کر یکجا کیا کہ وریشا کے اس ردعمل کا ذمہ دار بھی تو وہ خود ہی ہے، اس نے خود ہی تو اپنے ناشائستہ رویے اور سنگ دلی سے اسے خود سے اتنا دور کیا تھا، یہاں تک کہ اس کی اس نفرت کو پانے کے لئے اسلام آباد میں شادی کرنے کی جھوٹی افواہ بھی اس نے خود ہی اڑائی تھی، صرف اسی لئے کہ وہ اس سے دور ہو جائے مگر اس وقت صہیب کو خود یہ علم نہیں تھا کہ حالات یوں رخ بدل جائیں گے۔

''وریشا پلیز جو گیا اسے بھول جاؤ، ایسا کرنا میری مجبوری تھی۔''

''مجبوری...... ہاہ...... صہیب صاحب، ہمارے معاشرے میں مرد نہیں، عورت مجبور ہوتی ہے اور آپ نے اس امر کو صادق ثابت کیا ہے، پہلے مجھے پسند کیا، منگنی کی پھر جب آپ کو یہ سب نامناسب لگنے لگا آپ کی انا آڑے آنے لگی تو آپ نے اپنی ''میں'' کے آگے میرے وجود کی سراسر نفی کر دی، اپنی عزت نفس کی خاطر، میری عزت اپنی نظروں میں اس حد تک گرا دی کہ میرے احساسات و جذبات آپ کو ڈرامہ لگنے لگے اور آج پھر آپ اپنی محبت کا دعویٰ کرنے آن پہنچے ہیں، کیوں کیا میں آپ کو موم کی گڑیا دکھائی دیتی ہوں جسے آپ جو مرضی چاہیں کہ شیپ دے دیں گے یو آر رانگ آئی ایم ناٹ اے ڈول مسٹر صہیب میں انسان ہوں، جیتی جاگتی سانس لیتی، جسے تکلیف ہوتی ہے، درد ہوتا ہے، ٹھیس لگتی ہے۔'' وہ سسکنے لگی تھی، صہیب نے چاہا کہ اس کے رخساروں کی نمی اپنی انگلیوں کی پوروں میں چھپا لے تو اس نے نفرت سے صہیب کا ہاتھ جھٹک ڈالا۔

''تم اس تمام رویے کے ساتھ بالکل صحیح ہو وریشا، مگر پلیز مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا حق ہے، وہ میری انا نہیں تھی، جس کی وجہ سے میں پیچھے ہٹا وہ تمہاری عزت تھی جس کا میں نے تحفظ چاہا، میں تمہیں بھگا کر نہیں لے جانا چاہتا تھا، یہ جو گلی گلی محبت کے تماشے دیکھتی ہو نا تم جس میں محبت سرراہ بدنام ہوتی ہے، یہ محبت نہیں ہوتی وریشا، تم سے کورٹ میرج کرنا کیا مشکل تھا مگر مجھے منظور نہیں تھا کہ میری وریشا پر میری محبت پر عمر بھر کے لئے گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کا الزام لگ جائے، صرف اس لئے تم سے فرار حاصل

کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا میں، اب اگر تم ابھی بھی مجھے سزا کا حق دار سمجھتی ہو تو تم اپنے فیصلے میں آزاد ہو۔'' صہیب کو لگا کہ شاید اب وہ پگھل جائے گی مگر اس نے ٹھیک کہا تھا وہ موم نہیں تھی اس لئے صہیب کی محبت کی آنچ بھی اسے پگھلا نہیں پا رہی تھی، وہ ہنوز رخ موڑے کھڑی تھی، صہیب بھی مایوسی کے عالم میں قدم پیچھے ہٹانے کو تھا کہ عمارہ کی آواز نے اسے کے قدم روک لئے اور وریشا کو رخ موڑنے پر مجبور کر دیا۔

''رک جائیں صہیب بھائی، اس بے وقوف لڑکی سے تو میں نمٹتی ہوں۔'' وریشا عمارہ کو یوں اچانک دیکھ کر ویسے ہی ہکا بکا تھی، اس کے انداز نے گویا اسے حق دق ہی کر دیا۔

''تم سمجھتی کیا ہو خود کو ہر بار تمہاری مرضی چلے گی، پہلے تم ہر بات ہر نکتہ بھلا کر اس پر مصر تھی کہ صہیب بھائی کوئی انتہائی اسٹیپ لیں جبکہ اگر وہ خود بھی تمہاری طرح نادانی میں کوئی جذباتی اسٹیپ لے لیتے تو سوچو آج تم دونوں نہ صرف زمانے سے بلکہ ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے ہوتے وریشا محبت تو قدم قدم پر پڑی ہے، مگر اصل محبت وہی ہے جو محبوب کی ذات کی قدر و منزلت کو پہنچائے، محبت رسوا کرنے کا نام نہیں لڑکی، سمجھ جاؤ، چھوڑ دو اپنی ضد اور بے جا من مانی۔''

''عمارہ تم بھی، تم میری دوست ہو کہ میری ہی سائیڈ نہیں لے رہی ہو؟'' وریشا نے شاکی نظروں سے عمارہ کو دیکھا تھا مگر اس سے پہلے کہ عمارہ کوئی جواب دیتی یاسر نے آ کر اسے ٹوک دیا۔

''رہنے دو عمارہ، ہمارے سمجھانے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہونے والا اسے اب یہی منا سکتے ہیں۔'' یاسر نے لاؤنج اور لان کے درمیان بنے سلائیڈنگ ڈور کی طرف اشارہ کیا تو سب ہی کی نظروں کا رخ اس طرف ہو گیا، عفت آپا مسکراتی ہوئی راہداری عبور کر رہی تھی اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وریشا کے سامنے آ کھڑی ہوئیں، وریشا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہنسے یا روئے، وہ چپ چپ سب کو باری باری دیکھنے لگی، کہ اچانک قلقاری مارتے دو ننھے گل گوتھنوں نے اسے بیک وقت ہنسنے اور رونے پر مجبور کر دیا اور اس نے پرام میں لیٹے بھتیجا بھتیجی کی گود میں سر رکھ دیا، ہر چہرہ پھول کی مانند مسکرا اٹھا، سب نے تالیاں بجا دیں، گلاس ڈور کے اس پار وہیل چیئر پر بیٹھے واجد نیازی بھی نم آنکھوں سے مسکرا دیئے، تو نزہت نے ان کے شانوں پر رکھے اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر دی اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر جیٹھانی کو کال ملانے لگیں۔

وریشا اور صہیب کھلے ہوئے گیندے کے پھول کو ایک ساتھ دیکھا اور کھل کر مسکرا دیئے۔

وصل اور ہجر کی ساعتوں کے بغیر محبت کی گہرائی کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے، محبت میں سچائی اعتبار، خلوص، وفا اور احترام میں سے کسی ایک جذبے کا بھی احساس نہ ہو تو محبت کا وجود نا پائیدار رہتا ہے۔

☆☆☆

عزہ خالد

وہ جب ہنستی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے گھر کے درو دیوار بھی اسے ہنستے دیکھ کر خوش ہیں بولنا اور بے تحاشا بولنا اس کی عادت تھی اسے اگر گھر کی رونق کہا جاتا تو غلط نہ تھا سارا دن امی، بھابھی اور عمار کے کان کھانا اور بابا کے آفس سے آنے کے بعد سارے دن کی روداد ان کے گوش گزار کرنا اس کی عادت تھی عمار کبھی کبھی کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیتا ''تو یہ عینا کتنا بولتی ہو تم؟''

یہ جملہ سنتے ہی عینا صاحبہ منہ پھلا لیتی اور پھر سارا دن عمار سے بائیکاٹ رہتا وہ بیچارا مناتا مناتا تھک جاتا اور پھر آئس کریم اور پیزا جیسی رشوت دے کر اسے منانے میں کامیاب ہوتا، عینا کو منانا اس لئے بھی ضروری تھا اگر بابا کے کانوں تک یہ خبر پہنچ جاتی کہ ان کی لاڈلی کو کچھ کہا گیا ہے تو بس پھر عمار کی خیر نہیں تھی اور عینا تو شکایت لگانے میں ماہر تھی دو کی چار اور چار کی آٹھ بنانے کی اس کا کوئی ثانی نہیں تھا شام کی چائے بابا اپنی لاڈلی کے ساتھ پیتے تھے اس دوران عینا کوئی قصہ نہ سنائے یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

''بابا آج مسز نیازی اور مسز خان میں اتنی لڑائی ہوئی اتنی لڑائی ہوئی کہ پوچھیں مت۔''

''کون مسز نیازی؟'' بابا کا خیال تھا کہ کوئی آس پڑوس کی خاتون ہوں گی۔

''ہماری اکنامکس کی لیکچرار۔'' عینا ان کے سوال پر بدمزہ سی ہو جاتی آخر اتنی بار انہیں مسز نیازی اور مسز خان کا بتا چکی ہے پھر بھی بھول جاتے ہیں۔

''اور بابا پتہ ہے انہوں نے مسز خان کو اتنی سنائی اتنی سنائی کہ پوچھیں مت۔'' عمار بالکل اسی کے انداز میں اگلا جملہ بول دیتا، عمار کو یوں اپنی نقل اتارتے دیکھ کر اس کی آنکھیں ماتھے پر پہنچ جاتیں، سامنے جو پڑا نظر آتا عمار کو دے مارتی۔

''صبح سے دس بار سنا چکی ہو یہ بات، مجھے حفظ ہو چکی ہے کہو تو اگلا جملہ بھی بتا دوں؟'' عمار شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھتا۔

''عمار.....'' وقار صاحب عمار کو گھورتے جنہوں نے اس کی لاڈلی کی بات کاٹ کر اس کی نقل اتار کر اسے خفا کر دیا تھا۔

''بابا یہ سارا دن بولتی رہتی ہے یہ جو واقعہ آپ کو سنا رہی ہے یہ صبح سے چھ بار سن چکا ہوں، ایک بار مجھے الگ سے سنایا، امی کو سنایا بھابھی کو سنایا اب آپ کو سنا رہی ہے۔''

''دیکھا بابا کتنا جھوٹ بولتا ہے یہ، ابھی صرف چار بار ہوا ہے اور کہہ رہا ہے چھ بار سن چکا ہوں۔'' عینا فوراً اس کا جھوٹ پکڑتی بابا بڑی مشکلوں سے اپنی ہنسی چھپاتے۔

''ہاں یاد آیا پانچویں بار جب فون پر اپنی دوست سحرش کو یہ واقعہ سنا رہی تھی تب بھی میں لاؤنج میں ہی بیٹھا تھا اور ابھی بھیا اور آپا تو رہتے ہیں، بھیا آفس سے آئیں گے تو دوبارہ شروع ہو جائے گی اور آپا کا فون آئے گا تو پھر ایک بار اور یہ قصہ سننا پڑے گا۔''

''خبردار جو آئندہ تم نے عینا کے بولنے پر اعتراض کیا، یہی تو میرے گھر کی رونق ہے۔'' عینا

کو منہ پھلاتے دیکھ کر بابا فوراً عمار کو ٹوکتے، عینا فخر سے نادیدہ کالر اکڑاتے ہوئے عمار کو چڑاتی اور پھر آپا کو فون آجاتا تو دو گھنٹے فون پر قبضہ کیے رکھتی، امی اس انتظار میں بیٹھی رہتی کہ کب اس کی باتیں ختم ہوں تو وہ کچھ دیر بڑی بیٹی سے دکھ سکھ کی بات کرلیں پر ایسی نوبت کم ہی آتی تھی تب تک آپا کے سوئے ہوئے بچے جاگ جاتے یا پھر افضل بھائی آفس سے آجاتے۔

بھابھی سے اس کی اچھی خاصی بنتی تھی بابا کے بعد بھابھی واحد ہستی تھی جو بغیر ٹوکے بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سنتی تھیں امی تو سنتے سنتے جانے کس جوڑ توڑ میں گم ہو جاتی تھیں اور اسے فوراً اندازہ ہو جاتا کہ اس کی بات دھیان سے نہیں سنی جارہی، وہ خفگی سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھتی۔

''آپ میری بات نہیں سن رہی نا؟''

''سن تو رہی ہوں اور کیسے سنتے ہیں۔''

''اچھا پھر یہ بتائیں میمونہ کون ہے؟'' وہ فوراً ان کا امتحان لیتی امی سٹپٹا جاتیں۔

''تمہاری دوست ہی ہوگی؟''

''جی نہیں، وہ میری دوست نہیں ہے بلکہ میری دوست کی بہن ہے جس کی میں آپ کو بات بتارہی تھی۔''

''تو دوست کی بہن بھی تو دوست ہوئی نا؟''

''بالکل نہیں، میمونہ سے تو میری ایک منٹ نہیں بنتی، بہت بری لگتی ہے مجھے۔''

''کیوں؟'' امی حیرت سے پوچھتیں۔

''ابھی وجہ بتائی تو تھی آپ کو۔'' اور امی ذہن پر جتنا بھی زور ڈالتیں پر انہیں کچھ یاد نہ آتا، وہ تو اس کی بات سنتے جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھیں۔

☆☆☆

وہ اکیسویں سال میں لگی ہی تھی کہ امی کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی ان کا خیال تھا کہ اگر ابھی اس کی شادی نہ کی تو اس کی عمر نکل جائے گی، پھر بابا کی پھپھو زاد بہن کے توسط سے عاصم کا رشتہ آ گیا، پڑھا لکھا، سلجھا ہوا عاصم سب ہی کو پسند آ گیا تھا عاصم کی امی اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ جدہ میں رہتی تھی انہیں چھ ماہ بعد واپس جدہ جانا تھا، وہ عاصم کی شادی کر کے جانا چاہتی تھیں، چھ ماہ کا سن کر امی کے ہاتھ پاؤں پھولے جو پھولے پر عینا کی شامت آ گئی، بھابھی امی کے حکم پر اسے یہ کچن میں لئے پہنچی کھانے پکوائی رہتی اس کے رونے کا منتوں کا ناراضگی کا کوئی نوٹس نہ لیا جاتا۔

''شوہر کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔'' بھابھی اسے سمجھاتیں۔

''اتنا پیچیدہ راستہ کیوں ہے، بھابھی کوئی شارٹ کٹ راستہ نہیں ہے کیا؟'' وہ چہرے پر معصومیت سجائے ان سے پوچھتی، تو وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیتیں۔

عمار سارا دن دوہائیاں دیتا رہتا ''عینا خدا کا واسطہ ہمارے معدوں پر رحم کرو تمہارے ہاتھ کا پلاؤ کھا کر ابھی تک پیٹ میں درد ہے اس کے ہاتھ میں جو آتا وہ عمار کو دے مارتی عمار کمال مہارت سے کیچ کر لیتا۔

چھ ماہ گزرتے دیر نہ لگی وہ آنکھوں میں سہانے سپنے سجائے عینا وقار سے عینا عاصم بن گئی، شادی کے ایک ہفتے بعد اس کی ساس اپنے بڑے بیٹے اور بہو کے ساتھ واپس جدہ چلی گئیں۔

''کتنا فضول بولتی ہو تم۔'' وہ عاصم کو کوئی قصہ سنا رہی تھی یہ دیکھے بغیر کے وہ کتنی بے دلی سے سن رہا تھا اس نے جیسے ہی ٹوکا تھا وہ حیرت سے اسے دیکھے گئی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو آتے دیر نہیں لگی تھی پر دوسری طرف اس کی خاموشی کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا تھا عاصم کی ساری توجہ ٹی وی کی طرف تھی۔

وہ عمار نہیں تھا جسے وہ سامنے پڑا کشن دے مارتی یا پھر منہ پھلا کر کہتی کہ آئندہ مجھ سے بات مت کرنا، وہ آنسو چھپاتی وہاں سے اٹھ گئی۔

''یہ کیا جاہلوں کی طرح منہ پھاڑ کر ہنستی ہو تمیز نہیں ہے تمہیں۔'' وہ عمار سے فون پر بات کر کے ہٹی تھی جب عاصم کے اتنے سخت الفاظ پر حق دق سے اسے دیکھے گئی تھی۔

اس دن کے بعد عینا نے یوں بے تحاشا ہنسنا چھوڑ دیا تھا اسے چھپکلیوں سے خوف آتا تھا انہیں دیکھتے ہی اس کی چیخیں بلند ہو جاتی تھیں عاصم کو اس کا یوں چیخنا چلانا بہت برا لگتا تھا۔

''یہ کیا بچوں کی طرح چیخنا شروع کر دیتی ہو تمہیں کھا نہیں جائیں گی اپنا اور ان کا سائز دیکھو۔'' عاصم کی ڈانٹ کا یہ اثر ہوا کہ پھر اس نے ان چھوٹے موئے کیڑوں سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا اب بھی چوہے یا چھپکلی دیکھ بھی لیتی تو ڈھیٹ بنی اپنا کام کرتی رہتی، اسے بے ساختہ عمار یاد آتا جو اس کی ایک چیخ پر جھاڑ ڈنڈا اٹھائے پہنچ جاتا اور چوہے اور چھپکلی کی ڈیڈ باڈی سمیت کمرے سے برآمد ہوتا۔

''کتنا بدذائقہ کھانا پکاتی ہو تم، کیا سکھایا ہے

تمہاری ماں نے نہیں...... گھر سے بھی کچھ سیکھ کر آئی ہو یا نہیں۔" وہ سوچ میں پڑ جاتی واقعی اس کے گھر والوں نے اسے کچھ نہیں سکھایا اسے اتنے لاڈ پیار سے کیوں پالا؟ کہ اس کے لئے اب عاصم کی جھڑکیاں اور گالیاں سننے کی عادت ڈالنے میں مشکل ہو رہی تھیں، عاصم کے جانے کے بعد وہ گھنٹوں روتی رہتی، گھر میں کبھی کسی نے یوں بات بے بات نہ جھڑکا تھا کسی نے کبھی اتنا سخت لہجہ استعمال نہیں کیا تھا۔

عمار کی شادی نزدیک آئی تو اس نے بہت دل لگا کر شاپنگ کی تھی۔

"اتنے شوخ کلرز، تم کسی اسٹیج شو کی اداکارہ نہیں ہو تھوڑے سوبر کلرز پہنا کرو۔" عاصم کے الفاظ اور اس کا اعتراض سن کر اس نے پھر کبھی کوئی شوخ رنگ کا سوٹ نہ لیا، اس کی وارڈ روب سوبر بلکہ بقول بھابی پھیکے رنگوں سے بھری گئی، پھر اس کی گود میں علی آ گیا وہ اچھی بیوی اور اچھی ماں بننے کی تگ و دو میں جت گئی، اسے اپنا ہوش نہ رہا۔

پھر امی اور بابا دونوں دنیا سے چلے گئے، سب نے کتنا کہا کہ وہ کچھ دن رک جانے پر عاصم اسے سوئم ہوتے ہی لے آیا اور وہ چہلم پر مہمانوں کی طرح دن کے دن گئی اور واپس آ گئی، وہ اپنے ماں باپ کی وفات پر جی بھر کے رو بھی نہ سکی تھی۔

کبھی امی بابا کی یاد سے آنکھوں میں آنسو بھی جاتے اور عاصم کی نظر اس پر پڑ جاتی تو وہ ناگواری سے کہتا۔

"تم نے میرے گھر میں نحوست پھیلا دی ہے۔"

اس نے عاصم کی ناراضگی کے ڈر سے ماں باپ کو یاد کر کے رونا بھی چھوڑ دیا، وہ سر سے پیر تک عاصم کی پسند میں ڈھل گئی بھی آپا یا بھابی کا فون آ جاتا تو زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ بات کرتی، وہ نان اسٹاپ بولنے والی عینا کو اب وہ سارے قصے کہانیاں بھول گئی تھیں۔

عمار اپنی بیوی کو عینا کی پرانی باتیں بتاتا تو وہ یقین نہ کرتی۔

"مجھے تو عینا بہت سنجیدہ سی لگتی ہیں۔"

"ارے تم بھابی سے پوچھو یہ کتنی سنجیدہ تھی اب تو یہ جعلی دانشور بن گئی ہے۔" عمار اس کو تنگ کرتا تاکہ وہ اس سے لڑے اسے کچھ کہے پر وہ چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ سجائے خاموش بیٹھی رہتی۔

اسے فاسٹ میوزک پسند تھا پر اب وہ صرف فیض احمد فیض کی غزل سنتی تھی۔

میرا درد نغمہ بے صدا
میری ذات ذرہ بے نشاں
میرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے
میری ذات کا جو نشاں ملے
مجھے راز نظم جہاں ملے
جو مجھے یہ راز نہاں ملے
میری خامشی کو بیاں ملے
مجھے کائنات کی سروری
مجھے دولت دو جہاں ملے

☆☆☆

وہ گھر کے کام سے فارغ ہوئی تھی کہ عاصم کا فون آ گیا تھا، آج اس کے کسی کولیگ کی شادی تھی اسے تیار رہنے کا آڈر دیے کر اس نے فون بند کر دیا تھا وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسے صبح سے مسلسل چکر آ رہے ہیں پر عاصم نے اس کی سنے بغیر ہی کال کاٹ دی تھی۔

وہ عاصم کے دوستوں کی بیگمات کے جھرمٹ میں کھڑی کسی اور دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی وہاں موجود تمام خواتین زرق برق لباس پہنے قہقہیں بکھیر رہی تھیں، اسے اپنا آپ وہاں مس فٹ لگ رہا تھا کچھ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ جلد از جلد گھر جانا چاہتی تھی اس نے عاصم کی تلاش میں اردگرد نظر دوڑائی، اسے تھوڑی دور کھڑا عاصم نظر آ گیا تھا جو بڑی دلچسپی کے ساتھ ان زرق برق لباس پہنے کھڑی خواتین سے گفتگو کر رہا تھا وہ بات بے بات قہقہے لگا رہی تھیں۔

عینا نے اپنی اور ان خواتین کی عمر کا حساب لگانا چاہا وہ بھی تقریباً عمر میں اس سے بڑی تھیں بس فرق اتنا تھا وہ سب زندہ دل تھیں، جبکہ عینا کے مزاج میں اپنی عمر سے کئی گناہ زیادہ سنجیدگی آ گئی تھی وہ ستائیس سال کی عمر میں سینتالیس سال کی لگ رہی تھی۔

ان سات سالوں میں اس نے خود کو بڑی مشکلوں سے بدلا تھا اس میں اب عینا وقار والی ایک عادت بھی نہیں تھی وہ سر سے پاؤں تک عاصم کی پسند میں ڈھل گئی تھی، سوبر رنگ پہننے والی خاموش طبع اور بلا کی سنجیدہ عینا عاصم۔

اس نے حیرت سے عاصم کو دیکھا تھا جسے شوخ رنگ پہننے والی بے تحاشا ہنستی بولتی لڑکیاں بالکل پسند نہیں تھیں، اسے تو سنجیدہ اور میچور لڑکیاں پسند تھیں، اسے آج کل عاصم کے مزاج میں واضح تبدیلی نظر آ رہی تھی پر وہ اسے اپنا وہم سمجھ رہی تھی پر آج اس کے وہم پر یقین کی مہر ثبت ہو گئی تھی۔

''تمہیں اس سے بہتر کوئی سوٹ نہیں ملا تھا پہننے کو، میں نے تمہیں بتایا تھا ہم شادی میں جا رہے ہیں فوتگی پر نہیں۔'' عاصم نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا، وہ لب کچلتی خاموشی سے بیٹھی رہی۔

''زبان ہے منہ میں، کچھ بولو بھی، یہ کیا ہر وقت سوگ طاری کیے رکھتی ہو۔''

اس کی آنکھوں میں نمی لہرائی تھی اس نے عاصم کا چہرہ دیکھنا چاہا پر وہ...... وہ دھندلا سا گیا تھا وہ اتنا لمبا سفر کر کے یہاں پہنچی تھی جب اسے گمان ہوا کہ وہ منزل پر پہنچ گئی اس نے اپنے آپ کو عاصم کی پسند کے مطابق ڈھال لیا ہے تو آج عاصم کی پسند بدل گئی تھی، اب جب شوخ رنگ اس کی آنکھوں میں چبھنے لگ گئے تھے تیز آواز میں بولتی تو گلا بیٹھ جاتا تھا تو اب اس کی پسند بدل گئی تھی اس کی قربانیوں پر کوئی ایوارڈ نہیں تھا بلکہ ایک تعریفی جملہ تک نہیں تھا۔

اس نے تھک کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی اسے اب پھر سے واپسی کا سفر کرنا تھا۔

بے معنی حیات کی بامعنی باتیں
بے زار دن بے کیف راتیں
میرے لئے میرے پاس وقت نہیں
یہ دکھ صدیوں سے کاٹ رہا ہے میری رگ و جان
میں نہ مانگوں تو میرے لئے محبت نہیں
میں تمام دن کی تھکن
اپنی روح پہ اتار لیتی ہوں مجھ سے وابستہ ہیں جو
ان کے لئے زندگی سہل کرنے کی تمنا میں
اپنے لئے سانس بھی
انہی سے مستعار لیتی ہوں مگر کبھی
جب آئینہ مجھے میرا چہرہ دکھائے
گھر کے کاموں سے جی اٹھ جائے
تو میری خالی خالی آنکھیں
بے ساختہ آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں
اور میرے اندر کوئی کہتا ہے
جو کہتا ہے، خدایا!
میری حیات کو بھی جمیل کر دے
یا پھر میری زندگی کے معنی تبدیل کر دے

☆☆☆

تحریم محمود

القرآن

- ''اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی کتاب نازل کرتے اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے تو جو کافر ہیں، وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ جادو ہے۔'' (سورہ انعام)
- ''وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں مقرر ہے پھر بھی تم اے کافرو (خدا کے بارے میں) شک کرتے ہو۔'' (سورہ انعام)
- ''اے محمدؐ! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔'' (سورہ انعام)
- ''اور دنیا کی زندگی تو کھیل ہے اور تماشا ہے اور سب سے اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے، یعنی ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں۔'' (سورہ انعام)
- ''اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے کندھوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے) مارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزہ چکھو۔''

علینہ طارق، لاہور

فرمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''تین چیزیں ایمان کی نشانی ہیں۔''
آہستہ بولو، نیچی نگاہ رکھنا، میانہ روی سے چلنا۔
''تین چیزوں کی دوستی مضر ہے۔''
نفس، بری صحبت، مال۔
''تین چیزیں محبت بڑھاتی ہیں۔''
سلام کرنا، دوسروں کے لئے جگہ دینا، دوسروں کو ہدیہ دینا۔
''آدمی کے تین دوست ہیں۔''
مال، رشتے دار، عمل صالح۔

فرح اسد، علی پور

اقتباس

عشق اگر ''عین'' کے لفظ سے آغاز پا کر سر اٹھاتا ہے تو انتہا ''قاف'' پر جا کر ختم کرتا ہے، مگر درحقیقت اس اختتام کے ساتھ ہی حقیقی عشق کا آغاز ہوتا ہے، جس میں ''میں'' سے ''ہم'' کا سفر طے کرنے کے بعد ''انا، ضد، غصہ اور بے نیازی'' جیسی تمام سیڑھیوں کو روند کر بالآخر وہ منزل مقدر بن جاتی ہے جس کے آگے پھر کسی منزل کی ''چاہ'' باقی نہیں رہتی اور اس آخری مقام پر انسان خود کو فنا کرتا بالآخر ''امر'' ہو جاتا ہے۔

فرح طاہر، سرگودھا

محبت کا آدھا ذرہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک باغ سے گزرے، وہاں ایک نوجوان باغ کو پانی دے رہا تھا، اس نے آپ علیہ السلام سے کہا۔
''آپ اللہ سے عشق کا ایک ذرہ مجھے عطا کرا دیجئے۔'' انہوں نے فرمایا۔
''وہ بہت زیادہ ہے تم اس کے متحمل نہیں ہو

سکتے۔'' نوجوان نے کہا۔

''اچھا آدھا ہی سہی۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اللہ نے عطا کر دیا۔

آپ وہاں سے روانہ ہو گئے، ایک مدت کے بعد پھر وہاں آئے تو دیکھا کہ جوان غائب ہے، آپ نے دعا کی۔

''اے اللہ! اس نوجوان سے میری ملاقات کرا دے۔'' وہ نوجوان آیا اور آسمان کی طرف دیکھتا رہا، آپ کے سلام کا جواب نہ دیا، نہ گفتگو کی، مگر خاموش رہا، اس پر وحی الٰہی آئی۔

''اے عیسیٰ علیہ السلام! جس کے دل میں میری محبت کا آدھا ذرہ موجود ہو وہ لوگوں کو کیسے سنے گا، اگر اسے آری سے دو ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو اسے کوئی تکلیف میرے عشق کے سبب محسوس ہی نہ ہو گی۔''

فریال امین، لاڑکانہ

موت کے پیامبر

حضرت یعقوب علیہ السلام کا فرشتہ اجل سے گہرا یارانہ تھا، ایک دن ملک الموت آیا تو پوچھا۔

''کیسے آنا ہوا؟ ملاقات یا قبض روح؟'' عزرائیل نے کہا۔

''صرف ملاقات۔'' آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

''مجھے آپ سے ایک خاص بات کہنی ہے۔'' ملک الموت نے کہا۔

''فرمایئے۔'' حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا۔

''جب میری موت قریب ہو تو روح قبض کرنے سے آنے سے پہلے قاصد بھیج دینا۔'' ملک الموت نے کہا۔

''ایسا ہی ہو گا۔''

''میں دو یا تین قاصد بھیج دوں گا۔'' جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو ملک الموت آ موجود ہوا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا۔

''آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آمد سے قبل قاصد بھیج دوں گا۔'' عزرائیل نے کہا۔

''میں نے ایسا ہی تو کیا ہے، پہلے آپ کے سیاہ بال سفید ہوئے، یہ پہلا قاصد تھا، پھر بدن کی چستی و توانائی ختم ہوئی یہ میرا دوسرا قاصد تھا، بعد ازاں آپ کا بدن جھک گیا یہ میرا تیسرا قاصد تھا، کیا خیال ہے یہ میرے تین قاصد نہیں آئے۔''

رابعہ حیدر، قصور

لفظ باتیں کریں

☆ وقت اور نصیب کسی لمحے بھی کسی کو زیر کر سکتا ہے، کسی کو بھی نہیں معلوم، اس کا اگلا شکار کون ہو گا۔

☆ جس پودے کی جڑیں جہاں ہوں وہیں رنگ دکھاتا ہے۔

☆ چاہت نہ ہو تو ایک ذرہ بھی گراں گزرتا ہے، اگر ہو تو ایک کوہ کا بوجھ بھی ندامت سے سہارا جاتا ہے۔

☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا بے شک کچا ہو پھر بھی پار جاتا ہے۔

☆ کوئی بھی شہر، قصبہ، بلندی، راستہ یا عورت ہر ملاقات پر ایک الگ شخصیت کی حامل ہوتی ہے آپ کی عمر، مطالعہ اور موسم ہر بار اسے ایک نئے رنگ میں دیکھتے ہیں۔

☆ موت ایک بہت بڑے صبر کی مالک ہے اور وہ کبھی بے صبری نہیں ہوتی۔

☆ وقت ہر تصویر کو بدل دیتا ہے، اس کے کونے

مڑ جاتے ہیں اور رنگ بھورے ہونے لگتے ہیں، وقت ڈھلوان پہ لڑھکتی جیپ کی طرح اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ نظروں اور چہروں کے رنگ بدل جاتے ہیں۔

(مستنصر حسین تارڑ)

لالہ گل، پشاور

آمریت

ایک بے روزگار نوجوان ایک ریاست کے نواب کے روبرو پیش ہوا اور سات بار جھک کر فرشی سلام کرنے کے بعد ملازمت کی درخواست پیش کی، نواب صاحب نے عرضی کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا پوچھتے ہو؟''

نوجوان نے ایک دفعہ پھر جھک کر سلام کیا اور کہا۔

''جہاں پناہ! بے کار ہوں، نوکری چاہتا ہوں۔''

''کتنا پڑھے ہوئے ہو۔'' پوچھا گیا۔

''حضور گریجویٹ ہوں۔''

''گریجویٹ کا بچہ!'' نواب صاحب اسے خشمگیں نگاہ سے دیکھتے ہوئے غرائے۔

''صاف صاف کہو، کتنی جماعتیں پاس ہو۔''

''حضور چودہ جماعتیں۔''

''اونہہ!'' نواب صاحب منہ بگاڑ کر بولے۔

''ساری عمر پڑھتے ہی رہے ہو۔'' پھر دیوان صاحب سے بولے۔

''اسے سول سرجن بنا دو۔''

''حضور پہلے والے سول سرجن کا کیا کیا جائے؟'' دیوان صاحب نے ادب سے پوچھا۔

''اسے سیشن جج بنا دو۔''

''اور حضور پہلے والے سیشن جج کو؟''

''اس کو دو سال کے لئے جیل بھیج دو۔''

فریال امین، کراچی

واصف علی واصف کہتے ہیں

☆ اللہ کریم جب چاہے، جس وقت چاہے اور جہاں چاہے اس کا فضل نمودار ہو جائے، آپ اللہ کے فضل کا انتظار کرتے کرتے ہزار دفعہ مر جائیں اور کروڑ دفعہ زندہ ہو جائیں، پھر بھی اس کا فضل ایک وقت رکھتا ہے۔

☆ جب تک اندر سے صفات نہ بدلیں اس وقت تک ذکر آپ کو کچھ نہیں دے گا۔

ثناء حیدر، سرگودھا

حسن

محبت کو پا لینا تو آسان ہے، لیکن اسے کسی معمولی سی بات پر کھو دینا اذیت ناک ہوتا ہے، یہ محبت کا بدصورت ترین انجام ہوتا ہے کہ کوشش کرنا کہ ہم محبت کے حسن کو قائم رکھیں۔

بہار

محبت کے سبز جزیرے میں
بہار صرف جدائی کے پھولوں سے آتی ہے
ملاپ کی کلیاں تو
کھلتے ہی مرجھا جاتی ہیں

سارا حمید، میاں چنوں

تحفہ

مشہور مصنفہ اگاتھا کرسٹی نے ایک بار اخباری نمائندوں کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میری شادی کے دو سال بعد تک میری ایک عزیز از جان سہیلی نے مجھے شادی کا تحفہ نہیں دیا، دو سال بعد جب وہ تحفہ لے کر آئی تو اس نے دیر سے تحفہ دینے کی وجہ یہ بتائی۔''

''میں تحفہ دینے سے پہلے یہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ تمہاری شادی باقی رہے گی۔''

نبیہ آصف، سکھر

☆☆☆

ہمارائے ---- کراچی

کہاں ہے تو کہ ترے انتظار میں اے دوست
تمام رات سلگتے ہیں دل کے ویرانے

....

یہ دل کی راہ میں اڑتا غبار کس کا ہے
وہ جا چکا ہے تو پھر انتظار کس کا ہے
نہیں وہ اپنا مگر اس کی راہ بھی دیکھوں
دل و نظر پہ بھلا اختیار کس کا ہے

....

قبل اس کے کہ ہو فیصلہ خیرو شر
جینے کا ثبوت دے زمانے کو بشر
بے حس کردار سے نیک ہے موت بھلی
نامراد اخلاق سے جرائم بہتر

نبیہ آصف ---- سکھر

ایک ایک یاد عمر کا حاصل کہیں جسے
وہ خلوت خیال کہ محفل کہیں جسے
ملتی ہو تو خرید دو عالم کو بیچ کر
وہ کائنات درد نہاں دل کہیں جسے

....

نہ جانے کتنے ستارے یہ کہہ کے ڈوب گئے
سحر کا رنگ پریشاں ہے دیکھیے کیا ہو
کلی اداس چمن سوگوار گل خاموش
یہ انتظار بہاراں ہے دیکھیے کیا ہو

....

فنا کے زمزمے رنج و محن کے افسانے
یہی ملے ہیں نئی زندگی کو نذرانے
تیری نگاہ کی جنبش میں اب بھی شامل ہیں
میری حیات کے کچھ مختصر سے افسانے

ثمینہ رفیق ---- بہاول نگر

کسی سے ہاتھ کسی سے نظر ملاتے ہوئے
میں بجھ رہی ہوں روا داریاں نبھاتے ہوئے
عجیب خوف ہے اندر کی خاموشی کا مجھے
کہ راستوں سے گزرتی ہوں گنگناتے ہوئے

....

جسے میں دیکھتی ہوں آئینے میں
وہ میرا عکس ہے چہرہ نہیں ہے
میں رستہ ہوں کسی منزل کا ایسا
کسی نے آج تک جسے ڈھونڈا نہیں ہے

....

مجھے کسی سے محبت نہیں کسی کے سوا
میں ہر کسی سے محبت کروں کسی کے لئے

فرح اسد ---- علی پور

خاک اڑتی ہے رات بھر مجھ میں
کون پھرتا ہے در بدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
تو ہے موجود اس قدر مجھ میں

....

چپ گلیاں بند دروازے آدھی رات اور میں
سرد ہیں جھونکے لمبا رستہ آدھی رات اور میں
پیچھے ساتھ گزارنے والے موسم کی صدائیں
سامنے ہے ایک درد کا صحرا آدھی رات اور میں

....

کس طرح لوگ چلے جاتے ہیں اٹھ کر چپ چاپ
ہم تو یہ دھیان میں لاتے ہوئے مر جاتے ہیں

ان کے بھی قتل کا الزام ہمارے سر ہے
جو ہمیں زہر پلاتے ہوئے مر جاتے ہیں
عاصمہ سرور ---- وہاڑی
طوفان ہے تو کیا غم آپ آواز تو دیجئے
کیا بھول گئے میرے کچے گھڑے وہ

....

رکے تو چاند چلے تو ہواؤں جیسا ہے
وہ شخص دھوپ میں دیکھو تو چھاؤں جیسا ہے

....

عکس دھوکا دے رہے ہیں اب سر محفل ہمیں
آئینوں میں اب یہاں پر آنکھ ہونا چاہیے
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد
ہوس کی چہرہ دستی کا نشانہ بن گئی ہے
میری دنیا سمٹ کر ایک قریہ بن گئی ہے

....

ہمیں جو رزق دیا اس میں وسعتیں لکھ دیں
مگر حصول میں صحرا کی شدتیں لکھ دیں
میرے نصیب کے خانے میں لوٹنا لکھ کر
پھر اس کے ساتھ کے خانے میں مدتیں لکھ دیں

....

رات اک ٹوٹے ہوئے چاند کو گھر لایا تھا
جوڑنے بیٹھا تو خورشید نکل آیا تھا
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ
تم بھلا کیا نئی منزل کی بشارت دو گے
تم تو رستہ نہیں دیتے ہمیں چلنے کے لئے

....

چھوڑو عہد وفا کی باتیں کیوں جھوٹے اقرار کریں
کل میں بھی شرمندہ ہوں گا، کل تم بھی پچھتاؤ گے

....

جتنے بھی مراسم تھے تیری ذات سے پہلے
سب ٹوٹ گئے ڈھلتی ہوئی رات سے پہلے
وہ میرا پتا مانگے تو اتنا ہی بتانا
اک جھونپڑی آتی ہے مکانات سے پہلے
عالیہ فیصل ---- ملتان
ایک دنیا کا قصیدہ تھا گرچہ میرے نام
لطف آتا تھا ایک شخص کی فہمائش میں

....

رہتا ہے شوق اس سے ملاقات کا مجھے
کچھ میرے انتظار کی عادت اسے بھی ہے

....

مانا کہ یہ فریب ہے وعدہ ترا مگر
کرتے ہیں انتظار بڑے اعتبار سے
عفت سعید ---- رحیم یار خان
آنکھوں نے جس کو یاد کیا اور رو پڑیں
وہ چہرہ دیکھتا تھا مجھے آنسوؤں کے بیچ
عادل اب ایک شہر میں رہ کر نہ مل سکیں
سمٹی تھیں قربتیں بھی کبھی فاصلوں کے بیچ

....

جب آفتاب محبت غروب ہونے کو تھا
تو اک شخص بڑے پیار سے بلانے لگا

....

منیر جنہیں اپنے دوستوں کی دید ہوتی ہے
سچ پوچھو تو ان ہی کی عید ہوتی ہے
لالہ گل ---- پشاور
کسی پہ ترک تعلق کا بھید کھل نہ سکا
تیری نگاہ سے ہم یوں اتر گئے چپ چاپ
ہماری جان پہ بھاری تھا غم کا افسانہ
سنی نہ بات کسی نے تو مر گئے چپ چاپ

....

فطرتاً دل کا تقاضہ ہے کہ تو ساتھ رہے
لیکن اے دوست یہ دنیا کو گوارا تو نہیں

....

کچے گھڑے نے جیت لی ندی چڑھی ہوئی
مضبوط کشتیوں کو کنارا نہ مل سکا

اس کے لکھے ہوئے خطوط آج جلا ڈالتے ہیں
روگ تم دل کو لگا لیتے ہو اور لوگ بشیر
ربط کتھنا بھی ہو دو دن میں بھلا ڈالتے ہیں

....

ہم جو روئے تو انہیں کہنا پڑا
اس طرح کرتی ہے برسات سفر

....

تھی میری تباہی میں کچھ درختوں کی بھی سازش
ورنہ یہ اجڑنے کا موسم تو نہیں تھا
آمنہ خان ---- راولپنڈی

محبت تو ازل سے ہے محبت تا ابد ہو گی
اسے میں عصر حاضر کا عقیدہ کہہ نہیں سکتا
کتاب زندگی میں ہے رقم باب محبت بھی
مگر کتنی ہیں سطریں خط کشیدہ کہہ نہیں سکتا

....

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں
میرا تو جرم تذکرہ عام ہے مگر
کچھ دھجیاں ہیں میری زلیخا کے ہاتھ میں

....

ہر اک بار یہ سوچ کے دل بھر آیا ہے
اپنی عمر میں کیا کھویا کیا پایا ہے
صابرہ سلطانہ ---- کراچی

اب تو ٹوٹی کشتی بھی آگ سے بچاتے ہیں
ہاں کبھی تھا نام اپنا بخت آزماؤں میں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا ہے
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

....

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

....

اپنی اپنی انا کے قیدی تھے
ہمارے بیچ کوئی دوسرا نہ تھا
حنا شاہین ---- حیدر آباد

وہ تعلق توڑ کر مہربانی کر گیا
ربط جو فانی تھا اس کو غیر فانی کر گیا
میں سمجھا تھا کہ مل کر داستان پوری ہوئی
وہ تو بچھڑ کر پھر بڑی لمبی کہانی کر گیا

....

تیرے گرد ہے میری دعاؤں کا دائرہ
میں تیری عافیت کی مبارک لکیر ہوں

....

چکانے ہیں وہ قرضے سطح پر ہیں کہیں زیر زمیں ہیں
ابھی اس خاکداں میں تم بھی زندہ ہو مرے ہم بھی نہیں ہیں
ابھی میداں میں ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہیں ہار کیسی
ابھی تو کھیل کا آغاز ہے تم بھی یہیں ہم بھی یہیں ہیں
سدرہ خانم ---- ملتان

ایک مہینے بعد ملا تو نام بھی میرا بھول گیا
جس نے چلتے وقت کہا تھا یاد بہت تم آؤ گی

....

مل گئی جو محبت یاراں غنیمت جانیے
پھر نہیں آتے پلٹ کر جب چلے جاتے ہیں دن
وقت اس کے ساتھ کچھ محسوس ہوتا ہی نہیں
جانے کس پل میں نہ جانے کب گزر جاتے ہیں دن

....

شہر طلب کرے اگر تم سے علاج تیرگی
صاحب اختیار ہو آگ لگا دیا کرو
آسیہ فرید ---- خانیوال

زندگی گزر جائے گی بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

....

ہم اپنے آپ میں یوں گم ہوئے ہیں عرصے سے
ہمیں تو جیسے کسی کا بھی انتظار نہیں
کسی کو ٹوٹ کے چاہیں کہ چاہ کر ٹوٹیں
ہمارے پاس تو اتنا بھی اختیار نہیں

....

یہ پھیلی ہوئی رات ڈھلے یا نہ ڈھلے
یہ یورش حالات ٹلے یا نہ ٹلے

نازیہ کمال ---- حیدر آباد
کہاں سے لائیے دل اہتمام کرنے کو
خموشی چاہیے اس سے کلام کرنے کو
بہت ہجوم سہی تیرے آس پاس مگر
کھڑے ہیں گوشے میں ہم بھی سلام کرنے کو

....

تہمتیں مجھ پہ آتی رہیں ہیں کئی ایک سے ایک نئی
خوبصورت مگر جو ایک الزام تھا وہ تیرا نام تھا
دوست جتنے تھے آشنا ہو گئے پارسا ہو گئے
ساتھ میرے رسوا جو سرعام تھا وہ تیرا نام تھا

....

اک اور برس بیت گیا اشک رواں کے ساتھ
اب کے برس خدا کرے کوئی خوشی ملے

رباب احمد ---- ساہیوال
گو کہ تم بہت دور بس رہے ہو مگر
ان ہواؤں پہ اعتبار کر لینا
نئے سال کی ابتدا ہے جان جاناں
تھوڑی دیر ہم کو بھی یاد کر لینا

....

نیا سفر ہے نئی منزلیں نئے حالات
نہ ڈھونڈ گزرے ہوئے کارواں کے نقش قدم

....

ملتے رہتے ہیں بہت لوگ تمہارے جیسے
یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہی میں کیا ہے
میں نے یہ سوچ کے روکا نہیں جانے سے اسے
بعد میں بھی یہی ہو گا تو ابھی سے کیا ہے

ام خدیجہ ---- فیصل آباد
ہر سال تیری یاد کی چاہت کے نام تھا
ہر سال تیری دید کی چاہت ہمیں رہی

....

میں کس حساب میں لکھوں وہ ہجر کے لمحے
کہ جن میں تو نہ ملا اور نہ تیری یاد آئی

....

ہمیں یہ سوچنا ہے کہ زندگی اپنی
فضائے دہر میں کیوں موت سے بھی سستی ہے
ہم اہل مشرق ہیں سورج تراشنے والے

ثنا حیدر ---- سرگودھا
جو ہو سکے تو بانٹیے اپنی مسرتیں
یہ سوچنا غلط کہ ہمیں زمانے سے کیا ملا

....

ہم نے شکست کھا کے بھی ذکر وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا، خود کو خدا نہیں کیا
جو بھی ہم تم پہ معترض اس کو یہی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں آپ نے کیا نہیں کیا

....

جشن وصال کی لاکھ سبیلیں اور سنجوگ ہزار
مجھے اک بس تو نہیں ملتا، ویسے لوگ ہزار
ہمیں بدل کے جوگی والا گاتا پھرے فرحت
عشق میں روگ ہزار سائیں عشق میں روگ ہزار

رابعہ حیدر ---- قصور
حسن مری آنکھوں کا دھوکا
عشق مرے دل کی سچائی
چلتے چلتے عمر بتا دی
منزل پھر بھی پاس نہ آئی

....

کوئی تو جھانک کے دیکھے شکستگی ان کی
جو دیکھنے میں ہیں اونچی عمارتوں کی طرح

....

فرح طاہر ---- سرگودھا
گر یہ جدائی کی گھڑی ہے تو میرا تم حوصلہ دیکھو
نہ تو پلٹوں گی نہ پکاروں گی نہ ہی لوٹ کہ آؤں گی

☆☆☆

سارا حمید ---- ساہیوال

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟
ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔
س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟
ج: ''ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی۔ دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا'' اب تم؟
س: ہر شوہر کو بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟
ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔
س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟
ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔
س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟
ج: لگیں تو کیا مطلب ' ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔
س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔
س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟
ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

طاہرہ بشیر ---- ساہیوال

س: السلام وعلیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟
ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔
س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟
ج: محفل والوں سے۔
س: کبھی غصہ آیا؟
ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔
س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟
ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔
س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟
ج: بر امان جاؤ گی پڑھ کر۔
س: کیا دوستی پیار ہے؟
ج: نہیں۔
س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔
س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں۔ دعا کریں گے۔
ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتن کے لئے۔

فریال امین ---- کراچی

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: اللہ کا شکر ہے۔
س: میرے بغیر کیسا رہا؟
ج: سچ سچ بتائیں۔ برا تو نہیں مانوں گی۔
س: عین غین جی نو مائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔

نامعلوم ---- مقام
س: میں بھی خریدار ہوں میں بھی خریدوں گی؟
ج: بک سٹال پر۔
س: آپ کی محفل میں سر کے بل آؤں یا پاؤں کے؟
ج: جس طرح دل چاہے آؤ۔
بیٹھے ہیں ہم دیدہ دل فراش راہ کیے
س: اس کی آنکھیں بتاؤ کیسی ہیں؟
ج: کس کی؟
س: وہ لڑکی بہت یاد آتی ہے۔ بھلا کیوں؟
ج: کون سی لڑکی؟
حنا ناز ---- پنڈ دادنخان
س: مری انگلیاں بھی جلا گیا لکھا جو ترا نام
بھلا سوچو تو کیا ہوگا حال مرے دل کا
ج: غم بھی کم ظرف ملا' ظرف کا کم کیا کرنا
مستقل زخم کی ٹیسوں کو رقم کیا کرنا
س: کبھی دکھوں کے سائے میں بیٹھ کر سوچنا
ہم غمزدہ دل کے بارے میں بھی کبھی تم
خوشیوں کی چھاؤں میں بھلا کہاں پتہ چلتا ہے
درد سینے میں کہاں تک اتر جاتا ہے
ج: عشق وہ کس کام کا جس کا نشان امتیاز
داغ دل' زخم جگر اور آبلہ پائی نہ ہو
شیبا صابر بٹ ---- اوکاڑہ سٹی
س: شاعر لوگ اتنے حساس کیوں ہوتے ہیں؟
ج: شاعری حساس لوگوں کا کام ہے۔
س: حسین لوگ مغرور کیوں ہوتے ہیں؟
ج: خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔
س: انسان اتنا ہوس پرست کیوں ہے؟
ج: کتنا ہوس پرست؟
س: دنیا والے اتنے بے مروت کیوں ہیں؟
ج: کتنے بے مروت؟ اپنے تجربے سے بتاؤ۔
س: دنیا کی سب سے بڑی آبی طاقت کون سی ہے؟
ج: آب۔
س: نظر اور نذر میں کیا فرق ہے؟
ج: جب نظر لگ جائے تو اکثر لوگ نذر مانتے ہیں۔
علی ناصر ---- حافظ آباد
س: عین غین تھوڑی سی غیر حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوں کیسے ہو؟
ج: تھوڑی سی غیر حاضری؟
س: سنا ہے تم گرمی سے بچنے کے لیے برف کے گولے کھاتے ہو کیا واقعی؟
ج: سنا کہاں سے برف کے گولے تم ہی تو بیچتے ہو۔
س: دیکھو اتنی شدید گرمی میں گرما گرم جواب نہ دیا کرو میری بات مان لو ناں؟
ج: اب تم غیر حاضر تھے اور برف کے گولے مل نہیں رہے تھے تو جواب تو گرم سے لگیں گے نا۔
س: تم نے کبھی خود بھی کچھ لکھا ہے یا؟
ج: تمہارے سوال کا جواب۔
س: کوئی مقابلے کا رقیب نہ ملے تو کیا کرنا چاہیے؟ تجربے کی روشنی میں بتانا؟
ج: ڈھونڈ لو۔
س: وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا تو نے منہ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں
ج: واہ صدیوں کے ربط سے تم تو
ایک پل میں مکر گئے جاناں
س: گرمی بہت ہے جھلس جاؤ گے اپنا خیال بھی رکھتے ہو کہ نہیں؟
ج: اتنی گرمی نہیں ہے یہ لاہور ہے حافظ آباد نہیں۔
س: اگر کوئی چھوڑ دینے کا کہے تو کیا کرنا چاہیے؟ پلیز بتا دو ناں؟
ج: کیا چھوڑنے کو کہے؟ ذرا وضاحت کرو۔

☆☆☆

س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟
ج: دیکھ تو رہا ہوں۔ میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

نازیہ سجاد ---- سکھر

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہوگئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم؟
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جا کر۔

رباب احمد ---- ملتان

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آرہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔
س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

ام خدیجہ ---- فیصل آباد

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی...... اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے ”گڈ بائے“ اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: ”گھٹیا“ لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کرلو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا...... تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

فون

منیجر تبریز صاحب نے کسی کام سے چپراسی کو بلایا، لیکن بات ادھوری چھوڑ کر واش روم میں چلے گئے، ابھی وہ وہیں تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی، چپراسی نے فون ریسیو کرلیا۔

اسی اثنا میں منیجر تبریز صاحب واپس آ گئے، چپراسی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ریسیور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سر! میرا خیال ہے کوئی آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''خیال ہے، کیا مطلب؟ تم یقین سے کیوں نہیں کہہ رہے ہو، یہ میرا فون ہے؟'' منیجر تبریز صاحب نے ریسیور تھامنے سے پہلے جرح کی۔

''سر! وہ دراصل، جیسے ہی میں نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف سے کوئی بولا۔

''گدھے! ذرا غور سے میری بات سنو۔''

عافیہ رفیق، لاہور

بندوبست

ایک صحرا سے ایک آدمی کا گزر ہوا تو اس نے ایک شخص کو ریت میں دبا ہوا دیکھا، اس کا چہرہ ریت سے باہر تھا اور وہ مدد کے لئے پکار رہا تھا، وہ شخص کہنے لگا۔

''تم ٹھہرو میں کہیں سے بیلچہ لے کر تمہیں باہر نکالتا ہوں۔''

ریت میں دبے ہوئے آدمی نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

''بہتر ہوگا کہ تم کسی ٹریکٹر کا بندوبست کرو، کیونکہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہوں۔''

گل لالہ، پشاور

یقین

ایک غائب دماغ پروفیسر ارباز سے ان کے دوست احتشام نے کہا۔

''میں نے پروفیسر ارباز تمہاری بیوی کو دیکھا تھا، وہ فلاں بندے کے ساتھ گاڑی میں جا رہی تھی۔''

پروفیسر ارباز کو بہت غصہ آیا، وہ ساری رات ڈنڈا لے کر دروازے کے پیچھے بیٹھے رہے، صبح انہیں یاد آیا کہ ابھی تو ان کی شادی بھی نہیں ہوئی۔

ام خدیجہ، فیصل آباد

ماہر نفسیات

ایک بڑے ہوٹل میں ماہر نفسیات کا کنونشن منعقد ہو رہا تھا، کنونشن کے دوران ایک روز دو ماہرین نفسیات راہداری میں ایک دوسرے کے پاس سے گزرے، دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے، ایک نے مسکرا کر دوسرے کو۔

''ہیلو!'' کہا دوسرے نے کوئی جواب نہ دیا اور کافی آگے جا کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر سر کھجاتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔

''آخر اس ''ہیلو'' کہنے کا مقصد کیا تھا؟''

دو گھنٹے وہ وہیں کھڑا اس سوال پر غور کرتا رہا، تب جا کر اس کی سمجھ میں آیا کہ دوسرے نفسیات دان کے ہیلو کہنے کا مقصد ہیلو کہنا ہی

تھا۔"

رباب احمد، سکھر

چوری

عامر نے اپنے دوست شہزاد سے کہا۔

"میں نے شہر میں چوری کی بڑھتی ہوئی وارداتوں سے تنگ آ کر پولیس حکام کو ایک درخواست بھیجی تھی۔"

"پھر کیا ہوا، کیا کوئی کاروائی ہوئی؟" شہزاد نے تجسس سے پوچھا۔

"جواب آیا کہ آپ کی درخواست فائل سے چوری ہو گئی ہے؟ دوسری درخواست بھیجیے۔" عامر نے منہ بنا کر جواب دیا۔

عافیہ رفیق، لاہور

بادشاہ

ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا۔

"میری زندگی میں کبھی کبھی ایسا وقت آتا ہے جب میں خود کو گھر کا بادشاہ محسوس کرتا ہوں۔"

"کس وقت؟" دوست نے پوچھا۔

"جب میری بیوی گھر پہ نہیں ہوتی۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

ہما رائے، کراچی

کیفیت

ڈاکٹر وارڈ کا چکر لگا رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنے ماتحت سے پوچھا۔

"بھئی اس مریض کا کیا بنا جو ہر وقت کچھ نہ کچھ بکتا رہتا ہے، کیا اس کی یہ کیفیت ختم ہو گئی۔"

ماتحت نے جواب دیا۔

"جناب! اس کی یہ کیفیت برقرار ہے، آپ کے آنے سے پہلے وہ کہہ رہا تھا کہ، عزرائیل آ رہا ہے وہ دیکھو عزرائیل آ رہا ہے۔"

نبیہ آصف، سکھر

معافی

ایک آدمی۔ "تم کون ہو۔"

دوسرا۔ "میں وہ ہوں جس سے سب معافی مانگتے ہیں۔"

پہلا۔ "کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟"

دوسرا۔ "میں بھکاری ہوں۔"

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

اور حاجی بھی

ایک صاحب نہایت پابندی سے مسجد میں پانچ وقت کی حاضری دیا کرتے تھے، لوگ ان کے تقویٰ سے بہت متاثر تھے، ایک شخص نے جب انہیں نہایت انہماک سے نماز ادا کرتے دیکھا تو اپنے ساتھی سے بولا۔

"یہ جو شخص نماز ادا کر رہا ہے، نہایت متقی اور پرہیزگار ہے۔" اس پر وہ صاحب نماز توڑ کر بولے۔

"اور جناب میں حاجی بھی ہوں۔"

حمیرا فاطمہ، کورنگی کراچی

بیگم کا دستر خوان

وہ پکی کھچڑی رکھی ہے شوق فرمائیں گے کیا
تو یہ خالی پیٹ ہی دفتر چلے جائیں گے کیا
چائے میں لہسن کی بدبو آ گئی تو کیا ہوا
اللہ اللہ ماں، بہن پر آپ اترائیں گے کیا
دودھ میں مکھی تھی چوہا تو نہ تھا اے حضور
ہاتھ دھو کر اب پیچھے ہی پڑ جائیں گے کیا
پیاز کا حلوہ بنا دوں اے ذرا رک جائیں
بھوکے رہ کر آپ میری ناک کٹوائیں گے کیا

عاصمہ سرور، بورے والا

گوشہ عافیت

ایک گوالے کا لڑکا فوج میں بھرتی ہو گیا، ٹریننگ کے دوران جب اس کی طرف سے خیر خیریت کا کوئی خط نہ آیا تو ماں نے محلے کے کسی آدمی کو بلا کر اسے خط لکھوایا، پھر ماں کو اس نے

جواب میں لکھا۔

''اماں یہاں میں بہت خوش ہوں اور عیش کر رہا ہوں، کیونکہ گھر میں تو ابا دو بجے مجھے زبردستی اٹھا دیتے تھے، یہاں میں اپنی مرضی سے صبح کم از کم چار بجے اٹھتا ہوں۔''

رابعہ ارشد فیصل آباد

نجات

ایک بے حد موٹی عورت کے گھر میں چور گھس آیا، جب وہ چوری کر کے جانے لگا تو عورت اسے دیکھ کے اس کے پیچھے لپکی، چور گھبراہٹ کے مارے گر پڑا، موٹی عورت چور کی کمر پر کھڑی ہو گئی اور شوہر کو تھانے کی طرف دوڑنے کو کہا، شوہر کافی دیر چپل تلاش کرنے کے بعد بولا۔

''بیگم میری چپل نہیں مل رہی۔''

''اللہ کے بندے میری چپل پہن کر جلد سے جاؤ۔'' چور بلبلاتے ہوئے بولا۔

مسرت مصباح، دیپالپور

آزمائش

''رات، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک نئی قسم کا ناشتا ایجاد کیا ہے، میں اس وقت آزمائشی طور پر اسے کھا کر دیکھ رہا تھا، جب میری آنکھ کھل گئی۔'' کمال نے ایک روز عمران کو بتایا۔

''اچھا...... تو پھر کیا ہوا؟'' عمران نے دلچسپی سے پوچھا۔

''میں نے دیکھا کہ میرے فوم کے گدے کا ایک کونا غائب تھا۔'' کمال نے ذرا مایوسی سے جواب دیا۔

رابعہ حیدر، قصور

جلدی میں

ایک بیوی نے شوہر کو ای میل کی لیکن کہیں بھی ڈیش اور فل اسٹاپ نہیں لگائے، جب اسے یاد آیا تو جلدی جلدی اندازے سے فل اسٹاپ لگا دیے، جس کی وجہ سے ای میل کچھ یوں ہو گئی۔

پیارے راجیہ جی!

آپ نے کئی دنوں سے پیار بھرا خط نہیں لکھا میری سہیلی پوجا کو، نوکری سے نکال دیا ہے ہماری گائے نے، بچھڑا دیا ہے انکل جی نے، سگریٹ پینی شروع کر دی ہے میں نے، بہت خط لکھے پر تم نہیں آئے کبوتر کے بچے، بلی کھا گئی ہے گھی، چھٹی سے آتے وقت لے آنا ایک خوبصورت عورت، میری سہیلی بن گئی ہے، ثریا بھوپالی، اس وقت ٹی، وی پر ڈانس کر رہی ہے ہماری مرغی، بیچ دی ہے تمہاری ماں، تمہیں یاد کرتی ہے پڑوسن، مجھے تنگ کرتی ہے زمین، سرسوں اگ آئی ہے چچی جی کے سر پر، پھوڑا ہو گیا ہے، میرے پاؤں میں، چوٹ لگ گئی ہے تمہاری چھٹی کو، ہر وقت ترستی ہوں، بھیا سے ضرور مل کر آنا، آپ کی پتنی، ''کلپنا''

فرح اسد، علی پور

ہری مرچیں

ایک صاحب بوریا بستر سمیت ایک ٹی وی چینل کے دفتر میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے، سیکورٹی والے نے روکا تو بولے۔

''بریک ختم ہوا یا نہیں۔'' سیکورٹی والوں نے پوچھا۔

''کیوں؟'' جواب ملا۔

''ہم اس بی بی کے ساتھ رہنے آئے ہیں جو کہہ رہی تھی کہ ہمارے ساتھ رہیے گا، ملتے ہیں بریک کے بعد۔''

عفت سعید، رحیم یار خان

☆☆☆

عفت سعید: کی ڈائری سے ابن انشاء کی غزل
اس دل کے جھروکے میں اک روپ کی رانی ہے
اس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے
ہم اہل محبت کی وحشت کا وہ درماں ہے
ہم اہل محبت کو آزاد جوانی ہے
یاں چاند کے داغوں کو سینے میں بساتے ہیں
دنیا کہے دیوانا ، یہ دنیا دیوانی ہے
اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت ہو
کیوں تم نے یہ غم دے کر پردیس کی ٹھانی ہے
سکھ لے کے چلے جانا ، دکھ دے کر چلے جانا
کیوں حسن کے ماتوں کی یہ ریت پرانی ہے
ہدیہ دل مفلس کا ، چھ شعر غزل کے ہیں
قیمت میں تو ہلکے ہیں انشاء کی نشانی ہے

رباب احمد: کی ڈائری سے فیض احمد فیض کی غزل
ہمت التجا نہیں باقی
ضبط کا حوصلہ نہیں باقی
اک تیری دید چھن گئی مجھ سے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں باقی
اپنی مشق ستم سے ہاتھ نہ کھینچ
میں نہیں یا وفا نہیں باقی
تیری چشم الم نواز کی خیر
دل میں کوئی گلہ نہیں باقی
ہو چکا ختم عہد ہجر و وصال
زندگی میں مزا نہیں باقی

شہوار احمد: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''تنہائی، وہ اور میں''
وہ کہتا ہے
اس کے پاس چھپانے کو
کوئی راز نہیں ہے
کہنے کو
کوئی بات نہیں ہے
کوئی کام نہیں ہے
اسی لئے تو اس کا، کوئی دوست نہیں ہے
میں کہتا ہوں
میرے پاس چھپانے کو بھی راز بہت ہیں
کہنے کو باتیں ڈھیروں ہیں
پھر بھی کوئی دوست نہیں ہے
یہاں کسی سے میری عمر کا کوئی لمحہ چھپا نہیں ہے
اوروں کی بات الگ ہے
میرے جاننے والوں کو بھی میرے دکھوں کا پتا نہیں ہے

ثناء حیدر: کی ڈائری سے امجد سلام امجد کی نظم
چن لو اپنے اپنے خواب
اب ڈھیر لگا ہے خوابوں کا
گلابوں کا اور مہتابوں کا
ہر آنکھ طلب سے بوجھل ہے
ہر خواب کسی کی منزل ہے
یہ شام سے کا دھندا ہے
اس وقت یہاں پر مندا ہے
ایمان کی قیمت دو آنے
احسان کی قیمت دو آنے
تشہیر کی قیمت دو آنے
ہر خواب کی قیمت دو آنے

چن لو اپنے اپنے خواب
اب ڈھیر لگا ہے خوابوں کا

درثمن: کی ڈائری سے منیر نیازی کی غزل

یہ کیسا نشہ ہے میں کس عجب خمار میں ہوں
تو آ کے جا بھی چکا ہے میں انتظار میں ہوں
مکاں ہے قبر جسے لوگ خود بناتے ہیں
میں اپنے گھر میں یا میں کسی مزار میں ہوں
در فصیل کھلا یا پہاڑ سر سے ہٹا
میں اب گری ہوئی گلیوں کے مرگ زار میں ہوں
بس اتنا ہوش ہے مجھ کو کہ اجنبی ہیں سب
رکا ہوا ہوں سفر میں کسی دیار میں ہوں
میں ہوں بھی اور نہیں بھی عجیب بات ہے یہ
یہ کیسا خبر ہے میں جس کے اختیار میں ہوں
منیر دیکھ شجر چاند اور دیواریں
ہوا خزاں کی ہے سر پر شب بہار میں ہوں

گل لالہ: کی ڈائری سے محسن نقوی کی نظم

''ترے ملنے کا اک لمحہ''

بس اک لمحہ سہی، لیکن
بکھر جائے تو موسم ہے
وفا کا بے کراں موسم
ازل سے مہرباں موسم
یہ موسم آنکھ میں اترے
تو رنگوں سے دہکتی روشنی کا
عکس کہلائے
یہ موسم دل میں ٹھہرے تو
سنہری، سوچتی صدیوں کا
گہرا نقش بن جائے
ترے ملنے کا اک لمحہ
مقدر کی لکیروں میں
دھنک بھرنے کا موسم ہے
یہ موسم
خوبصورت شاعری کرنے کا موسم ہے

جویریہ ناصر: کی ڈائری سے احمد فراز کی غزل

وہی عشق جو تھا کبھی جنوں اسے روزگار بنا دیا
کہیں زخم بیچ کے آ گئے کہیں شعر کوئی سنا دیا
وہی ہم کہ جن کو عزیز تھی در آبرو کی چمک دمک
یہی ہم کہ روز سیاہ میں زر داغ دل بھی سنا دیا
کبھی یوں بھی تھا کہ ہزاروں تیر جگر میں تھے تو دکھی نہ تھے
مگر اب یہ ہے کہ کسی مہرباں کے تپاک نے بھی رلا دیا
کبھی خود کو ٹوٹتے پھوٹتے بھی جو دیکھتے تو حزیں نہ تھے
مگر آج خود پہ نظر پڑی تو شکست جاں نے ہلا دیا
کوئی نامہ دلبر شہر کا کہ غزل گری کا بہانہ ہو
وہی حرف دل جسے مدتوں سے ہم اہل دل نے بھلا دیا

زرعہ آفتاب: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

کٹھن ہے زندگی کتنی
سفر دشوار کتنا ہے
کبھی رستہ نہیں ملتا

ہمارا ساتھ دے پائے
کوئی ایسا نہیں ملتا
فقط ایسے گزار دوں تو
یہ روز و شب نہیں کٹتے
مجھے پھر بھی میرے مالک
کوئی شکوہ نہیں تجھ سے
میں جان پہ کھیل سکتا ہوں
میں ہر دکھ جھیل سکتا ہوں
اگر تو آج ہی کہہ دے
محبت ہمسفر میری
محبت ہمسفر میری

حاجرہ وجاہت: ڈائری سے خوبصورت غزل

ہے دعا یاد مگر حرف دعا یاد نہیں
میرے نغمات کو انداز نوا یاد نہیں
ہم نے جن کے لئے راہوں میں بچھایا تھا لہو
ہم سے کہتے ہیں وہی عہد وفا یاد نہیں
زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں
میں نے پلکوں سے دریار پر دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں
کیسے بھر آئیں سر شام کسی کی آنکھیں
کیسے پتھرائی چراغوں کی ضیاء یاد نہیں
صرف دھندلاتے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہوا کون ہوا مجھ سے خفا یاد نہیں
آؤ اک سجدہ کریں عالم مدھوشی میں
لوگ کہتے ہیں ساغر کو خدا یاد نہیں

فرح طاہر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
مجھے کچھ بھی نہیں کہنا
یہ بھی نہیں کہنا
کہ......
جب تم یاد آتے ہو
تب......
تمہاری یاد کی شدت مجھے ہنسنا بھلا کر
بہت آنسو رلاتی ہے
میرا تکیہ بھگوتی ہے
مجھے یہ بھی نہیں کہنا کہ......
تمہیں بھولنے کی ضد میں
میری سانسیں الجھ کر......
مجھے آنکھیں دکھاتی ہیں
مجھے پہروں ستاتی ہیں......
پھر جب میں......
تھک کر ٹوٹنے لگتی ہوں
اس لمحے......
وہ ''تم'' بن کر......
بہت نرمی......
بہت گرمی......
بہت دلار سے مجھ کو
بڑا ہنس کہ......
بڑا سج کہ......
یہ باور کراتی ہے......
مجھے تم یاد آتے ہو
بہت ہی یاد آتے ہو

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے ایک نظم
''ہم برے لوگ ہیں''
تم ہی اچھے تھے کسی سے کبھی تکرار نہ کی
تم کسی تکرار کے خوگر بھی نہ تھے
تم ہی اچھے تھے
جو منجملہ ارباب نظر رہتے تھے
اتنے سادہ تھے کہ زخموں کو حنا کہتے تھے
شہر پرحوصلہ میں
شیوہ اہل ہنر پر کبھی تنقید نہ کی
اتنے بے بس تھے کہ جب وقت پڑا
اپنی بھی تائید نہ کی
ہم برے لوگ ہیں سچ کہتے ہیں
ہم برے لوگ ہیں خوشنودی ارباب اثر کے باغی
کبھی قطرے کو سمندر نہ دیکھا
کبھی ذرے کو بھی صحرا نہ کہا
قرض آئینہ چکانے کے لئے عکس سے، محروم ہوئے

سدرہ علی: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''خواب''
اسی ایک خواب میں آج تک
میں بندھا ہوں اس کے جال میں
کوئی شہر یار وفاؤں کا
کبھی آئے عشق کے تخت پر
مجھے مجھ سے چھین کے لئے چلے
کہیں دور شہر جمال میں
میرے سر و چشم، کو ڈھانپ دے
وہ سلگتی سانسوں کی شال میں
جہاں میں ہوں اس کے جواب میں
☆☆☆

لچھا دار پراٹھا

آٹا گوندھنے کے لئے اجزاء:

میدہ	تین کپ
نمک	حسب ذائقہ
تیل یا گھی	دو کھانے کے چمچ

انڈا (اگر چاہیں تو نہ ڈالیں) ایک عدد

تمام چیزوں کو آٹے میں مکس کر کے پانی سے گوندھ لیں اور کم از کم پندرہ منٹ کے لئے ڈھک کر رکھ دیں۔

ترکیب

اب آٹے کے مناسب سائز کے پیڑے بنا لیں اور روٹی کی طرح بیل لیں، مگر اس پراٹھے کے لئے آپ روٹی کو بالکل باریک بیلیں گے، روٹی جتنی باریک ہوگی پراٹھا اتنا ہی اچھا بنے گا۔

اس کے بعد توے پر آئل لگا کر ہلکی آنچ پر تل لیں۔

چکن آلو خمیری پراٹھا

اشیاء

میدہ	4 کپ
خمیر	1-1/2 چمچ کھانے
پسی چینی	2 کھانے کے چمچ
نمک	1 چائے کا چمچہ
انڈا	1 عدد
تیل	1/2 کپ
خشک دودھ	2 کھانے کے چمچ
نیم گرم پانی	حسب ضرورت
پسی ہری مرچ	1 چائے کا چمچہ

فلنگ کے اجزا:

ابلے اور کچلے آلو	2 عدد
بھنا چکن کا قیمہ	250 گرام
نمک	1/4 چائے کا چمچہ
چاٹ مصالحہ	1/2 چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	چند پتے

ترکیب

ایک پیالے میں 4 کپ میدہ، 1-1/2 کھانے کے چمچے، خمیر 2 کھانے کے چمچے پسی ہوئی چینی، 1 چائے کا چمچہ، نمک، ایک عدد انڈا، 1/2 کپ تیل، ایک چائے کا چمچہ، پسی ہوئی مرچ اور دو کھانے کے چمچے خشک دودھ مکس کریں۔

پھر اسے حسب ضرورت نیم گرم پانی کے ساتھ نرم گوندھ لیں۔

اب اسے پھولنے کے لئے ایک گھنٹے تک چھوڑ دیں۔

فلنگ کے لئے پیالے میں ابلے کچلے آلو بھنا چکن کا قیمہ چائے کا چمچہ، نمک چائے کا چمچہ چاٹ مسالا اور ہرا دھنیا کے چند پتے ڈال کر مکس کریں۔

آٹے کے پیڑے بنائیں، اب ایک ایک کر کے ہر پیڑے کو بڑی پلیٹ کے برابر بیل ڈالیں۔

اب ایک روٹی پر درمیان میں تھوڑی سی فلنگ رکھیں، کناروں پر تھوڑا سا پانی لگائیں، اس

پر دوسری روٹی رکھ کر کناروں کو اچھی طرح جوڑ دیں، اس کے بعد اچھی طرح بیل کر بیکنگ ٹرے میں رکھیں اور 200 ڈگری سینٹی گریڈ تک گرم اوون میں بیک کر لیں یا پھر دو کھانے کے چمچے گھی کے ساتھ فرائی کر لیں۔

دال پراٹھا

اشیاء

چنے کی دال	ایک پیالی
نمک	حسب ذائقہ
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں	دو عدد
پودینہ (باریک کٹا ہوا)	ایک گڈی
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	چار عدد
تیل	تین کھانے کے چمچ
آٹا	آدھا کلو

ترکیب

چنے کی دال کو نیم گرم پانی سے دھو کر ابال لیں لیکن دال بہت نرم نہ ہو بکھری بکھری رہے، جب دال گل جائے تو اسے ٹھنڈا کر کے چوپر میں پیس لیں، پھر اس میں حسب ذائقہ نمک، پسی لال مرچ، لیموں کا رس، پودینہ اور باریک کٹی ہری مرچ شامل کر کے رکھ دیں، اب کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں مسالا ملی دال کو ہلکا سا بھون لیں، اس کے بعد آٹے میں نمک ملا کر تسلے میں نیم گرم پانی کے ساتھ گوندھیں اور تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں، ساتھ ہی توا گرم کر لیں، پھر آٹے کا ایک پیڑا بنائیں اور روٹی کی طرح بیل کر اس پر تھوڑی دال پھیلا دیں، کنارے تھوڑے تھوڑے چھوڑ دیں، اس کے بعد کناروں پر گیلا میدہ لگا کر دوسری روٹی بیل لیں اور اسے اوپر رکھ کر کناروں کو ہلکا سا دبا کر بند کر دیں، اب گرم توے پر اسے روٹی کی طرح سینک کر لکڑی کے چمچے سے تیل لگائیں، سینکنے کے بعد اسے اتار کر املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

سحری ڈرنک

اشیاء

دودھ	ایک پاؤ
پائن ایپل جوس	ایک کپ
شہد	چار کھانے کے چمچ
کیلے	دو عدد
پسی دار چینی	ایک چٹکی

ترکیب

گرائنڈر میں دو عدد میش کیے ہوئے کیلے، ایک پاؤ دودھ، چار کھانے کے چمچے شہد، ایک کپ پائن ایپل جوس، ایک چٹکی دار چینی شامل کر لیں اور گرائنڈر کی مدد سے گرائنڈ کر لیں۔

اب ایک سرونگ گلاس میں نکال کر سرو کریں۔

مسالا بھری مرچوں کے پکوڑے

اشیاء

بیسن	ایک پاؤ
ہری مرچ	چھ تا آٹھ عدد
نمک مرچ	حسب ضرورت
(زیرہ، املی کا رس، یا لیموں کا رس، چاٹ مسالا مرچوں میں بھرنے کے لئے)	
گھی تلنے کے لئے	حسب ضرورت

ترکیب

ایک کڑاہی میں گھی گرم کریں، مرچوں کو درمیان سے کٹ لگا کر بیج نکال دیں، پھر اس میں نمک مرچ، زیرہ املی کا رس یا لیموں کا رس، چاٹ مسالا بھر دیں بیسن کو نمک مرچ ڈال کر

گاڑھا پھینٹ لیں، پھر اس میں مرچوں کو لپیٹ کر تل لیں۔

قیمہ کی کچوریاں

اشیاء

قیمہ بغیر چربی والا	آدھا کلو
پیاز درمیانی ڈلی	دو عدد
آملیٹ کی پیاز کی طرح کٹی ہوئی	
لیموں	دو عدد
ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا	ایک گڈی
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی تین عدد	
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کھانے کا سوڈا	آدھا چائے کا چمچ
تلنے کے لئے تیل	حسب ضرورت

ترکیب

سب سے پہلے آٹے میں اجوائن نمک اور سوڈا ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں اور کسی گیلے کپڑے سے ڈھانک کر تقریباً پندرہ منٹ کے لئے رکھ دیں۔

پھر ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچہ ڈال کر قیمہ ڈال دی ساتھ میں نمک، ادرک لہسن اور مرچ ڈال دیں، جب پانی خشک ہو جائے تو ہلکا سا بھون کر پیاز، ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال دیں اوپر سے لیموں کا رس ڈال دیں پھر اچھی طرح مکس کر لیں ٹھنڈا ہونے دیں، اب آٹے کا چھوٹا سا پیڑا لے کر ہاتھ گیلا کر لیں پھر پیڑے، پھیلا کر تھوڑا سا قیمہ رکھ کر چاروں طرف سے بند کر دیں، ذرا سا دبا کر کچوری کی طرح پھیلا لیں، کڑاہی میں تیل گرم کریں، جب خوب گرم ہو جائے تو آنچ ہلکی کر کے کچوریاں تلنا شروع کر دیں، جب براؤن ہو جائیں تو نکال کر چھلنی میں اخبار بچھا کر اوپر رکھتی جائیں تا کہ تیل جذب ہو جائے، گرم گرم املی کی چٹنی دہی کے رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

قیمے کے کٹلٹس

اشیاء

قیمہ	ایک کلو باریک
آلو ابلے ہوئے	ڈیڑھ کلو
انڈے	دو عدد
ہرا دھنیا، باریک کٹا ہوا	ایک گڈی
ہری مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
پیاز آملیٹ کی طرح کٹی ہوئی بڑی ڈلی	
ڈبل روٹی کا چورا	ایک پیکٹ
نمک	حسب ذائقہ
تلنے کے لئے تیل	حسب ضرورت

ترکیب

سب سے پہلے آلو کو ابالیں، جب آلو اچھی طرح گل جائیں تو ان کا چھلکا اتار کر کانٹے کے ساتھ بھرتہ بنا لیں، ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر قیمہ ڈال دیں، ساتھ سارا مسالا بھی ڈال دیں، جب قیمے کا پانی خشک ہو جائے تو تھوڑا سا بھون کر اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں، پھر تھوڑے سے آلو ہاتھ میں لے کر اس کو پھیلا لیں، اب اس میں تھوڑا تھوڑا قیمہ بھر کر کٹلٹس بنا لیں، انڈا لگا کر چورا لگا لیں اور ہلکی آنچ پر فرائی کر لیں۔

چکن سموسہ

اشیاء

چکن کا قیمہ	آدھا کلو

ہرا مسالا	دو کھانے کے چمچ

ادرک، لہسن، ہری مرچ کا پیسٹ

دھنیا، پودینہ، ہری پیاز کٹی ہوئی دو کھانے کے چمچ

گرم مسالا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل فرائی کے لئے	دو کپ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچ

ترکیب

قیمہ میں ہرا مسالا کا پیسٹ، لال مرچ، گرم مسالا، نمک ڈال کر پانی خشک ہونے تک پکائیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد اس میں کٹا ہوا پودینہ، ہری پیاز، لیموں کا رس ایک چائے کا چمچہ اچھی طرح مکس کر کے سموسوں میں بھر لیں اور فرائی کر لیں۔

اجزاء برائے سموسے:

آٹا	دو کپ
گرم پانی	ایک چوتھائی کپ
کوکنگ آئل	چار کھانے کے چمچے
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:۔

آٹے میں کوکنگ آئل، نمک اور پانی ملا کر نرم آٹا گوندھ لیں، آٹے کے پیڑے بنا لیں، ہر پیڑے کو اپنی ہتھیلی میں دائرے کی شکل میں گھماتے ہوئے آخر میں دبا کر چپٹا کر لیں، اس پیڑے کو بیلن سے رول کر کے چار انچ کی گول روٹی سی بنا لیں اور پھر اسے درمیان میں دو ٹکڑوں میں کاٹ لیں، ہر ایک نیم دائرہ روٹی کو سموسے کے لفافے کے طور پر استعمال کریں، سیدھے کنارے کو قدرے گرم پانی سے گیلا کر لیں، نیم دائرہ حصے کو اس طرح فولڈ کریں کہ ایک تکونی بن جائے، سیدھے کناروں کو دبا کر ایک دوسرے میں پیوست کر دیں اس طرح کہ درمیان میں خلا نہ رہے، ان کون میں چکن کی فلنگ بھر دیں، البتہ کون کے اوپری حصہ میں 1/4 انچ کے لگ بھگ خالی جگہ چھوڑ دیں، اب اوپری کناروں کو گیلا کر کے سختی سے ملا دیں تاکہ سموسہ کی شکل اختیار کر لے، درمیانی آنچ پر ان سموسوں کو گولڈن براؤن ہونے تک ڈیپ فرائی کر لیں اور ان کا تیل پیپر ٹاول پر خشک کر لیں، افطار کا مزا ان سموسوں کے ساتھ تو اور بھی بڑھ جائے گا۔

مینگو ٹینگو

اشیاء

برف	ایک کپ
کٹا آم	ایک عدد
ٹینگ	دو کھانے کے چمچے
وائٹ ڈرنک	ایک کپ
پودینے کے پتے	دو کھانے کے چمچے
چینی	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

بلینڈر میں ایک کپ برف، ایک عدد کٹا آم، دو کھانے کے چمچے، ٹینگ، ایک کپ وائٹ ڈرنک، دو کھانے کے چمچے پودینے کے پتے اور دو کھانے کے چمچے چینی ڈال کر بلینڈر کریں، یہاں تک کہ وہ اسموتھ ہو جائے۔

فالسے کا شربت

اشیاء

فالسے	آدھا کلو
چینی	چھ سو گرام
پانی	ایک لیٹر
سٹیرک ایسڈ	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

فالسوں کو اچھی طرح صاف کریں، تھوڑے پانی میں فالسے ڈال کر ہاتھوں کے ذریعے مسلیں اور گٹھلیاں الگ کریں، گودا ملا پانی مکسر میں ڈال کر پتلا رس نکال لیں، چینی اور پانی ملا کر چینی حل ہونے تک پکائیں، چھان کر ایک تار کی چاشنی بنائیں، رس ڈال کر تھوڑی دیر تک پکائیں، اسے ٹھنڈا کر کے سٹیرک ایسڈ ملائیں، اب اس شربت کو صاف خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں، اب اس کو انگور کے تیار شربت میں اچھی طرح ملا دیں، صاف اور خشک بوتلوں میں اس مشروب کو بھر کر ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں، برف اور ضرورت کے مطابق پانی ڈال کر اس مشروب کو ملا کر پیش کریں۔

کچے آم کا شربت

اشیاء

ابلے کے آم کا گودا	دو کپ
چینی	چار کپ
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
بھنا پسا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
پسا پودینہ	ایک چائے کا چمچہ
پانی	دو کپ

ترکیب

پانی اور چینی ملا کر چاشنی بنا لیں، چاشنی کو ٹھنڈا کر کے چھان لیں، آم کا گودا مکسر میں ڈال لیں، نمک زیرہ اور پودینہ ڈالی اور مکسر چلا کر باریک پیس لیں، تیار چاشنی میں پسے ہوئے کچے آم کا مرکب ملائیں، صاف اور خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں۔

پینے یا پلانے کے وقت ایک حصہ رس یا شربت میں تین حصے پانی اور چورا برف ملائیں اور افطاری میں استعمال کریں۔

لینٹل رائس سوپ

اشیاء

چاول ابلے ہوئے	آدھا کپ
یخنی	آدھا کپ
مسور کی دال گرینڈ کی ہوئی	ایک کپ
گاجر کش کی ہوئی	ایک کپ
پیاز براؤن کیا ہوا	ایک عدد
سلاد	ایک گٹھی
نمک	ایک کھانے کا چمچہ
سبز مرچ پیسٹ کی ہوئی	دو عدد
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
پانی	حسب ضرورت

ترکیب

مسور کی دال کو پندرہ منٹ کے لئے دھو کر بھگو دیں، گرینڈر میں ابلے ہوئے چاول اور مسور کی دال کو ڈال کر گرینڈ کریں ایک ساس پین میں ایک لیٹر پانی ڈال کر دال اور چاول والا آمیزہ ملائیں، کش کی ہوئی گاجر، براؤن کیا ہوا پیاز، نمک ملا کر خوب پکائیں، جب آمیزہ گاڑھا ہونے لگے تو یخنی ملا دیں اور ایک جوش آنے دیں سوپ کے پیالے میں سوپ نکال کر ٹیبل پر لے آئیں ایک ڈش میں سلاد کے پتے کاٹ کر ساتھ رکھیں اور سوسر میں سبز مرچوں کا پیسٹ سرکہ ملا کر رکھ دیں سوپ نوش کرتے وقت اپنی پیالی میں سلاد اور سبز مرچوں کی ساس ملائیں، بے حد لذیز سوپ تیار ہے۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

رمضان المبارک کا بابرکت اور فضیلت والا مہینہ اپنی رحمتیں لٹا رہا ہے اور یقیناً آپ سب اس سے فیضاب ہو رہے ہوں گے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض کرنے کا مقصد یہ بتایا ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے، تقویٰ کا مطلب ہے خود کو غلط باتوں سے محفوظ رکھنا اور حکام خداوندی کے مطابق صحیح طریقوں پر زندگی بسر کرنا، تقویٰ تمام عبادات کی بنیاد ہے اور اسلام کی تمام عبادات کا بنیادی مقصد باطنی اصلاح اور قلبی کیفیات کی تبدیلی ہے۔

روزہ کی وجہ سے سحری سے لے کر افطاری تک انسان عملی طور پر صبر اور شکر، اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ضابطوں اور احکام کی اطاعت کرنے کی تربیت مسلسل اور لمحہ بہ لمحہ ہوتی رہتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہینے سخاوت کی انتہا کر دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور سنت کا تقاضا ہے کہ اس مہینے مستحقین کی دل کھول کر امداد کی جائے، ماہ رمضان کے ایک ماہ کے روزے خالق حقیقی کی عبادت اور مخلوق کی تربیت ہے، اس ایک ماہ کے روزوں کی تربیت کا حقیقی مفہوم اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب رمضان المبارک کے بعد بھی ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کریں، اسلام کے اصولوں پر کاربند رہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

رمضان المبارک کی خصوصی دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیے گا، اپنا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں، آیئے مئی کے شمارے کی تحریروں پر قارئین کی رائے جاننے کے لئے ''کس قیامت کے یہ نامے'' کی محفل میں چلتے ہیں، درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین۔

یہ پہلا خط ہمیں رفعت سعید کا چیچہ وطنی سے موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

مئی کا شمارہ ماروا حسین کا ٹائٹل سے سجا ملا بے حد پسند آیا، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل و دماغ پر مسحور کن کیفیت طاری کر دی، پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھیں معلومات میں اضافہ ہوا جزاک اللہ۔

انشاء نامہ میں ''کچھ حسب حال'' کے عنوان سے موجودہ صورت حال کی عکاسی کرتی ہوئی انتہا کی دلچسپ تحریر تھی، سب سے پہلے بشریٰ سیال کا ناول ''پریت نہ کیجیو کوئی'' پڑھا، واہ بہت خوب بشریٰ سیال نے بہت اچھا لکھا، موضوع اگرچہ وہی پرانا ''ونی'' تھا مگر خوبصورت

لفظوں کا استعمال بڑی خوب صورتی سے کیا گیا، ناول میں شامل دونوں نظمیں بے حد شاندار تھیں خصوصاً چل آ ریک نظم کہوں، کیا یہ بشریٰ سیال جی کی اپنی شاعری تھی، پلیز بتائیے گا ضرور، اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا، سونیا چوہدری کا ناول ''متاع جان ہے تو'' کا اینڈ اگرچہ افسردہ کر دینے والا تھا مگر پسند آیا، سونیا چوہدری بے حد خوبصورتی سے کہانی کا اختتام کیا، کاش کہ مصطفیٰ کو حیاء کی محبت کا احساس اس کی زندگی میں ہو جاتا، ام ایمان قاضی کی طویل تحریر مکمل ناول کی صورت ''مجھے شفاف رہنا ہے'' بھی اچھی لگی۔

ناولٹ ''ان لمحوں کے دامن میں'' کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ رہا اس کی پہلی قسط بڑی پاور فل تھی مگر آگے چل کر مشیرہ تسلسل برقرار نہیں رکھ پائیں، بعض جگہ کرداروں سے ایک ہی جملہ بار بار رٹوایا گیا جو کہ پسند نہیں آیا، پلیز مشیرہ اس طرف توجہ دیں۔

''دل گزیدہ'' ام مریم کا ہمیشہ کی طرح پسند آیا، نایاب جیلانی نے اس مرتبہ کیا کیا ہے، کومے کو کیوں مار دیا، اتنا اچھا کردار تھا اس کا، اب مورے اور اس کی فیملی کا کیا ہوگا، دوسری طرف ام مریم کا ناول ''دل گزیدہ'' میں بھی کوئی بہار کا جھونکا آ ہی نہیں رہا، ہر طرف یاسیت، مایوسی کے بادل چھائے ہوئے ہیں، غانیہ بیچاری بڑھاپے کی طرف گامزن ہے مگر جب سے وہ منیب چوہدری کی زندگی میں آئی ہے خوشی نام کی چیز اس سے روٹھ گئی ہے، ایسی بھی کیا محبت ہوئی۔

ناولٹ میں مبشرہ انصاری اپنی تحریر کو بلاوجہ لمبا کر رہی ہیں، پلیز اس کا اب اختتام کر دیں، دو قسطوں سے وہی کچھ چل رہا ہے، الحان کا مانو کے پیچھے خوار ہونا اور باقی لڑکیوں کا الحان کے لئے پاگل ہونا، لگتا ہے مصنفہ صاحبہ ہمسایہ ممالک کے ایک شو سے متاثر ہو کر اس تحریر کو لکھ رہی ہیں۔

افسانے سبھی اچھے تھے لیکن تابندہ جاوید کی تحریر ''معصوم شکایتیں'' بے حد پسند آئی، حنا میں ان مصنفہ کا نام پہلی مرتبہ دیکھا ہے پہلی مرتبہ آتے ہی وہ چھا گئیں ویلڈن تابندہ جاوید، آپ کی ایسی ہی چٹ پٹی تحریروں کا انتظار رہے گا، جبکہ ''دیر لگی آنے میں'' ثمینہ بٹ کی تحریر بھی متاثر کن رہی، حنا اصغر کا افسانہ ''اک پل'' اگرچہ مختصر تھا مگر بے حد سبق آموز، مستقل سلسلے میں حاصل مطالعہ میں سعدیہ جبار کا ''جب برائی زیادہ ہو جائے'' فرح عامر اور فریال امین کے انتخاب نے متاثر کیا، میری ڈائری اور بیاض سبھی دوستوں کا انتخاب ان اعلیٰ ذوق کی نشاندہی کر رہا تھا جبکہ حنا کی محفل اور رنگ حنا نے مسکراہٹوں کے جلوے بکھیرے، دستر خوان میں افراح طارق نے مزے مزے کے کھانوں سے ہماری تواضع کی، کس قیامت کے یہ نامے میں نگہت غفار کی آمد پسند آئی، باقی دوستوں کے تبصرے بھی جاندار تھے۔

رفعت سعید! اس محفل میں خوش آمدید، مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف و تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے، بشریٰ سیال کے ناول میں شائع نظم کے خالق کوئی اور ہے، آپ کی رائے کے ہم آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

ماہ بشیر: ڈنگہ سے لکھتی ہیں۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کون بھئی ہم بھی حنا کے بہت پرانے قاری ہیں پر آج آپ کے روبرو ہوئے ہیں، پر ایک ڈر ابھی بھی ہے کہ پتا نہیں ہم آپی فوزیہ کی محفل میں شامل ہو پائیں گے کہ نہیں۔

ٹائٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا، ماورا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

حسین ہماری پسندیدہ ماڈل ہیں، تو ٹائٹل کیسے نہ پسند آتا سپر، اس کے بعد پہنچے ''پربت کے اس پار کہیں'' غضب کا ناول ہے یہ، ''دل گزیدہ'' آپی مریم الفاظ نہیں ہے ویل ڈن بہت خوب، مکمل ناول ''پریت نہ کیجیو'' اور ''مجھے شفاف رہنا ہے'' یہ دونوں بہت پسند آئے۔

''متاع جاں'' سونیا چوہدری یہ قسط بھی اچھی رہی۔

ناولٹ ''ان لمحوں کے دامن میں'' مبشرہ انصاری اچھا جا رہا ہے، افسانے چار تھے چاروں ایک سے بڑھ کر ایک نکلے۔

حاصل مطالعہ میں سب کے انتخاب اچھے لگے، کس قیامت کے یہ نامے سب کے تبصرے اچھے لگے اب دیکھنا ہے کسی کو ہمارا تبصرہ کیسا لگا۔

حنا کا دستر خوان، سب ڈشز اچھی لگیں کبھی کوئی ایک ٹرائی کروں گی، حنا کا انداز بیاں بہت مختلف ہے اس لئے اس کے علاوہ کوئی ماہنامہ دل کو بھاتا نہیں ہے، اگلے ماہ تک کے لئے اللہ حافظ، حنا دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

ماہا بشیر خوش آمدید، دل و جان سے آپ کو اس محفل میں، مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، یہ آپ نے کیا بات کی ہم آپ کو اس محفل میں جگہ نہیں دیں گے، حنا آپ کا، یہ محفل آپ کی، جسے آپ سب اپنی محبتوں کے دیئے جلا کر روشن کرتے ہیں۔

مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

ثمرہ کاظمی: ڈرین سے لکھتی ہیں۔

مئی کا شمارہ، ٹائٹل میں ماروا حسین بہت پیاری لگ رہی تھی، حنا ہمیں بہت لیٹ ملتا ہے، ابن انشاء کی باتیں پڑھ کر بے ساختہ مسکراہٹ لبوں کو چھو لیتی ہے، ام مریم کا ناول ''دل گزیدہ'' کچھ خاص پسند نہیں آ رہا، نہ جانے کیوں لگتا ہے کہانی کچھ الجھی الجھی سی ہے، بشریٰ سیال، ام ایمان قاضی، سونیا چوہدری کے مکمل ناول بے حد پسند آئے، افسانوں میں حمیرا نوشین کا افسانہ نمبر ون رہا، میری فیورٹ ''پربت کے اس پار کہیں'' بھی بے حد اچھا جا رہا ہے، نایاب جی نومی کا شانزے کے ساتھ نہ بنائے گا، ویسے حمت اور امام کی جوڑی اچھی لگے گی، ہیام کا کردار میرا فیورٹ ہے، نیل بر کی آزمائش بھی اب ختم کر دیں نایاب جی، بیچاری کافی عرصے سے جہاندار کی بے رخی سہہ رہی ہے، آپی مجھے آپ سے پوچھنا ہے کہ میں مختلف رسائل میں لکھتی ہوں اور اب میں یہ چاہتی ہوں کہ حنا بھی اپنی تحریروں سے بھروں، پلیز آپ مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کے ماہنامے میں تحریریں بھیجنے کا طریقہ کار کیا ہے۔

آخر میں بات ہو جائے کس قیامت کے یہ نامے کی تو اس میں اس مرتبہ مسز نگہت غفار کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔

ثمرہ کاظمی اس محفل میں خوش آمدید، مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف و تنقید مصنفین کو ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہیں۔

آپ ضرور حنا میں اپنی تحریریں بھیجیں، ہمیں خوشی ہوگی، آپ تحریر لکھتے وقت ایک لائن چھوڑ کر لکھئے گا اور ''حنا'' میں جو خط و کتابت کا پتہ شائع ہوتا ہے اسی پر اپنی تحریریں بھجوا دی، اب جو سوال ہے اعزازیہ کا تو تین تحریریں شائع ہونے کے بعد اعزازیہ دیا جاتا ہے شکریہ۔

☆☆☆